مقالاتِ دانش

مختلف شعبہ ہائے زندگی کے متعلق، کتاب و سنت کی روشنی میں ایک رہنما کتاب



تالیف

فضیلۃ الشیخ عبداللہ دانش حفظہ اللہ

خطیب مسجد البدر نیویارک

ترتیب وتقدیم

میاں طاہر

فاضل مدینہ یونیورسٹی

مرکز الحرمین الاسلامی

فیصل آباد پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com
www.KitaboSunnat.com

مرکز الحرمین الاسلامی

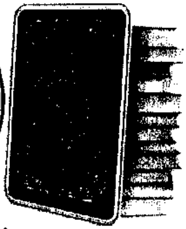
MARKAZ
Al-Harmain-ul-Islami

مرکز الحرمین الاسلامی

MARKAZ
Al-Harmain-ul-Islami

Cell: +92-314-3010777, info@alharmain.org
www.alharmain.org www.youtube.com/alharmain

بسم اللہ الرحمن الرحیم



مقالاتِ دانش

مختلف شعبہ ہائے زندگی کے متعلق، کتاب وسنت کی روشنی میں ایک رہنما کتاب



تالیف

فضیلۃ الشیخ **عبداللہ دانش** حفظہ اللہ

خطیب مسجد البدر نیویارک

ترتیب وتقدیم

میاں طاہر

فاضل مدینہ یونیورسٹی

مرکز الحرمین الاسلامی

فیصل آباد پاکستان

ناشر ——— محمد جاوید ناصر
اہتمام ——— مولانا عبداللہ دانش
پبلشر ——— آفتاب خان صادق
طابع ——— محمد یونس
تزئین ——— لقمان بشیر
تعداد ——— 2200
کمپوزنگ ——— مرکز الحرمین الاسلامی
الحرمین اڈیشن ——— جولائی 2012ء

کتاب وسنت کی ترویج واشاعت کیلئے
مصروفِ عمل

مرکز الحرمین الاسلامی
ستیانہ روڈ فیصل آباد پاکستان
Cell: +92-314-3010777
info@alharmain.org
www.alharmain.org
www.youtube.com/alharmain

کلمہ مرکز الحرمین الاسلامی

امت مسلمہ انتہائی قعر و مذلت اور ناگفتہ بہ صورتحال سے دوچار ہے۔ پچپن (55) سے زائد اسلامی ممالک اور ڈیڑھ ارب سے زائد مسلمان جو دنیا کی کل آبادی کا تہائی حصہ ہیں۔ دنیا کے کسی خطہ، فورم، مقام اور بین الاقوامی انجمنوں، اداروں، ایسوسی ایشنوں میں کوئی مقام اور حیثیت نہیں رکھتے۔ بے پناہ مادی، معدنی اور افرادی قوت ایسے عظیم وسائل اور آسمان کو چھوتی ہوئی بلند و بالا عمارتیں، شاہی ٹھاٹھ باٹھ، اتنی بڑی طاقت وشوکت کے باوجود پرکاہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں۔ دور جدید کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ عصر حاضر کے تقاضے بھی روز بروز تبدیل ہو رہے ہیں۔ اس نظام، مزاج اور تبدیلی میں دور جدید اور استعماری قوتوں کا بھی بڑا عمل دخل ہے۔ باہمی خلفشار اور دھینگا مشتی کی کارفرمائیاں بھی ہم سے جینے کا حق چھین رہی ہیں۔ اسلامی تعلیمات وافکار سے دوری، اعتقاد کی خرابی، اعمال کی تباہی نے اسلام کی مضبوط عمارت کو منہدم کر دیا ہے۔ در و بام کی چولیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔ خودی اور خودداری ختم ہو کے رہ گئی ہے۔ معاملات، حالات اور عصری تقاضوں کو سمجھنے کی بجائے ہم اپنی اپنی ڈگڈگی بجا کر اپنی مجمع بازی پر نازاں ہیں۔ ہمارے اندر اسلامی قوت، طاقت اور پوری دنیا پر بالا دستی اور اعلاء کلمۃ اللہ کا جذبہ ماند پڑ گیا ہے۔ ہماری پہچان اور تشخص ختم ہوتا جا رہا ہے۔ ہم اپنے سماجی راہزنوں، اخلاقی قدروں اور دینی ذمہ داریوں کو بھولتے جا رہے ہیں۔

امت محمدیہ کے سیاسی، علمی، تعلیمی، معاشی، معاشرتی، اخلاقی زوال میں داخلی اور خارجی اسباب کی ایک لامتناہی فہرست ہے۔ جس کے سبب آج ہم ڈیڑھ ارب یعنی دنیا کا ہر پانچواں شخص ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کا ماننے والا اور اقراری ہے۔ اتنی عظیم

تعداد کے باوجود مسلمان پرکاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ بقول اقبال رحمہ اللہ

مسلمان نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' قرآن وحدیث کی ایک اصطلاح ہے۔اور ہر مسلمان مرد وعورت حتی المقدور مکمل طور پر اس کی بجا آوری کا مکلّف ہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

''تم میں ایک ایسی جماعت ضرور ہونی چاہئے جو خیر و بھلائی کی دعوت دے اور برائی اور بے حیائی سے منع کرے۔ یہی لوگ حقیقتاً کامیاب وکامران ہیں۔'' (3آل عمران،104)

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ''خیر امت'' بننے اور ''راہ راست'' پر قائم رہنے کے لئے صرف ذاتی صفات اور عمل وامتثال ہی مطلوب ومقصود نہیں ہے، بلکہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی ایسے ہی اوصاف وکمال اور نیک اعمال کی طرف دعوت دینا ہے۔

ایک مسلمان پر فرض ہے کہ وہ پوری طرح اللہ کے احکامات پر عمل پیرا ہو، زندگی میں تقویٰ کا چال چلن اختیار کرے اور اپنی زندگی کے آخری لمحات تک اسلامی تعلیمات پر قائم اور گامزن رہے۔ کفر وضلالت اور باطل کے مقابلہ میں متحد ومتفق، ہمہ وقت مستعد اور برسر پیکار رہے اور طاغوتی قوتوں کے مقابلہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مضبوط ومستحکم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھے۔ گروہ بندی انتشار اور افتراق سے بچتا رہے۔

دعوت قرآن وحدیث کا مطلب دین اسلام کے کسی ایک جزو یا شعبہ کی طرف دعوت دینا نہیں بلکہ مکمل دین کی دعوت ہے۔ جو انسانی زندگی کے تمام گوشوں اور پہلوؤں پر محیط ہے اور یہ دعوت حق امت مسلمہ پر فرض بھی ہے۔ کیونکہ آج کے دور میں پائے جانے والے ادیان و مذاہب، قوانین ونظریاتِ زندگی، اسلام کی نظر میں باطل، غلط اور فتنہ وفساد کا باعث ہیں اور دین اسلام ان تمام عقائد باطلہ اور نظریات فاسدہ کا قلع قمع کرنے کا حکم دیتا

ہے۔جس کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔اس میں عبادات، معاملات، اخلاقیات، رسومات ورواج، خیالات ونظریات غرضیکہ سبھی باتیں آ جاتی ہیں۔ کیونکہ اللہ یہ چاہتے ہیں کہ زندگی کا ہر لمحہ اور ہر گوشہ اسی کی فرمانبرداری اور اطاعت شعاری میں گزرے۔ پوری زندگی اور اس کے تمام شعبہ حیات میں حکم اور قانون اسی کا چلے اور اللہ کے احکامات میں کسی طرح کی اعتقادی، عملی کوتاہی اور من مرضی کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ دین کی دعوت وتبلیغ آسان اور سادہ کام نہیں ہے۔ جہاں وعظ ونصیحت اور تذکیر وتلقین کی ضرورت ہے۔ وہیں اسلامی تعلیمات واحکامات شریعت کو پوری علمی، فکری اور تحقیقی رنگ میں پیش کرنا اور عقل واستدلال سے ثابت کرنا بھی ضروری ہوتا ہے اور یہ استدلال اور علمی خدمت ایک بہت بڑی سعادت اور خوش بختی ہے۔ وہ لوگ واقعی خوش نصیب اور ان کی زندگیاں مبارک ہیں، جو نا صرف دین اسلام ہی کو حق اور معیار سمجھتے ہیں بلکہ اسے فروغ دینے اور نشر واشاعت میں اپنی تمام تر قوتیں اور صلاحیتیں صرف کر رہے ہیں۔

مقالات دانش یہ عمومی زندگی میں درپیش مختلف مشکلات ومسائل اور ان کے حل پر مبنی ایک انتہائی جامع اور خوبصورت کاوش، جو عوام وخواص سب کے لئے یکساں مفید، واضح نصب العین اور رہنما کتاب ہے۔اس لئے اس بات کا بھرپور اہتمام اور کوشش کی گئی ہے کہ انتہائی ضعیف اور موضوع احادیث سے اجتناب واحتراز کیا جائے۔ کتاب میں موضوع کی مناسبت اور موقع محل کی غرض وغایت سے عربی اشعار کا بڑا ہی جاندار، خوبصورت اور برمحل استعمال اور استدلال کیا گیا ہے۔ جو نفس مضمون کو اور بھی چار چاند لگا دیتا ہے۔اسی لئے عربی اشعار کا حتی الامکان لفظی قید سے بالاتر ہو کر آسان فہم اور سلیس اردو ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

مصنف فضیلۃ الشیخ عبداللہ دانش حفظہ اللہ نے زبان وبیان کی بھرپور چاشنی، روانی وسلاست اور اظہار مافی الضمیر کے ساتھ مترادفات، لفظی بھرمار اور صنعت گری، بہت زیادہ ادبی اسلوب وبیان، زور آزمائی اور الفاظ کے تانے بانے کی بھول بھلیوں سے اجتناب کرتے ہوئے نالہ دل ودماغ، حقیقت وحقائق کی صحیح اصلاح اور ترجمانی کی بھرپور کوشش کی ہے۔

موقع محل کی مناسبت سے آیات واحادیث کے استدلال کے ساتھ ساتھ اس کے بار بار تکرار سے بچتے ہوئے بڑا خوبصورت، برمحل استدلال واستنباط اور طرز بیان کیا ہے۔

آج کل مسلم معاشرہ میں عقیدہ وعمل کی تباہی اور اخلاقی زبوں حالی تمام تر حدود وقیود تجاوز کر رہی ہے۔ ہر طرف بے حیائی، معاصی ومنکرات، بے راہ روی، خلفشار اور انارکی عام ہے۔ اسلامی اخلاق و رویے روبہ زوال ہیں۔ ہمدردی اور غمگساری جو ایک مسلم معاشرے کا اولین مقصد اور طرہ امتیاز ہے۔ اب صرف کتابی اور خیالی باتیں ہیں۔ جبکہ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں جابجا اسلامی اخلاق وآداب اپنانے، اللہ سے ڈرنے اور آخرت کو یاد رکھنے کی نہایت تاکید اور تلقین فرمائی گئی ہے۔

فضیلۃ الشیخ عبداللہ دانش حفظہ اللہ نے ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' ایسا عظیم فریضہ ادا فرماتے ہوئے معاشرتی اور سماجی برائیوں اور بیماریوں کی نشاندہی کرتے ہوئے ایک جامع، مفید اور اصلاحی بیڑہ اٹھایا ہے۔ مقالاتِ دانش کے مطالعہ سے معاشرتی، معاشی، سماجی اور اخلاقی اصلاح کے ساتھ ساتھ اللہ کے سامنے جواب دہی کا احساس اجاگر اور بیدار ہوگا اور انسان اپنی دینی، دنیاوی اور اخلاقی اصلاح کے ساتھ ساتھ اخروی زندگی کو کامیاب وکامران بنانے کا آرزومند بھی ہوگا۔ انشاء اللہ العزیز۔

مقالاتِ دانش ایسی مفید اور اصلاحی کتاب کا گھر میں ہونا اسلامی معاشرہ میں بڑھتی ہوئی بے حیائی، عریانیت اور جہالت کی اصلاح کے ساتھ ساتھ ایک بیش قیمت اور گراں قدر تحفہ ہے۔ مقالاتِ دانش کا مطالعہ ذہن وفکر کی اصلاح، روح واخلاق کی بالیدگی، اور انسانی شعور کی آبیاری کا باعث ہوگا۔ آسان، سادہ، شگفتہ اور دلنشین اسلوب بیان نے اس کتاب کی افادیت واہمیت میں اور بھی اضافہ کر دیا ہے۔

فضیلۃ الشیخ عبداللہ دانش حفظہ اللہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے، مختلف تعلیمی اور عسکری اداروں میں خدمات سرانجام دینے کے باوجود ایک دھیمی، خاموش طبع اور منکسر المزاج شخصیت کے مالک ہیں۔ جو نمود ونمائش سے بہت دور علمی اور تحقیقی کاموں میں ہمہ تن اور ہمہ وقت مصروف ہیں۔ مقالاتِ دانش پر مشتمل گراں قدر مضامین موضوع کی سنجیدگی کے باوجود علمی

اور جاندار اسلوب کے باعث قاری کو کہیں بوجھل پن کا شکار نہیں ہونے دیتے۔ جیسے جیسے قاری اس کے مطالعہ میں مصروف و مشغول ہوتا ہے۔ لذت، تازگی اور افادیت کا احساس مزید دوچند ہو کر علمی زندگی کا حقیقی ثمر اور ذوق محسوس کرتا ہے۔ گویا کہ فضیلۃ الشیخ عبداللہ دانش حفظہ اللہ کی یہ نگارشات ایک عظیم، معتبر، مستند اور باوقار سرچشمہ فیض ہے۔

دعا ہے کہ اللہ فضیلۃ الشیخ عبداللہ دانش حفظہ اللہ کی اس حسین و جمیل کاوش مقالاتِ دانش جو مختلف شعبہ ہائے زندگی کے متعلق، کتاب و سنت کی روشنی میں ایک رہنما کتاب کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے، اور انہیں اجر عظیم اور جزائے جمیل سے مالا مال فرمائے۔ اور رہتی دنیا تک ان کی مساعی جمیلہ کو صدقہ جاریہ کے طور پر قبول و منظور فرمائے۔

آخر میں مَیں مرکز الحرمین الاسلامی فیصل آباد پاکستان کے تمام رفقاء و معاونین کا بھی تہہ دل سے ممنون احسان اور دعا گو ہوں کہ اللہ ان کی اس سعادت کو شرف قبولیت بخشے اور ہماری کمی کوتاہی سے درگزر فرماتے ہوئے ہم سب کو سچ، سچائی اور اخلاص کی توفیق عطا فرمائے۔ بے شک وہی سننے والا، بخشنے والا، مہربان اور قادر مطلق ہے۔

وَمَا تَوْفِيْقُنَا اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ وَ عَلَيْهِ التُّكْلَانُ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ حَمْدًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا

میاں طاہر فاضل مدینہ یونیورسٹی
مرکز الحرمین الاسلامی فیصل آباد پاکستان

ابتدائیہ

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ۔

ہمارا دین جس کا معروف نام اسلام ہے، ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، پیدائش سے لے کر اس دار فانی سے رخصت ہونے تک کے تمام مسائل کا حل اس میں موجود ہے۔ ضرورت کی ہر چیز بتادی گئی ہے۔ رب کائنات نے اسے مکمل نعمت قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (سورۃ المائدہ، 3)

''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تمہیں اپنی پوری نعمت عطا کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کیا ہے۔''

ہادئ برحق ﷺ نے اسے ایک مکمل عمارت سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا......

بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ...... ایک مکمل عمارت کے لئے جس طرح پانچ (5) بنیادی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یعنی چار دیواریں اور پانچویں چھت، بالکل اسی طرح دین اسلام کی بھی پانچ بنیادیں ہیں۔ کسی عمارت کی اگر چاروں دیواریں پختہ، پکی، مضبوط اور نہایت ہی خوبصورت بنادی جائیں لیکن اوپر چھت نہ ڈالی جائے تو کوئی شخص بھی اسے مکمل عمارت نہیں مانے گا، کیونکہ وہ اپنے مکین کو سردی، گرمی اور بارش وغیرہ سے بچا نہیں سکے گی اسی طرح اگر کسی عمارت کی تین دیواریں ہوں اور ان پر چھت بھی ہو تو پھر بھی وہ مکمل عمارت نہیں کہلائے گی کیونکہ وہ آنے جانے والے جانوروں اور چوروں ڈاکوؤں سے محفوظ نہیں ہوگی اس میں رکھا جانے والا سامان کسی وقت بھی ضائع ہوسکتا ہے، بعینہٖ اسلام کی عمارت ہے اگر اس کی پانچ بنیادوں میں سے کوئی ایک بھی مفقود ہو تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

فاضل مقالہ نگار نے اچھے پیرائے میں مختلف حوالہ جات کی مدد سے اس بات کی کوشش کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے فرمان مذکورہ بالا کی اس انداز سے وضاحت ہو جائے کہ اس کی اہمیت کا پورا پورا شعور جاگ اٹھے اور کوئی شخص بھی اسلام کی ادھوری اور نامکمل

عمارت بنا کر اس پر نازاں نہ ہو جائے کہ اس نے بہت کچھ کر لیا ہے، جیسا کہ ایک موقع پر مخبر صادق ﷺ نے فرمایا:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ (کلمہ لا الہ الا اللہ) جنت کی کنجی ہے

تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خوش ہو کر کہنے لگے پھر تو فکر کی کوئی بات نہیں یہ کنجی تو ہم سب کے پاس ہے، جنت کا دروازہ کھل جائے گا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے کوئی ایسی چابی دیکھی ہے جس کے دندانے نہ ہوں؟ عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ نہیں۔ چنانچہ فرمایا تو پھر اس چابی کو دندانے لگاؤ گے تو تالہ کھولے گی، اس کے دندانے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ہیں۔

فصیح العرب والعجم ﷺ نے ایسی ایسی عمدہ مثالوں اور تشبیہات سے دین کی باتیں سمجھا دی ہیں کہ کوئی ابہام باقی نہیں رہا۔ بس یہ بعض دلوں کی کجی اور ٹیڑھا پن ہے جو آڑے آتا ہے...... آیئے سب مل کر رب رحیم و کریم کی سکھائی ہوئی دعا مانگیں۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْهَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔

یکم مئی 2003ء

پروفیسر حافظ ثناء اللہ خاں
70 آریہ نگر پونچھ روڈ لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اسلام کی عمارت

اسلام کی پانچ بنیادوں پر عالی شان عمارت کھڑی کرنا

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلَ اللّٰهِ، وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ، وَالْحَجِّ وَ صَوْمِ وَمَضَانَ۔ (متفق علیہ)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔''

1. گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔
2. نماز قائم کرنا
3. زکوٰۃ ادا کرنا
4. حج کرنا
5. رمضان کے روزے رکھنا

تشریح:

کسی بھی عالی شان عمارت کے لئے بنیادوں کا مضبوط ترین ہونا ضروری ہے، جیسے خوبصورت اور پائیدار بلڈنگ ہوا میں کھڑی نہیں ہوسکتی، اسے طاقتور بنیادوں کی ضرورت ہے، ویسے ہی مضبوط بنیادیں بنا کر چھوڑ دینا اور ان پر عمدہ عمارت نہ بنانا، مضبوط بنیادوں کے مقصد کو فوت کر دینا ہے۔ یعنی عمارت کے لئے بنیاد ضروری ہے اور بنیاد کے لئے عمارت ضروری ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ''بُنِيَ الاِسْلَام'' بھی درحقیقت ایسی ہی تمثیل سے وضاحت مقصود ہے۔ ''الترغیب والترہیب'' کے حاشیہ نگار نے بنی کا معنی لکھا ہے...... اُقِيمَ و اُسس...... کھڑا کیا گیا، بنیاد رکھی گئی۔

بُنِيَ الاسْلامُ عَلٰى خَمْسٍ۔

Islam is built upon five Pillars.

جمال الدین ایم زاروبوزو نے ''اربعین نووی'' کی انگلش شرح تین جلدوں میں لکھی ہے اور سترہ صد (1700) صفحات پر بسیط اور مستند شرح ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ''اسلام کی عمارت پانچ ستونوں پر قائم ہے'' مزید لکھتے ہیں:

"The Messenger of Allah (Peace be upon him)has given a parable in which he gives a picture of Islam like that of a house, The foundations of pillars of the house are five. If the house is missing these five, then, in reality, it does not exist at all. The other acts of Islam are like complementary parts or parts that add to the completeness of the house. If any of the complementary parts are missing, the house is still standing but it has a deficiency, It is not complete or perfect."

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی تصویر کشی ایک مکان کی تشبیہ سے کی ہے۔ مکان کے پانچ ستون یا بنیادیں ہیں۔ اگر مکان کے یہ پانچوں ستون گر جائیں تو مکان کسی صورت قائم نہیں رہ سکتا۔ دیگر اعمال اسلام تکمیل مکان کے لئے ہیں۔ اگر کوئی تکمیلی عمل غائب ہو جائے تو مکان تو کھڑا رہے گا مگر وہ نامکمل اور ناقص رہ جائے گا۔ مکمل نہیں ہوگا۔ جمال زاروبوزو وضاحت کے لئے امام حسن بصری رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں جسے ملا علی القاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

قال الحسن رحمہ اللہ فی مجمع شهود جنازة للفرزدق ما اعددت لهذا المقام؟ فقال: شهادة ان لا اله الا اللّٰه منذ كذاسنة، فقال الحسن رحمہ اللہ هذا العمود فاين الاطناب؟ وهو تمثيل شبه الاسلام بخيمة عمودها كلمةا لتوحيد والاطناب الاعمال الصالحة۔

One time Hasan al_Basari was present at someone's death bed. He asked him, "What have you prepared for this moment? He answered, "I have said the testimony of faith for so many years." Al-basri Said, That is the prop but where are the tent ropes?

''امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرزدق کے مرنے کے وقت اسکے ہاں پہنچے۔اس سے پوچھا اس وقت کے لئے کیا تیار کیا ہے؟اس نے جواب دیا فلاں زمانے سے کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھتا ہوں۔امام نے فرمایا یہ کلمہ دین کا ستون (یعنی خیمہ کا بنیادی پول) ہے۔خیمے کی باقی رسیاں اور سہارے کدھر ہیں؟''

اسلام کو خیمہ سے تشبیہ دی اور کلمہ توحید کو بنیادی بانس کہا۔ باقی سہارا دینے والی رسیوں کو اعمال صالحہ سے تعبیر کیا۔اسلام کی عالی شان عمارت کے لوازم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی پانچ (5) بنیادیں ذکر فرمادیں۔''

اب ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات جمیلہ کے ذریعے عمارتِ اسلام کے بقایا اجزا کا ذکر کرتے ہیں جنہیں علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے خلاصے کے طور پر ذکر کیا ہے۔ اس عظیم الشان بلڈنگ کے لئے اجزائے ترکیبی تین (3) ہیں:

1 اعمالِ قلب 2 اعمال لسان 3 اعمال بدن

1 اعمال قلب:

یہ اعمال اعتقادات اور نیتوں پر مشتمل ہیں۔اس کی چوبیس شاخیں ہیں: ایمان باللہ، کہ وہ اپنی ذات وصفات میں یگانہ ہے۔فرشتوں پر ایمان، کتب آسمانی، رسولوں، اچھی بری تقدیر، یوم آخرت پر ایمان، سوالِ قبر، دوبارہ زندگی، حشر میں جمع ہونا، حساب کتاب، ترازو، پل صراط، جنت و دوزخ، اللہ کی محبت، اسی کے لئے الفت ونفرت، حب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کی پیروی، اخلاص نیت، ریاکاری چھوڑنا، منافقت ترک کرنا، توبہ کرنا، خوفِ خدا، رحمت خداوندی کی امیدیں، شکر کرنا، وفادار ہونا، صبر کرنا، تقدیر پر راضی رہنا، خدا پر بھروسہ، رحم دلی، عاجزی، بڑوں کا احترام، چھوٹوں پر شفقت، غرور چھوڑنا، حسد چھوڑنا، کینہ چھوڑنا، غصہ ترک کرنا۔

2 زبان کے اعمال:

یہ سات (7) ہیں:

① توحید کا اظہار، ② تلاوت قرآن مجید، ③ علم سیکھنا اور علم سکھانا، ④ دعا کرنا، ⑤ ذکر الٰہی کرنا، ⑥ استغفار کرنا، ⑦ بے ہودہ گفتگو سے بچنا۔

3 اعمال بدن:

یہ اڑتیس (38) ہیں۔ان میں سے پندرہ خاص ہیں:

طہارت اور پاکیزگی، ظاہری و باطنی، شرم گاہ کو چھپانا، نماز فرضی و نفلی، اسی طرح زکوٰۃ ادا کرنا، غلاموں کو آزاد کرنا، سخاوت کرنا، دوسروں کو کھلانا، مہمان نوازی، روزے فرضی و نفلی، حج، عمرہ کرنا، طواف کرنا، اعتکاف بیٹھنا، تلاش لیلۃ القدر، دین و ایمان کو بچالے جانا، دارِ شرک سے ہجرت، نذر پوری کرنا، ایمان میں چستی، کفارہ ادا کرنا۔

ان کے تحت چھے (6) لوازم اور ہیں:

نکاح کے ذریعہ عفت پانا، اہل و عیال اور ماں باپ کے حقوق ادا کرنا، ان کی نافرمانی سے بچنا، اولاد کی اچھی تربیت، رشتہ داروں سے حسن سلوک، نیک بزرگوں کی اطاعت، غلاموں سے نرمی کرنا۔

مزید لوازم جو کہ عام ہیں:

یہ سترہ (17) ہیں عادل حکومت کا قیام، جماعت سے گہری وابستگی، علماء حق و رؤسا صالح کی پیروی، لوگوں میں صلح و آشتی، باغیوں کا قلع قمع، نیکی میں تعاون، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، حدود اللہ کا نفاذ، جہاد، تیاری جہاد، ادائے امانت، ادائے خمس، ادائے قرض، ہمسائے کا احترام، حسن معاملہ، لین دین میں صفائی، حلال کمائی، راہِ خدا میں خرچ، فضول خرچی سے پرہیز، سلام کا جواب، چھینک لینے والے کو دعا، لوگوں سے تکلیف دور کرنا، بے کار مشاغل سے گریز، راستے صاف رکھنا وغیرہ۔

صحیح مسلم کی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

اَعْلَاهَا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِيْقِ۔

''اسلامی عمارت کا بلند ترین جز کلمہ توحید، اور ادنیٰ راہوں سے تکلیف دہ چیزوں کا دور کرنا۔''

یہ ہے خلاصہ اجزائے ترکیبی کا جو اسلام کی عمارت میں مطلوب ہیں۔

(بحوالہ فتح الباری جلد 1)

عمارت اور بنیاد عمارت کی مزید وضاحت یوں بھی ہوسکتی ہے:

عمارت جتنی اچھی بنانی ہے، اسی قدر میٹریل بھی اچھا چاہیے۔ بنیادوں میں دیواروں، چھت، فرش کو یہ میٹریل ضروری ہے، پھر ساری عمارت کا ڈھانچہ مضبوط کھڑا کرنے کے بعد، اس کی تیاری وتکمیل (Finishing) چھت کو روغن، دیواروں پر روغن، فرش کی رگڑائی، دروازے اور کھڑکیاں، روشن دان، ان میں لکڑی اور شیشے کا کام، ساری عمارت بن جانے کے بعد پھر مکان کی ضروریات، فرنیچر، قالین، کراکری، پلنگ، بستر، برتن، سجاوٹ کی چیزیں، سرسبز گملے، گلدان، اندر اور باہر خوشنما گلکاری، باہر کی جانب خوش کن اور خوشبودار پھولوں کی کیاریاں، سرسبز گھاس، پانی، بجلی، گیس وغیرہ کی سہولتیں۔ اب بتائیے جسے ایسی کوٹھی میسر ہو، وہ خوش نصیب ہوگا یا وہ جس نے صرف مضبوط بنیادیں بنالیں۔ اور بنیادوں کے درمیان بیٹھا ہے۔ اس نے نہ بنیادوں پر دیواریں چنیں، نہ چھت ڈالی، خالی مضبوط بنیادوں پر خوش ہے۔ جب دھوپ تیز ہوتی ہے تو اس کا جسم جلتا ہے۔ جب رات ہوتی ہے تو اندھیرے میں گھبراتا ہے۔ چوروں، ڈاکوؤں، درندوں سے ڈرتا ہے، کیونکہ اس نے بنیادیں بنائیں، عمارت نہ بنائی۔

جاڑے کا موسم آتا ہے تو سردی سے ٹھٹھرتا ہے۔ کیونکہ صرف بنیادیں بنا کر بیٹھا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ جن مضبوط بنیادوں کو بنایا ہے، ان پر بہترین عمارت استوار کرے، تب موسمی اثرات سے محفوظ ہوگا۔ تب جا کے درندوں وغیرہ سے بچاؤ ہوگا۔ بالکل اسی طرح اسلام کے ارکان خمسہ کی مضبوط بنیادیں اگر کسی کو نصیب ہیں تو اعمال صالح کی

عالی شان بلڈنگ ان پر تعمیر کرے۔ اس تمثیل سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ بنیادوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ بے بنیاد تو کسی عمارت کا تصور بھی نہیں۔ بنیاد اور عمارت لازم وملزوم ہیں۔ اس لئے قرآن کریم میں جگہ جگہ آمنوا کے ساتھ، وعملوا الصالحات کا ذکر ہے۔ اور اعمال صالح میں وہ ساری ہدایات شامل ہیں جو قرآن وسنت میں مذکور ہیں اور اسوۂ حسنہ سے ہمیں ملتی ہیں۔ ان مکمل ہدایات سے انفرادی و اجتماعی زندگی کو حسن اور نکھار ملتا ہے۔ چند ہدایات کو اپنانے اور باقی ساری ہدایات کو نظر انداز کرنے سے زندگی خوشگوار نہیں ہوتی۔ مسلم معاشرے میں قدم قدم پر بدمزگی اسی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ جنہیں باہم ملنا چاہئے وہ ٹوٹے ہوئے ہیں۔ جنہیں الفت و پیار دینا تھا۔ انہیں نفرت دلفگاری ملی ہے۔ ایک دوسرے کے لئے نیتوں میں کھوٹ، دلوں میں بغض، زبانوں پر بدکلامی، ہرزہ سرائی پائی جاتی ہے۔

ایک اور مثال سے دیکھیں:

کسی نے آم کا پیڑ لگانے کے لئے آم کی گٹھلی زمین میں دبائی، قدرت الٰہی سے وہ پھوٹ پڑی، دیکھتے دیکھتے وہ درخت بننے لگی۔ مگر نادان کاشتکار نے ساتھ ساتھ اس کی شاخیں کاٹنا شروع کر دیں۔ وہ نہ اس پر پتے اگنے دیتا ہے، نہ پھول آنے دیتا ہے، شاخوں کو بڑھنے سے روکتا ہے۔ بس اسے فخر ہے کہ میرے درخت کی جڑیں بہت مضبوط ہیں۔ مگر وہ درخت کو تناور نہیں ہونے دیتا، بارآور نہیں ہونے دیتا۔ درخت کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ وہ ٹنڈ کھڑا ہے۔ بے برگ وبار ہے۔ ایسا شخص اپنے کاشت کردہ درخت کے سائے سے محروم رہتا ہے اور اس کے عمدہ لذیز پھل سے بھی بے قسمت رہتا ہے۔ بتایئے اس کی مضبوط جڑوں کا دعویٰ کہاں تک درست ہے؟ وہ درخت کے مقصد کو نہ پاسکا۔ تو کیا پایا؟

اسی طرح اسلام کے شجر سایہ دار وثمر بار کی برکتوں کو پانا ضروری ہے۔ کہیں یہ درخت خدانخواستہ ٹنڈ کا ٹنڈ نہ رہ جائے۔ اعمال صالح کے ذریعے اسلام کے خوشبودار پھلوں اور پھولوں سے لطف اندوز ہوں۔

مفلس اور دیوالیہ (BANKRUPT) کون؟

عربی زبان میں ’’فلس‘‘ نقدی اور روپیہ پیسہ کو کہتے ہیں۔ یہ صیغہ جب مفلس باب افعال میں ہو تو معنی ہوتا ہے پیسہ وغیرہ چھن جانا، کنگال ہو جانا، کیونکہ باب افعال کے خواص میں سے ایک خاصہ سلب مأ خذ ہے۔ تو فلس روپیہ پیسہ ہوا اور مفلس جس سے روپیہ پیسہ سلب ہو جائے، چھن جائے، دیوالیہ ہو جائے۔

رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا:

اَتَدْرُوْنَ مَاالْمُفْلِسُ؟ کیا آپ جانتے ہیں کہ مفلس کون ہے؟

قَالُوْا اَلْمُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لَّا دِرْهَمَ لَهٗ وَلَا مَتَاع

’’صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ہم اسے مفلس سمجھتے ہیں جس کے پاس کوئی پیسہ اور دنیاوی چیز نہ رہے۔‘‘

فَقَالَ اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِيْ مَنْ يَّاتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَّصِيَامٍ وَّ زَكَاةٍ

’’آپ ﷺ نے فرمایا میری امت کا مفلس وہ ہو گا جو ڈھیر ساری نمازیں، روزے اور زکوۃ جیسے اعمال لے کر اللہ کے ہاں پیش ہو گا۔

وَيَاتِيْ وَ قَدْ شَتَمَ هٰذَا، وَقَذَفَ هٰذَا وَاَكَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا۔

مگر اس کے خلاف ایک مظلوم آ کھڑا ہو گا، جسے اس نے دنیا میں گالی دی تھی۔ دوسرا آئے گا کہ اس نے مجھ پر جھوٹا الزام لگایا تھا۔ تیسرا دعویٰ کرے گا کہ اس نے ناحق خون بہایا تھا۔ چوتھا مدعی پکارے گا کہ اس نے مجھے مارا تھا۔

فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ

پس کسی مظلوم کو اس (ظالم) کی کچھ نیکیاں دے دی جائیں گی اور دوسرے (مظلوموں) کو کچھ اور نیکیاں، پھر اگر حقداروں کے حقوق ادا ہونے سے پہلے ہی اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو ان (مظلوموں) کے گناہ اس (ظالم) کے ذمہ ڈال دیئے جائیں گے اور بالآخر اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

حدیث شریف کا مقصود

اس حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر انتہائی خوف لاحق ہوتا ہے کہ دنیا میں کیے ہوئے بہت سے نیک اعمال خطرے میں پڑ سکتے ہیں اور آدمی جنت کی امیدوں پر عمل کر کے خدانخواستہ جہنم رسید ہو سکتا ہے اللہ ہمیں نار جہنم سے بچائے۔(آمین) دوسری بات اس حدیث مبارکہ سے یہ ظاہر ہوئی کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو ساتھ ساتھ ادا کرنا ضروری ہے۔یعنی صرف حقوق اللہ ادا کرنے والا بھی نجات نہیں پائے گا اور صرف حقوق العباد کا لحاظ کرنے والا بھی فلاحِ اخروی نہیں پائے گا۔ دونوں باہم لازم وملزوم ہیں۔ آج مسلم امت کے یہ دو واضح گروہ نظر آتے ہیں الا ماشاء اللہ۔ایک اپنی عبادات پر مغرور، اور دوسرا ترک عبادات کر کے صرف حقوق انسانی کی بات کرنے والا۔شریعت پر عمل کا تارک ہے، اللہ پر جھوٹی امیدیں باندھنے والا ہے۔اور دین سے فرار اختیار کر کے محض حقوق العباد کے ناپائیدار سہارے ڈھونڈتا ہے۔دین اسلام کا دیگر تمام مذاہب عالم سے یہی طرۂ امتیاز تو ہے کہ یہ دین اپنے ماننے والوں کو دنیا اور آخرت یعنی دونوں جہانوں کی بھلائیاں نصیب کرتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انداز تبلیغ:

اس حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوالیہ انداز میں پوچھا مفلس کیا ہے؟ ما المفلس ؟ عربی گرامر میں ما اور من استفہامیہ ہیں۔لیکن ان میں فرق یہ ہے کہ ما غیر ذوی العقول کے لئے عام طور پر استعمال ہوتا ہے جبکہ من ذوی العقول کے لئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے من المفلس...... کہ مفلس کون ہے؟ کے بجائے ما المفلس، مفلس کیا ہے؟ کیوں فرمایا؟ اس میں لطیف اشارہ ہے کہ محض عبادات پر توجہ کرنے والا اور حقوق العباد پر ڈاکہ مارنے والا، ذوی العقول کے زمرہ سے نکل کر غیر ذوی العقول کی پستیوں میں جا گرتا ہے۔یعنی عبادت گزار اگر حقوق العباد کا ڈاکہ زن نہ ہو تو انسانیت کے درجے پر فائز رہتا ہے، اگر عبادتوں کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا قزاق

ہوا تو درجہ انسانیت سے گر کر درجہ حیوانیت میں جا پہنچتا ہے۔ آپ جنگل کے درندوں کو دیکھیں کہ ہر طاقتور درندہ کمزور جانوروں کو چیر پھاڑ کھاتا ہے، اسی طرح اگر کوئی انسان کسی دوسرے پر جھپٹے گا تو یہ درندگی ہو گی انسانیت نہ ہو گی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہِ بلند:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استفسار پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وہی جواب دیا جو معاشرے میں معروف تھا کہ مفلس وہ ہے جو متاعِ دنیا سے محروم ہو۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصلاح فرماتے ہوئے بتایا کہ میری امت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے روز متاعِ عمل اور نیکیوں کا خزانہ لئے ہوئے کنگال ہو گیا اور وہاں لٹ گیا۔ اس کے پلے کچھ نہ رہا، جبکہ لیکر بہت کچھ گیا تھا۔ ایسے دیوالئے ہم دنیا میں بھی دیکھتے رہتے ہیں کہ قسمت کا پھیر مالداروں کے پانسے پلٹ دیتا ہے۔ جو دنیاوی معاشرے میں سرمائے کے زور پر محترم ہوا، کبھی سب کچھ گنوا کر بے وقار ہوا۔ کل بینکوں میں افسر جسے سلوٹ مارتے تھے، آج پولیس اس کے وارنٹ گرفتاری لے کر تلاش کر رہی ہے۔ کل کا سرمایہ دار آج ذلت سے بچنے کے لئے روپوش ہے، کوئی اسے پناہ دینے کو تیار نہیں، کوئی معمولی مددگار نہیں۔ اس سے بھی برا حال اس شخص کا ہو گا جو حشر میں دیوالیہ ہو گیا۔ دنیا میں دیوالیہ ہونے والا ممکن ہے پھر کبھی سنبھل جائے، کیونکہ دولت دنیا ڈھلتی چھاؤں ہے۔ آج کسی کے پاس کل کسی کے پاس، آخرت کا دیوالیہ ممکن نہیں کہ سنبھلنے کا موقع پا سکے۔

ابن علان الشافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص طور پر عبادات میں نماز، روزہ اور زکوٰۃ کا ذکر فرمایا جو کہ فرائض شریعت ہیں۔ حشر میں خاص طور پر حقوق انسانی میں گالی گلوچ، بہتان تراشی، ڈاکہ، چوری، قتل ناحق، مار پیٹ جیسے جرائم کا ذکر فرمایا۔ یہ جرائم کیسے عبادات کو کھا جائیں گے، اس نام نہاد نیک نے اللہ کا خیال تو رکھا مگر اللہ کی مخلوق کا خیال نہ رکھا۔

نیکیوں کے ساتھ ساتھ ضروری ہے کہ ان کی حفاظت کی جائے۔ کبھی عبادت کو

ریا کاری بھسم کر دیتی ہے، کبھی غیبت اسے ملیامیٹ کر دیتی ہے۔ اللہ کی مخلوق کو ایذا رسانی عبادات پر پانی پھیر دیتی ہے۔ حشر میں اعمال کے علاوہ مال تو پاس نہیں ہوگا کہ رشوت دے کر چھوٹ سکیں۔ وہاں عدالت خداوندی سے ذرے ذرے کا حساب عدل کی بنیاد پر چکایا جائے گا۔ (ملاحظہ ہو دلیل الفالحین شرح ریاض الصالحین جلد 1)

نواب صدیق حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دنیاوی مفلس کا افلاس مرنے پر ختم ہو جاتا ہے، یا دنیا میں دوبارہ اسے چانس مل سکتا ہے مگر، حشر کے میدان میں مفلسی، ''الهلاك التام'' پوری بربادی ہے۔ وہاں کوئی چانس نہیں ہے۔ (السراج الوہاج شرح صحیح مسلم جلد 10)

فضیلۃ الشیخ صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں

دوسری روایت میں آیا ہے:

من یاتی بحسنات مثل الجبال۔

''کہ پہاڑوں جیسی عظیم نیکیاں لے کر حاضر ہوگا۔ مگر دوسروں پر زیادتیاں کرنے کے جرم میں، حشر میں لٹ جائے گا۔ **العیاذ باللہ!**

نمازوں کا ثواب جاتا رہا، زکوۃ وصدقات کا اجر برباد ہوا، روزوں کا صلہ ختم ہوا۔ سب کی سب نیکیاں اکارت گئیں۔''

شیخ فرماتے ہیں:

وفی هٰذا التحذیر من العدوان علی الخلق، وانه یحب علی الانسان ان یؤدی ماللناس فی حیاته قبل مماته۔

اس حدیث میں مخلوق پر ظلم کرنے سے تنبیہ کی گئی ہے۔ انسان کو لازم ہے کہ مرنے سے پہلے پہلے اپنی زندگی میں لوگوں کے حقوق ادا کرلے۔ قیامت کے دن بدلہ چکانا ناممکن ہوگا۔ (شرح ریاض الصالحین جلد 4)

الترغیب والترہیب کے حاشیہ نگار رقمطراز ہیں:

المفلس، الفقیر المجرد من ملك شیء الذی یکثر العبادة فی

حیاته ولکن ارخی العنان للسانه فأرغی وازبد۔

مفلس وہ ہے جس کی ملکیت میں کچھ نہ رہے۔اور زندگی میں کثرت سے عبادت کرے،مگر زبان کو بے لگام چھوڑ دے۔غضبناک ہو کر چیختا پھرے اور دوسروں کو دھمکیاں دے۔کسی پر تہمت لگائی کسی کی مذمت کی، کسی کی چغلی کھائی، کسی سے بدکلامی کی، حتیٰ کہ یوم حساب آیا اور دیوالیہ نکل گیا۔ (الترغیب، والترہیب 3)

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استفسار پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا المفلس فینا کہ ہم میں مفلس وہ ہے فینا کہہ کر اہل دنیا کا مفلس بتایا......وغفلوا عن امر الاخرۃ...... آخرت کے معاملے سے بے خبر ہوئے۔لیکن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ امت کے مربی ومزکی تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امر آخرت کے پیش نظر مفلس کی وضاحت فرمائی،اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سوال کے جواب میں فینا المفلس کے بجائے اللّٰہ وَرسوله اعلم (اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتے ہیں) کہتے تو زیادہ مناسب ہوتا۔جیسا کہ اور بہت سے سوالوں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی جواب ہوتا تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مفلس آخرت کی وضاحت میں یہ بھی فرمایا "من امتی" کہ وہ میری امت سے ہوگا، غیر نہیں ہوگا، بلکہ مسلم ہوگا اور عبادت گزار ہوگا، پھر فرمایا: روز محشر نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ جرائم بھی لائے گا" جمع بین تلك العبادات وھٰذا السیات" (تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی ابواب الزھد باب فی شان الحساب القصاص)

عصرِ حاضر کے ممتاز عالم شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قلت وعلق البخاری فی صحیحه بعض طرفه الاول بلفظ " انما الفلس الذی یفلس یوم القیامة۔ (سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ جلد 2)

"میں کہتا ہوں کہ یہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح بخاری میں تعلیقاً ذکر کی ہے کہ مفلس وہ ہے جو قیامت کے روز اجڑ گیا۔

ملا علی القاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اتنا ہی جواب دے پائے جو عرف دنیا میں مفلس کا ہے۔ مگر نگاہِ نبوت نے حقیقت مفلس کی تشریح ماورائے عقل انسانی فرما کر انتہا کر دی کہ تم دنیا کے مفلس کو جانتے ہو، مگر آخرت کا مفلس یہ ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح جلد 8)

علامہ ابولیث سمرقندی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

- ابو مشرۃ بیان کرتے ہیں کہ آدمی کو جب قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو منکر نکیر فرشتے کوڑا اٹھائے ہوئے آتے ہیں کہ یہ سو کوڑے آپ پر برسیں گے۔ اس کی نیکیوں کی بنیاد پر اس کی سفارش ہوتی جائے گی۔ مگر ایک کوڑا اسے بالآخر لگے گا تو قبر شعلوں سے بھڑک اٹھے گی۔ وہ پوچھے گا یہ کوڑا مجھے کس جرم میں مارا گیا؟ منکر نکیر بتائیں گے...... مَرَرتَ بِرَجُلٍ مَظلُومٍ فَاستَغَاثَ بك فلم تغثه...... تو ایک بار کسی مظلوم کے پاس سے گزرا تھا، اس نے تجھ سے مدد مانگی تھی تو نے اس کی مدد نہ کی تھی بے نیازی سے گزر جانے پر یہ کوڑا برسا ہے۔ جس سے قبر شعلہ بار ہوئی۔

- میمون بن مہران رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بعض دفعہ آدمی قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اور اپنے آپ پر لعنتیں بھیجتا ہے۔ کسی نے پوچھا یہ کیسے ہوتا ہے؟ فرمایا تلاوت میں یہ آیت پڑھتا ہے "اَلَا لَعۡنَةُ اللّٰهِ علی الظالمین" کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہے۔ جبکہ وہ خود ظالم ہوتا ہے۔ کسی نہ کسی پر ظلم ڈھاتا ہے۔

- فقیہہ سمرقندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ظلم سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہے۔ اگر گناہ کا تعلق اللہ اور بندے سے ہے تو رب کریم توبہ کرنے پر بخش دے گا۔ اگر گناہ کا تعلق آپس میں بندوں کے درمیان ہوگا تو پھر کوئی چارہ نہیں کہ جس بندے سے رنجش اور تنازعہ ہے اس سے معافی مانگے۔

ایک لطیفہ:

ایک حاجی کے ہمراہ ایک پٹواری بھی حج کو گیا۔ حرم کعبہ میں پٹواری زار و قطار روتا ہے، بے حال ہوا جا رہا ہے۔ اس کے ساتھی حاجی نے پوچھا! تم کیوں اتنا بے چین ہو؟ اس نے کہا، میں نے اپنے پٹواری قلم سے بہت لوگوں پر ظلم کیے ہیں۔ اللہ سے ڈرتا ہوں

اور معافی مانگتا ہوں۔ حاجی نے کہا! اس کا تو آسان علاج ہے۔ جس جس کے تو نے حق مارے ہیں ان کو واپس کر دو۔ پٹواری کہتا ہے ایسا کرنے کو تو جی نہیں چاہتا۔ حاجی نے کہا، پھر اللہ سے جتنی چاہے معافی مانگو اور روتے رہو وہ یوں نہیں بخشے گا۔

فرمان نبوی ﷺ:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَة لاخيه من عرضه اوشيء فليتحلله منه اليوم قبل ان لايكون دينار ولا درهم۔ (رواہ البخاری)

"آپ ﷺ نے فرمایا کوئی کسی کی عزت کے درپے ہوا یا اور کوئی زیادتی کی، اسے چاہئے کہ آج ہی اس سے معافی مانگ کر اسے راضی کر لے، اُس دن کے آنے سے پہلے معاف کروا لے کہ جس روز اس کے پاس کوئی پیسہ ٹکا نہ ہو گا۔"

معافی کا طریقہ:

1 کسی ڈاکو نے کسی مسلمان کو بندوق کے زور پر لوٹ لیا، لوٹنے کے بعد پھر بندوق کی نالی مظلوم کی کنپٹی پر رکھی اور زور دے کر کہا کہ تو کہہ دے کہ یہ مال میں نے اپنی خوشی سے دیا ہے۔ مظلوم جان بچانے کی خاطر کہتا ہے کہ یہ مال میں نے تجھے خوشی سے دیا۔ اب ڈاکو رب العزت کے سامنے ہاتھ پھیلا کے دعا کرتا ہے کہ یا اللہ تیرا شکر ہے کہ یہ روزی میرے لئے حلال ہو گئی۔

یہ معافی کا طریقہ ہرگز نہیں ہے کہ دھونس دے کر ظالم مظلوم سے بخشش طلب کرے۔ اوپر خدا دلوں کے حال دیکھ رہا ہے۔ معافی دل کی خوشی سے ہوتی ہے نہ کہ زبردستی سے۔

2 نکاح کے وقت لاکھوں کا حق مہر لکھوا دیا نیت میں کھوٹ ہو یہ کہ کون سا دینا ہے۔ شادی کے بعد مکار خاوند بیوی سے مہر کی معافی مانگتا ہے۔ اب کون سی بیوی ہو کر خاوند کے سامنے جرأت کر سکتی ہے کہ مجھے حسب وعدہ وتحریر مہر ادا کرو۔ بلکہ وہ ڈر کے مارے معاف کر دیتی ہے کہ جس خاوند کے ساتھ زندگی نبھانی ہے اسے کیوں ناراض کروں۔ ذرا تصور کریں اگر

خاوند بیوی کے مقام پر ہوتا تو کیا خوش دلی سے یوں لاکھوں معاف کر دیتا؟

☐ میمون بن مہران رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کسی ظالم کو مظلوم کے مرنے کے بعد ہوش آئے تو وہ مظلوم سے کیسے معافی مانگے؟ اسے چاہیے کہ مظلوم کے لئے بخشش کی دعائیں اللہ سے کرتا رہے۔ ہر نماز کے بعد اس کے لئے استغفار کرے۔

☐ عمر رضی اللہ عنہ نے احنف بن قیس رضی اللہ عنہ سے پوچھا...... مَنْ اَجْهَلَ النَّاس......لوگوں میں سب سے بڑا بے وقوف اور نادان کون ہے؟ اس نے کہا جو اپنی آخرت اپنی دنیا کے بدلے بیچ ڈالے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس سے بھی بڑے جاہل کے بارے میں نہ بتاؤں؟ احنف نے کہا ہاں اے امیر المومنین! کہا جو اپنی آخرت دوسروں کی دنیا کی خاطر فروخت کر بیٹھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کردار اعلیٰ

☐ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ایک مہاجر مسلمان کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کام پڑ گیا تنہائی میں ملاقات کر کے اپنی حاجت پیش کرنا چاہتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وادی بطحا میں مقیم تھے۔ وہاں سے حرم شریف میں طواف کے لئے رات کو تشریف لاتے۔ نماز فجر کا وقت ہوتا تو نماز پڑھتے۔ ایک روز فجر کی نماز کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جا رہے تھے، راستے میں یہ آدمی ملا اور اپنی ضرورت پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے آپ کی ضرورت پوری کروں گا۔ مگر وہ نہ مانا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اندیشہ ہوا کہ یہ مجھے نماز میں بروقت نہیں پہنچنے دے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ہولے سے کوڑا مارا۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھوڑی دیر پہلے میں نے جسے کوڑا مارا تھا وہ شخص کدھر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا وہ آدمی مجلس میں موجود ہے تو کھڑا ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے آگے آؤ میرے قریب آؤ۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ فرمایا: یہ لو کوڑا اور مجھ سے بدلہ لے لو۔ اس مہاجر مسلم نے کہا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ میں بھلا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بدلا

لوں؟ آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا کوئی حرج نہیں آپ بدلہ لے لیں۔ اس نے پھر وہی کلمات دہرائے کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں میں نبی ﷺ سے بدلہ نہ لوں گا۔ آخر کار آپ ﷺ نے فرمایا! نہیں تو مجھے معاف کردو۔ اس نے کوڑا پھینک دیا اور پکارا، اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے آپ ﷺ کو معاف کیا۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہو کوئی کسی مومن پر ظلم وزیادتی نہ کرے ورنہ اللہ روز محشر مظلوم کی جانب سے خود انتقام لے گا۔

❑ سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر تو اللہ کے پاس حقوق اللہ میں سے ستر (70) گناہ لے کر حاضر ہو تو یہ معاملہ ہلکا ہے، اس بات سے کہ تو حقوق العباد میں سے ایک بھی گناہ لے کر وہاں حاضر ہو۔''

❑ ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جب آدمی نے کسی کا قرض دینا ہو تو اسے زیب نہیں دیتا کہ معمولی تیل وغیرہ بھی سر کو لگائے۔ یعنی معمولی میک اپ بھی روا نہیں، جب تک قرض ادا نہ ہو۔''

❑ فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قرآن کریم کی ایک آیت پڑھ کر اس پر عمل کرنا مجھے زیادہ محبوب ہے بہ نسبت اس کے کہ ہزار مرتبہ ختم قرآن کروں۔

''مسلمانوں کو خوشی ومسرت پہنچانا اور ان کے کام آنا مجھے زندگی بھر کی عبادتوں سے زیادہ پسندیدہ ہے۔''

دنیا سے بے نیازی برتنا مجھے زمین وآسمان کے عبادت گزاروں کی عبادت سے زیادہ مرغوب ہے۔

حرام کا ایک پیسہ ترک کرنا مجھے مال حرام کے سو (100) بار حج سے زیادہ محبوب ہے۔

❑ ابوبکر الوراق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بندوں پر ظلم کرنے سے آدمی کے دل سے اکثر ایمان نکل جاتا ہے۔''

❑ ابوالقاسم الحکیم رحمہ اللہ سے سوال ہوا:

کوئی ایسا گناہ ہے جس سے ایمان چھن جاتا ہے؟

فرمایا ہاں! تین (3) چیزیں بندے کا ایمان چھین لیتی ہیں:

1 اسلام کی نعمت ملنے پر شکر نہ کرنا۔

2 اسلام کے چھن جانے پر خوف نہ آنا۔

3 اسلام والوں پر ظلم ڈھانا۔

(i) انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کو تین (3) چیزوں کی وصیت فرمائی:

1 موت کو کثرت سے یادرکھنا تو تمام مسائل زندگی سے بے غم ہو جائے گا۔

2 اکثر اللہ کا شکر کرتے رہنا تیری نعمتوں میں برکت ہوتی جائے گی۔

3 ہر وقت اللہ سے دعا کرتے رہنا نہیں معلوم کب قبولیت ہو جائے۔

(ii) میں تجھے تین (3) چیزوں سے منع کرتا ہوں:

1 وعدہ خلافی نہ کرنا، نہ کسی کو وعدہ توڑنے کی رغبت دلانا۔

2 کسی پر ظلم نہ کرنا ورنہ اللہ مظلوم کا مددگار بن جائے گا۔

3 دھوکہ دہی سے بچنا، کیونکہ بری چالیں چلنے والے اپنے ہی جال میں پھنس جاتے ہیں۔

☐ یزید بن سمرہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

”جہنم کے کچھ مقامات ایسے ہیں جیسے سمندروں کے ساحل ہوں۔ ان میں اونٹوں کے قد برابر سانپ اور خچر کے برابر سیاہ بچھو ہیں۔ جب اہل جہنم تخفیف عذاب کی درخواست کریں گے تو انہیں کہا جائے گا اس ساحل کی طرف نکل جاؤ۔ وہ نکلیں گے، تو وہی سانپ ان کے ہونٹوں اور جبڑوں پر جھپٹیں گے، انہیں ڈنگ ماریں گے اور پھر وہ دہائی دیں گے کہ ہم واپس آگ میں جانا چاہتے ہیں۔ سانپوں کے زہر سے ان کے جسم پر خارش پڑ جائے گی اپنے بدن کو خارش کر کے ایسے کر دیں گے کہ گوشت میں سے ہڈیاں نظر آنے لگیں گی۔“

آواز دینے والا ان سے پوچھے گا ”یَا فُلَانُ هَلْ يُؤْذِيكَ هٰذَا؟ اے فلاں! کیا اس سے تجھے تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ وہ جواب دے گا ہاں! بہت تکلیف میں ہوں۔ پکارنے والا بتائے گا کہ یہ بدلہ ہے اس کا جو تو دنیا

میں مسلمان کو اذیت دیتا رہا۔ ارشاد باری ہے۔

زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ...... (النحل:88)

''ہم انہیں عذاب پر عذاب دیں گے اس فساد کی وجہ سے جو وہ دنیا میں برپا کرتے رہے۔''

عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

1. دوسروں میں عیب تلاش کرے اور اپنے نفس کے عیب نہ دیکھے۔
2. دوسروں میں وہی کیڑے ڈالے جو خود کرتا ہے۔
3. اپنے ساتھی کو بے مقصد پریشان کرے۔ (از تنبیہ الغافلین)

اللہ کریم سے دعا ہے کہ وہ جملہ مسلمانوں کو ہر اس کام سے بچا لے جو اسے پسند نہیں اور ایسے اعمال کی توفیق عطا فرمائے جو اسے پسند ہیں۔ (آمین یارب العلمین)

❁❁❁

امت......! ......قرآن وحدیث کی روشنی میں

مولانا عبداللہ دانش ﷾ نے مختلف مدارس سلفیہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد وسعت مطالعہ سے اپنے ذہن وفکر میں پختگی پیدا کی ،فرقہ وارانہ فضاء سے نکل کر اُمت محمدیہ کی فلاح وبہبود کی سوچ سے ان کی فکر منور ہے، جہاں اکثر علماء اُمت اپنے اپنے فرقوں کی ترویج واشاعت میں کوشاں ہیں اور مخصوص فرقہ وارانہ مسائل کی اشاعت وتبلیغ کو اپنا منتہائے مقصود بنائے ہوئے ہیں مولانا عبداللہ دانش ﷾ چاہتے ہیں کہ علماء امت اس روش کو ترک کر کے تصور وحدت امت کو اجاگر کریں۔ چنانچہ مولانا نے قرآن وسنت کے آئینہ میں لفظ امت کا استقصاء کرتے ہوئے لکھا ہے کہ لفظ ''امت'' قرآن کریم میں تقریباً باون (52) مرتبہ ذکر ہوا ہے اور لفظ امم جو امت کی جمع ہے، تیرہ (13) دفعہ استعمال ہوا ہے۔ اس کے بعد فرقہ وارانہ فضاء پر اظہار تأسف کیا ہے اور ماحول پر اس کی گرفت کی شدت کا احساس اجاگر کیا ہے۔ لفظ اُمت کے لفظی، اصطلاحی ومرادی معانی ومطالب جو قرآن پاک میں مستعمل ہیں دس (10) نکات میں بیان فرمادیئے ہیں جس سے لفظ اُمت کی حقیقت کھل کر قاری کے سامنے آجاتی ہے۔

اس کے بعد مولانا نے مختلف کتب حدیث وتفسیر کے حوالوں سے اس بات کو واضح کیا ہے کہ لوگوں میں یہ غلط تصور پیدا ہو چکا ہے کہ دعوت الی اللہ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجب کفائی ہے۔ بلکہ فریقین کے دلائل پر تنقیدی نگاہ ڈال کر حقیقت مسئلہ کو واضح کر دیا ہے۔ بعد ازاں ''امت قرآن وحدیث رسول ﷺ کی روشنی میں'' کے عنوان سے اُمت کے بارے میں حدیثی تصور اُمت کے فضائل ومناقب اور سابقہ اُمتوں سے اس اُمت کے امتیازات کی تفصیل ہے، اُمت کیلئے نبی ﷺ کی محبت اور اُمت کیلئے آپ ﷺ کی دعائیں اور اُمت کی نجات کیلئے آپ ﷺ کی مساعی نیز زوال اُمت کے اسباب بیان کیے گئے ہیں۔ اسلام میں رہبانیت کے خلاف جو تعلیم ہے اس کو تفصیل سے بیان کرتے ہوئے عیسائی دنیا کے لٹریچر سے رہبانیت کی حقیقت، اس کا آغاز اور عیسائی راہبان کے کردار اور

تاریخ پر مفصل تبصرہ فرتے ہوئے ...... لاتشددوا فیشدد اللہ علیکم ...... حدیث رسول ﷺ اور ...... فما رعوھا حق رعایتھا کی ...... حقیقتوں کو سچ ثابت کیا ہے اس مقام پر مولانا نے (مسیحی رہبانیت کی تاریخ پر ایک نظر) کے عنوان سے جو کچھ لکھا ہے وہ مولانا کے وسعت مطالعہ اور انسانیت کے ساتھ حقیقی خیر خواہی کا مظہر ہے اور اس سے غلبہ اسلام کیلئے ان کی مساعی کھل کر سامنے آجاتی ہیں اور قرآن پاک کا عطا کردہ تصور ...... لیظھرہ علی الدین کلہ ...... کے مناظر واضح ہوتے ہیں اور یہ بھی احساس ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں پاک وہند میں اولیاء اللہ اور صالحین کے سوانحی خاکوں میں جو چلّوں وغیرہ کا ذکر ملتا ہے وہ بھی محض خودساختہ اور بے بنیاد ہے، جو بزرگان دین کے حق میں بہتان بازی سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور یہ تاثر جفاکشی ہمارے احساس کمتری کے سوا کچھ نہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ولایت الٰہی کا حصول صرف اور صرف ایمان اور تقویٰ سے ہوتا ہے اور تقویٰ اعمال صالحہ کا ثمر ہے جیسا کہ قرآن مجید کی صراحت ہے۔ بہرحال مولانا نے رہبانیت کی تاریخ کے آئینہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس مقالہ کی روح ہے ''اُمت مسلمہ اور عیسائیت'' کے عنوان سے اسلامی تعلیمات کے فطری اور مبنی برحقیقت ہونے پر تحقیقی مواد پیش فرمایا ہے۔ اللہ اس مقالہ سے اُمت مسلمہ کو استفادہ کی توفیق عنایت فرمائے ضرورت ہے کہ اس مقالہ کو وسیع پیانہ پر پھیلایا جائے تاکہ مصنف کی کاوش بارآور ثابت ہوسکے۔

میں بندہ عاجز، ماہ دسمبر 2003ء کے آخری عشرہ میں محترم ملک عبد القیوم صاحب سیکرٹری جامعہ مسجد رحمانیہ پونچھ روڈ لاہور کی دعوت پر درس قرآن کے پروگرام کیلئے حاضر ہوا، رات بعد نماز عشاء درس دیا اور صبح کی نماز کے بعد بھی درس قرآن کے ضمن میں خشوع فی الصلوٰۃ، کے عنوان پر چالیس (40) منٹ تک گفتگو کی ،فراغت کے بعد ملک صاحب نے مدرسہ کی طرف سے شائع ہونے والا لٹریچر دکھایا اور تین سیٹ تقسیم کرنے کی غرض سے مجھے عنایت فرمائے اس لٹریچر میں زیادہ تر برادرم مولانا عبداللہ دانش حفظہ اللہ خطیب مسجد البدر ایوینیو بروکلین نیویارک امریکہ کے تحریر کردہ رسائل ومضامین تھے ،مولانا عبداللہ

دانش حفظہ اللہ کا اندازِ تحریر بہت پسندیدہ اور علمی ہے، ملک صاحب نے ان کا ایک مقالہ بعنوان ''اُمت قرآن وحدیث کی روشنی میں'' مجھے عنایت فرمایا تا کہ میں اس پر دیباچہ لکھدوں تو جو مجھے اللہ نے توفیق بخشی میں نے اس کے مطابق چند سطور لکھ دی ہیں۔ اللہ اسکو قبول فرمائے اور ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ اور مولانا عبداللہ دانش حفظہ اللہ کی اس محنت کو قبول فرماتے ہوئے ان کی عمر دراز کرے۔

احقر

ابراہیم خلیل خطیب مرکزی مسجد اہلحدیث

حجرہ شاہ مقیم، تحصیل دیپالپور، ضلع اوکاڑہ۔

20 فروری 2004

اُمت......!......:قرآن وحدیث کی روشنی میں

قرآن کریم میں لفظ ''امۃ'' قریباباون (52) مرتبہ اللہ نے ذکرفرمایا ہے اور امت کی جمع اُمم،قریباتیرہ (13) مرتبہ ذکر ہوا ہے۔

اُمت مسلمہ کوٹکڑے ٹکڑے دیکھ کر ذہن پریشان ہوجاتا ہے، بلکہ اُمت پر ذلت ومسکنت کے سائے اورخوفزدہ کرتے ہیں،اس سے بھی زیادہ غمناک کردینے والی بات یہ ہے کہ پیشوایان اُمت ،تصور اُمت سے ہی تہی داماں ہیں۔وہ اپنے اپنے مسلکی وگروہی دائروں میں محدودومقید ہیں۔فرقہ پرستی نے ان کے دل ودماغ کوایسا ماؤف کیا،کہ اپنے دائرے سے باہرجھانک کربھی دیکھنا انہیں نصیب نہیں ہے۔وسیع ترین آفاقی اور عالمگیر اُمت کا تصورکھودینے کے بعد،گروہ بندی کے فروعی مشاغل سے دل بہلاتے ہیں۔اور شترمرغ کی طرح ریت میں سر چھپا کر سمجھتے ہیں کہ ہم اہل کفر وباطل سے محفوظ ومامون ہیں۔حالانکہ کفران کی مساجد ومدارس کے دروازوں تک پہنچ چکا ہے۔مگروہ اندر بیٹھے فروعی مسائل میں شاداں وفرحاں ہیں۔اس افسوسناک صورت حال میں خیال پیدا ہوا کہ تصور امت کوقرآن وحدیث کی روشنی میں اجاگرکیا جائے،طویل عرصے سے مدارس اسلامیہ میں، مخصوص ومحدودطرز تعلیم نے مخصوص ومحدودذہن ہی تیار کیے ہیں۔کوئی بھی مسلک اپنے پاؤں کی زنجیروں کوتوڑ کر،اپنی گردن کےطوق اتارکر،غلامانہ ومقلدانہ ذہنیت کی گھٹن سے نکل کر،خدا کی پیدا کردہ فضائے بسیط میں آزادی کا سانس لینےکوتیارنہیں ہے۔مسلکوں کی جکڑبندی کی گرفت اتنی مضبوط ہے کہ،اس کے خلاف ذراسا سوچنا بھی مشکل ہے،ورنہ فتووں کی بوچھاڑ سے خلاف بزرگاں معمولی اختلاف پررجم اوربھسم ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ کتنے ہی صاحبان علم حقائق کو جانتے بھی ہیں،مگر جرأت رندانہ سے محروم ہیں۔لگے بندھے ضابطوں کے لکیر کےفقیر ہونے میں عافیت محسوس کرتے ہیں۔یہی کمزوری کفرکواُمت کے خلاف دلیر کرگئی ہے۔اوراُمت بے کسی کے عالم میں ہے۔قرآن کریم میں لفظ ''اُمت'' دس (10) مختلف معانی ومطالب میں استعمال ہوا ہے۔

1 اور نہ کوئی پرندہ کہ اپنے پروں پر اڑتا ہے، مگر تم جیسی امتیں ہیں۔ یعنی وہ انسان کی طرح باہمی الفت رکھتے ہیں۔ اور ایک دوسرے سے افہام وتفہیم کرتے ہیں۔

(سورۃ انعام 38)

2 بمعنی...... السنین الخالیۃ...... گزرے سال ''وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ''

(سورۃ یوسف 45)

3 بمعنی...... الرجل الجامع للخیر...... ایک ہی شخصیت جو بھلائیوں کی پیکر ہو۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً۔ (سورۃ النحل 120)

''بے شک ابراہیم اپنی ذات میں ایک پوری امت تھا۔''

4 (i) بمعنی...... الدین والملہ...... دین اور ملت۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً (الانبیاء 92)

''یہ تمہاری امت حقیقت میں ایک ہی امت ہے۔''

(ii) اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا عَلٰٓى اُمَّةٍ (الزخرف، 22)

''ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے۔''

5 بمعنی...... الامم السالفہ، والقرون الماضیۃ...... گذشتہ قومیں اور زمانے۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ (الرعد 30)

''پہلے بہت سی قومیں گزر چکی ہیں۔''

6 بمعنی...... القوم بلاعدد ''كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا''

''ہر گروہ جب جہنم میں داخل ہوگا تو اپنے پیش روگروہ پر لعنت کرتا ہوا داخل ہوگا۔''

7 (i) بمعنی...... القوم المعدود ''وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ''

''اس نے دیکھا کہ بہت سے لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں۔''

(القصص 23)

(ii) وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا" (الاعراف،164)

"جب ان میں سے ایک گروہ نے دوسرے گروہ سے کہا تھا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو، یعنی چالیس (40) آدمی۔"

8 بمعنی...... الزمان الطویل ،"وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰی اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَة"

"اور اگر ہم ایک خاص مدت تک ان کی سزا کو ٹالتے ہیں۔" (سورۃ ھود،8)

9 بمعنی......الکفار خاصة،"كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْ اُمَّةٍ" (الرعد 30)

"اے نبی ﷺ! اسی شان سے ہم نے تم کو رسول بنا کر بھیجا ہے، ایک قوم میں۔"

10 (i) بمعنی......اھل الاسلام ،"كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ"۔

"اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کیلئے میدان میں لایا گیا ہے۔" (آل عمران،110)

(ii) كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً"ای صنفاواحدا۔ (البقرۃ213)

"ابتداء میں سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے۔ یعنی......علی طریقة واحدة فی الضلال والکفر۔

(iii) وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَة (ھود۔118)

"ای فی الایمان" تیرا رب اگر چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک گروہ بنا دیتا۔"

(iv) وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ (آل عمران،104)

"تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضروری ہونے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں۔"

ای جماعة یتخیرون العلم ،والعمل الصالح، ای یکونون اُسوة لغیرهم (حوالہ ؛بصائر ذوی التمییز، ج:2)

کارِ دعوت وجوب عینی یا وجوب کفائی؟

1 ولتکن منکم ...... اس میں "من" بیان وتبیین کیلئے ہے، نہ کہ تبعیض کیلئے۔

فتکون الدعوة وَاجِبَةً عَلَی کل فردٍ مسلمٍ بقدرٍ استطاعة۔

(تفسیر ابن کثیر ،رازی ، قرطبی وغیرہ)

"دعوت دین ہر مسلم فرد پر، اس کی استطاعت کے مطابق واجب ہے۔ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔"

اللہ کا عام فرمان ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ (آل عمران، 110)

"اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو، جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کیلئے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

حضور ﷺ کا فرمان ہے:

مَنْ رَاٰی مِنْكُمْ مُنْكَراً فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ ، فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ ، فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ ، وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ۔ (رواہ مسلم)

"تم میں سے کوئی کسی برائی کو دیکھے، تو اسے مٹانے کیلئے، اپنے قوت بازو سے کام لے، قوت بازو نہ ہو تو قوت زبان سے بدلنے کی کوشش کرے، قوت لسانی کی ہمت بھی نہ ہو تو دل سے نفرت کرے اور دل میں منصوبہ بناتا رہے کہ کیسے برائی مٹانا ممکن ہوگا؟"

اس حدیث میں پہلا لفظ "من" (جو کوئی) حکم عام میں آتا ہے۔ کوئی خاص شخص یا گروہ نہیں ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے حجۃ الوداع میں فرمایا۔

فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الغائبَ، فان الشاهد عسیٰ ان يبلغ من هو اوعیٰ منه۔ (رواہ البخاری)

"جو یہاں حاضر ہے، وہ جا کر اس کو بتائے جو یہاں حاضر نہیں ہے۔ ممکن ہے وہ غیر حاضر سن کر زیادہ یاد رکھے، بہ نسبت حاضر شخص کے۔"

اس حکم میں بھی عمومیت ہے، یعنی ہر سننے والا، جا کر دوسروں کو پیغام حق پہنچائے۔

یہ تھے دلائل اس بات کے کہ دعوت دین ہر فرد پر واجب ہے بقدر ہمت واستطاعت۔

وجوب کفائی کے دلائل

- وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ.....تم میں کچھ تو ضرور ایسے ہونے چاہئیں۔

(آل عمران:104)

بعض علماء اس "مِنْ" کو تبعیض کے لئے بتاتے ہیں۔

ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:۔

قوله تعالىٰ: وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ط فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْن (التوبۃ، 122)

"اور یہ کچھ ضروری نہ تھا کہ اہل ایمان سارے کے سارے ہی نکل کھڑے ہوتے، مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی آبادی کے ہر حصہ میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جا کر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبردار کرتے تاکہ وہ (غیر مسلمانہ روش سے) پرہیز کرتے۔"

تشریح:

یعنی تمام بدویوں کا مدینہ آجانا کچھ ضروری نہ تھا، ہر بستی اور علاقے کے لوگوں میں سے اگر کچھ لوگ مدینہ میں آکر علم دین حاصل کرتے اور واپس جا کر اپنے علاقے کے لوگوں کو دین سکھاتے تو بدویوں میں وہ جہالت باقی نہ رہتی جس کی وجہ سے وہ منافقت کی بیماری میں مبتلا ہیں اور اسلام قبول کر لینے کے باوجود مسلمان ہونے کا حق ادا نہیں کرتے۔

- امر بالمعروف اور نهي عن المنكر.....کا عمل، علم، بصیرت، شرائط اور حالات

کے تقاضے، ان چیزوں کا محتاج ہے اور یہ خوبیاں سارے مسلمانوں میں عام نہیں پائی جاتیں۔ لہٰذا سب پر دعوت کا کام واجب نہ رہ سکا۔ البتہ جب علم وبصیرت والے لوگ یہ فریضہ انجام دیں گے تو باقی عام مسلمانوں سے یہ وجوب کفایت کر جائے گا اور عام لوگ گناہگار نہیں ہوں گے۔

ترجیح کسے دی جائے؟

یعنی دعوت دین کا کام، ہر ایک پر واجب ہے یا واجب کفایہ ہے؟

دراصل جہاں اہل علم وبصیرت موجود ہوں، وہاں انہی سے راہنمائی لینی چاہیے ہر ایک داعی اور مفتی نہ بنا پھرے۔

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل، 43۔الانبیاء، 7)

''اگر تمہیں علم نہیں تو اہل علم واہل کتاب سے پوچھ لو۔''

- قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (الزمر، 9)

''ان سے پوچھو، کیا علم والے اور بے علم دونوں کبھی یکساں ہوسکتے ہیں؟''

- نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ط وَ فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ (یوسف، 76)

''ہم جس کے درجے چاہتے ہیں بلند کر دیتے ہیں اور ایک علم رکھنے والا ایسا ہے جو ہر صاحب علم سے بالاتر ہے۔''

- امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا! ...... ليس عالم الا فوقه عالم حتى ينتهى الى الله عزوجل (ابن کثیر)

''کوئی ایسا عالم نہیں کہ جس سے اوپر کوئی بڑا عالم نہ ہو، حتی کہ علم کی انتہاء اللہ پر جا کے ختم ہوتی ہے۔''

جہاں اہل علم میسر نہ ہوں

□ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (حم السجدة، 33)

''اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس شخص کی ہوگی، جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا میں مسلمان ہوں۔''

اس آیت کی رو سے دعوت کا کام، ہر ایک کیلئے مندوب، یعنی فضیلتوں میں پیش قدمی کرنا ٹھہرا۔

□ حضور ﷺ کا فرمان......الدین النصیحة......دین خیر خواہی کا نام ہے۔ ہم نے پوچھا: کس کی خیر خواہی؟ آپ ﷺ نے فرمایا! اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول ﷺ کی، مسلمان راہنماؤں کی اور عام مسلمانوں کی۔ (رواہ مسلم)

یہ حدیث بھی عمومیت پر دلالت کرتی ہے۔ کہ سب سے خیر خواہی کا نام دین ہے اور یہ خیر خواہی و ہمدردی سب سے مطلوب ہے، سب کے لئے مطلوب ہے۔ یعنی پوری امت کیلئے مطلوب ہے۔ نہ کہ کوئی خاص مسلک یا فرقہ یا گروہ مخصوص بالنصیحۃ ہے۔

اُمت......! ......حدیث رسول ﷺ کی روشنی میں

المعجم المفهرس لالفاظ الحديث النبوی ﷺ ......(جو کہ کتب ستہ، مسند دارمی، مؤطا امام مالک اور مسند احمد کی احادیث پر مشتمل ہے) نے لفظ اُمت امتی اور اُمم کے الفاظ کے تحت قریباً دوصد چالیس (240) احادیث کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ہم خاص خاص احادیث کا ذکر کرتے ہیں، جو اللہ کی توفیق سے میسر ہیں

□ اِنَّا اُمَّةٌ اُمِّيَّةٌ......ہم امی امت ہیں۔ (متفق علیہ)

یعنی ہم تکلفات سے مبرا اُمت ہیں۔ یہ امت کی سادگی اور سہولت کی طرف اشارہ ہے۔ امت کو خواہ مخواہ مشکلات میں ڈالنا رحمۃ للعالمین کے خلاف ہے۔ جہاں تک ہو سکے

امت آسانی میں رہے۔ساری امت کی فکر کہ وہ پیچیدگیوں میں نہ الجھ کے رہ جائے۔سادہ سادہ زندگی گزارے۔

- اِنَّکُمْ اُمَّۃٌ اُرِیْدُ بِکُمُ الْیُسْرَ...... بے شک تم ایسی امت ہو جس سے آسانی کا ارادہ کیا گیا ہے۔اس فرمان پیغمبر میں بھی امت کی سہولت جھلک رہی ہے۔

(مسند احمد صحیح سند کنز العمال 3)

گذشتہ حدیث میں ''ہم اُمت'' اور اس حدیث میں ''تم اُمت'' یہ بھی اشارہ ہے پوری امت کا، نہ کہ گروہ بندی کا۔

- لَایَزَالُ مِنْ اُمَّتِی اُمَّۃٌ قائمۃٌ بامر اللہ۔ (بخاری، کتاب التوحید)

ای متمسکۃ بدینھا۔

''میری امت میں ایک امت دین کے ساتھ چمٹی رہے گی۔''

مسلم شریف میں یہ روایت ہے:

لَاتزالُ طَائِفَۃٌ مِنْ امّتی ظاھرین علی الحق لَایضرّھُم مِنْ خالفھم

(کتاب الامارۃ)

میری امت میں ایک جماعت حق پر ڈٹ کے رہے گی،ان کے مخالف ان کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے۔اس حدیث میں اہل حق واستقامت کی تا قیامت موجودگی کی بشارت ہے۔یعنی ہر دور میں حق کا پرچم بلند رکھیں گے۔امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بعض کا خیال ہے کہ یہ حدیث عام ہے کہ ہر دور میں ایک جماعت علم دین سیکھنے سکھانے میں لگی رہے گی۔وحفظ الحدیث ولاقامۃ الدین، دین کو غالب کرنے کیلئے علم حدیث کی محافظت کرے گی۔ (شرح السنۃ، فضائل جلد 14)

یعنی علم حدیث محض شیخ الحدیث کہلوانے کیلئے نہیں، بلکہ حدیث کی روشنی میں غلبہ دین کی جدوجہد کیلئے سیکھے اور سکھائے گی۔جو کہ پیغمبر اسلام کا اصل مشن تھا۔غلبہ اسلام کا کام مسلکوں کی بنیاد پر ناممکن ہے صرف اُمت کی شکل میں ہی ہو سکتا ہے۔تدریسی مسند نشینی اکثر بزدل بناتی

ہے۔ الا ماشاء اللہ! اسی طرح خانقاہی ارشاد و تبلیغ، باطل سے پنجہ آزمائی سے قاصر ہوتی ہے۔ جو کارِ نبوت سے کوئی میل نہیں کھاتی۔

- "إن أُمتي مرحومةٌ مقدسةٌ مباركةٌ، لاعذاب عليهايوم القيامة، انماعذابُهم بينهم في الدنيابالفتن" (کنز العمال 12)

بے شک میری اُمت رحم کی گئی، پاکباز اور برکت والی ہوگی۔ قیامت کے روز انہیں سزا نہیں دی جائیگی۔ کیونکہ دنیا میں اس نے بہت دکھ اور پریشانیاں اٹھائی ہونگی۔ دین کی خاطر آزمائشوں میں ڈالے گئے اور وہ ان میں سرخرو ہو کر نکلے۔ حقیقت میں یہی وارثانِ نبوت تھے۔ جو حق و باطل کی کشمکش میں آزمائے گئے۔

- "فضّلَتْ هٰذِه الاُمّةُ عَلَى سائر الامم بثلاث؛جعلت لهاالارض طهوراو مسجداً وجعلت صفوفهاعلى صفوف الملائكة" (اسنادہ صحیح، مسند احمد)

اس امت کو تمام امتوں پر فضیلت عطا کی گئی ہے تین (3) چیزوں میں۔

1. اس کیلئے ساری زمین طہارت کا ذریعہ بنا دی گئی۔
2. ساری زمین مسجد بنا دی گئی۔
3. انہیں فرشتوں کی صف بندی کی طرح صف بستہ کر دیا گیا۔

تشریح:

امت کی فضیلت اور برتری کی تمنا ہے کہ یہ سب امتوں سے آگے نکل جائے۔

خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

ساری امت:

ساری امتوں کے مقابلے میں آگے ہو، نہ کہ ایک فرقہ دوسرے فرقے سے۔

مٹی پاک کر دی گئی، اس حدیث میں الارض آیا ہے، مسلم کی روایت میں "تربتھا" ذکر ہے۔ جسے عام طور پر مٹی کہا جاتا ہے۔ اس سے تیمّم کیا جا سکتا ہے، اگر پانی نہ ملے، یا پانی سے بیماری بڑھنے کا اندیشہ ہو۔ اس سے بھی امت کی سہولت مطلوب ہے مشقت میں ڈالنا مطلوب نہیں۔

□ ساری زمین سجدہ گاہ کیلئے روا کر دی گئی۔ یعنی وقت نماز اگر جنگل وغیرہ میں آجائے تو نماز ادا کرنا آسان ہو، مسجد نہ ملنے کی صورت میں مشقت میں نہیں ڈالا گیا۔ اور ساری زمین کو مسجد کی طرح شرک و بدعت کی گندگی سے اور غیر اللہ کی حاکمیت سے پاک صاف رکھا جائے۔

□ مسلمانوں کو منظّم کر دیا گیا، نماز میں صف بندی اور جہاد میں صف بندی کے ذریعے۔ روزانہ پنج وقتہ صف بندی سے، ساری زندگی کا ڈسپلن سکھایا گیا۔ کہ امام نماز کی طرح کوئی امام زمانہ بھی ہو، جس کے تحت منظّم زندگی گزرے۔ غیر منظّم اور تنہا تنہا جینے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ ہیں خصوصیات امت مسلمہ۔ ان خصوصیات کو ہر زمانے میں نمایاں کرتے رہنے کی ضرورت ہے۔

فَقَالَ ﷺ "يَارَبِّ! اِنَّ اُمَّتِیْ ضُعَفَاءُ اَجْسَادُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ وَاَسْمَاعُهُمْ وَاَبْدَانُهُمْ فَخَفِّفْ عَنَّا" (بخاری، کتاب التوحید)

"آپ ﷺ نے فرمایا: اے رب! بیشک میری امت کے جسم کمزور ہیں۔ ان کے دل کمزور ہیں، ان کے کان کمزور ہیں، ان کے بدن کمزور ہیں، لہٰذا ہم سے (نمازوں کی) تخفیف فرما۔"

تشریح:

یعنی میری اُمت بنی اسرائیل کے مقابلے میں جسماً قلباً، سماعاً کمزور ہے۔ پچاس نمازیں قوم موسیٰ علیہ السلام نہ پڑھ سکی تو میری اُمت کیسے ادا کرے گی؟ یہ بھی رحمۃ للعالمین کی امت پر شفقت ہے۔ کہ اُمت کو مشقت سے بچایا۔ اور سہولت و رخصت اللہ سے لے کر دی۔ یہ ہے ہمدردی و خیر خواہی۔ اسی بات کی طرف قرآن اشارہ کرتا ہے۔

وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ (الاعراف 157)

"وہ پیغمبر ﷺ ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے۔ اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔"

تشریح:

یعنی ان کے فقیہوں نے اپنی قانونی موشگافیوں سے، ان کے راہبوں نے اپنے زہد کے مبالغوں سے، اوران کے جاہل عوام نے اپنے توہمات اور خودساختہ حدود وضوابط سے، ان کی زندگی کو جن بوجھوں تلے دبا رکھا ہے اور جن جکڑ بندیوں میں کس رکھا ہے، یہ پیغمبر ﷺ وہ سارے بوجھ اتار دیتا ہے۔ اور وہ تمام بندشیں توڑ کر زندگی کو ہلکا پھلکا کر کے آزادی بخشتا ہے۔

"لاتزال الامة على الشر يعة (وفی روایة شریعة حسنة) مالم يظهر فيهاثلاث (1)مالم يقبض العلم (2)ويكثر فيهم ولد الحنث(3)يظهر فيهم الصقارون،قالُوا وما الصقارون يارسول الله ؟قال ﷺ بشر يكون فی آخر الزمان تحيتهم بينهم التلاعن"

(حدیث حسن)(مسنداحمد ، 15565)(کنز العمال 38568)

"امت تب تک خوبصورت شریعت پر رہے گی جب تک کہ تین چیزیں ظاہر نہ ہوں: ① علم نہ اٹھ جائے ② گندے بچے پیدا نہ ہوں ③ آخری زمانے میں آدمی ایک دوسرے سے ملتے وقت سلام کہنے کی بجائے طعن ولعنت کرے۔"

تشریح:

امت کا بہترین شریعت پر چلنا نبی کریم ﷺ کی تمنا ہے۔ اور شریعت حسنہ سے ہٹنا ناپسندیدہ ہے۔ شریعت سے ہٹنے کی تین (3) علامتیں بتا دیں، تا کہ ان سے بچا جا سکے۔

1 علم دین کی قدر کرنے سے شریعت پر چلنا آسان رہے گا۔ علم چونکہ روشنی ہے۔ اور علم کے برعکس جہالت ہے اور جہالت اندھیروں کا نام ہے۔ اندھیروں میں راہ راست پانا مشکل ہوتا ہے۔ آدمی اندھیروں میں بھٹکتا رہ جاتا ہے۔ اس لئے امت کیلئے علم کی روشنی ضروری قرار دی۔

2 دوسری علامت بتائی : گندے بچے پیدا ہونا۔ ایک اور روایت میں آتا ہے ویظھر الزنی کہ علامات قیامت میں سے یہ بھی ہے کہ زنا کاری عام ہوگی ۔ جب بدکاری عام ہوگی تو لامحالہ اس سے گندے انڈے ہی پیدا ہوں گے۔ نائٹ کلبوں کی پیدوار، نطفہ ہائے ناتحقیق۔ پتہ ہی نہیں چلے گا کہ یہ حرامی بچہ آخر ہے کس کا۔ اگر کھوج لگانے کی ضرورت پیش آئے گی تو (DNA TEST) کرواتے پھریں گے۔ کیونکہ مغربی محاورے کے مطابق (Mother,s baby Father may be) کہ بچہ ماں کا ہے کیونکہ اس کے پیٹ سے جنم لیا، لیکن باپ کی خبر نہیں کہ کس کا نطفہ ہے۔ جب باپ اور نسل کا معاملہ مشکوک ہوا، تو باپ کی ولدیت ہی ختم، ولدیت میں ماں کا نام رواج پا گیا۔ جب خاندان اور نسلیں برباد ہونگی اور خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ جائے گا، تو حرامی بچے پیدا ہونے پر کون ان کی اخلاقی ودینی تربیت کر پائے گا۔ بے مقصد زندگی میں آوارہ پھریں گے ۔ تربیت نہ پانے سے معاشرے کا امن وسکون تباہ کریں گے۔

3 تیسری علامت بتائی کی ملاقات کے وقت سلام کہنے کا رواج ترک ہوگا، اور غیر اسلامی طریقے اور بُرے الفاظ والقاب سے نوازیں گے۔ ایک دوسرے کا احترام ختم اور دعائیہ جملے کی بجائے طعن ولعنت سے گفتگو کا آغاز کریں گے۔ یہ تھیں زوال اُمت کی نشانیاں، جن سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدیاں پہلے خبردار کیا تھا۔ جب تک اُمت میں یہ کمزوریاں نہیں آئیں گی، امت شریعت حسنہ کی پیروکار رہے گی۔ خیر اور بھلائی ان کے قدم چومے گی۔

لاتزال امتی بخیر مالم یظھر فیھم حب الدنیا ، وعلماء فساق، وقراء جھال ، وجبابرة، فاذا ظھرت خشیت ان یعمھم اللہ بعقاب۔ (کنز العمال 6326)

”میری امت تب تک بھلائی پر رہے گی ، جب تک کہ ان میں (1) دنیا کی محبت (2) بُرے علماء (3) جاہل قاری (4) اور ظالم حکمران پیدا نہ ہو جائیں، جب یہ ہوگا تو مجھے ڈر ہے کہ عذاب الٰہی سب پر نہ ٹوٹ پڑے۔“

تشریح:

حضور ﷺ ہمیشہ امت کی خیر مانگتے رہے، اوراسے شر سے بچانے کی تدابیر پیش کرتے رہے، چونکہ آپ ﷺ کو اپنی امت سے بے انتہا محبت تھی، اس کی کامیابی کے گُر بتاتے خطرات سے بچانے کی فکر کرتے رہے۔

1 اس حدیث میں سب سے پہلی خطرناک چیز امت کیلئے حبِ دنیا بتائی۔ کہ آدمی عبدالدینار اور عبدالدرھم نہ بن جائے۔ قرآن کہتا ہے کہ......!

لَاتُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآاَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِاللّٰهِ۔ (المنافقون 9)

''تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کردیں۔''

دولت کی ہوس آج مسلمانوں میں اتنی عام ہوگئی ہے کہ نماز روزہ سے فرار، دین سے دوری اور کہتے ہیں کہ کمائی کرنا بھی عبادت ہے۔ لیکن یہ ایسا دعویٰ ہے جس کے پیچھے کوئی دلیل، کوئی پروف نہیں۔ حالانکہ پڑھے لکھے لوگ ہر بات میں پروف (Proof) مانگتے ہیں۔ بغیر دلیل کے کسی بات کو نہیں مانتے۔ لیکن دین میں غفلت اور کوتاہی کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہے۔ بے دلیل عقل کے گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو زیادہ سمجھدار سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ نری نادانی اور حماقت ہے کہ دین ترک کرکے دولت کو عبادت قرار دیا۔ امت کے بانی حضور ﷺ اسے خطرناک بتائیں اور ہم اسے فائدہ مند بتائیں۔

2 دوسری خطرناک چیز امت کیلئے، علماء فساق (بُرے علماء) بتائے۔ قرآن کہتا ہے!

كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا۔ (الجمعۃ، 5)

''ان کی مثال اُس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوں۔''

اللہ مذہبی تعلیم والے بےعملوں کو گدھے سے یوں تشبیہ دیتا ہے کہ جیسے گدھے پر کتنی اعلیٰ علمی کتابیں لاددیں، اسے کیا خبر کہ اس کی کمر پر کتنی متاع بیش بہا ہے۔ وہ تو اسے مٹی کے بورے سمجھ کر اٹھائے پھرتا ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے:

لایطلب هذا العلم احد لایرید به الا الدنیا الاحرم الله علیه

عرف الجنة يوم القيامة۔

''جوعلم دین کو محض دنیا کمانے کی خاطر حاصل کرتا ہے، وہ قیامت کے روز جنت کی ہوا تک نہ پاسکے گا۔'' (رواہ ابوداؤد، کتاب العلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ لاتعلموا العلم لثلاث، تین چیزوں کی خاطر علم نہ سیکھو:۔

1 لِتَمارَوُابِهِ السُّفُهَاء، نادانوں کو پچھاڑنے کیلئے۔

2 وَتُجَادِ لُوابِهِ الْعُلَمَاء اور علماء سے الجھنے کیلئے۔

3 ولتُصْرِفُوابِهِ وَجوهُ الناسِ اليكم ،لوگوں کو اپنی ذات کی طرف متوجہ کرنے کیلئے۔

مزید فرمایا:

وَابْتَغُوا بِقولِكُمْ مَاعِنْدَ الله۔

''اپنے علم سے، اپنی زبان سے، وہ تلاش کرو جو اللہ کے پاس ہے۔''

فَاِنّه يدومُ ويبقى وينفدماسواه۔

''جو اللہ کے پاس ہے وہ ہمیشہ اور باقی رہنے والا ہے۔ اس کے علاوہ سب کچھ ختم ہوجانے والا اور فانی ہے۔'' (المقدمہ، سنن الدارمی)

3 تیسری خطرناک چیز امت کیلئے جاہل قاری بتائے۔

صحیح بخاری میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے۔ آخری زمانے میں کچھ لوگ آئیں گے، نماز روزے اور اعمال صالحہ کو حقیر جانیں گے

''وَيقرؤُون القُرآن لَايجاوز حناجرهم'' (کتاب فضائل القرآن)

قرآن پڑھیں گے مگر ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔

تشریح:

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

ان المرادان الايمان لم يرسخ فى قلوبهم لان ماوقف عند

الحلقوم فلم یتجاوزہ لایصل الی القلب۔

''حلق سے نیچے نہ اترنے کا مطلب ہے دل میں ایمان پختہ اور راسخ نہ ہوا، حلق میں اٹک کے رہ گیا، آگے دل تک نہ پہنچ سکا۔''

ایک اور روایت میں ہے۔

تعلموا القرآن واسالوا اللہ بہ قبل ان یتعلمہ قوم یسئالون بہ الدنیا، فان القرآن یتعلمہ ثلاثۃ نفر ① رجل یباھی بہ ② ورجل لیتاکل بہ ③ ورجل یقرءہ للہ

(فتح الباری، جلد ھشتم، کتاب فضائل القرآن)

قرآن سیکھ لو، اور اللہ سے اس کے ذریعے سوال کرلو، اس وقت سے پہلے کہ ایسے لوگ پیدا ہوں جو قرآن کے ذریعے دنیا ڈھونڈیں گے، قرآن کو تین (3) طرح کے لوگ سیکھتے ہیں۔

1 قرآن کے ذریعہ فخر وغرور دکھانا

2 قرآن کے ذریعہ مال کھانا

3 صرف اللہ کی رضا کیلئے پڑھنا

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

جانتا ہوں میں یہ امت حامل قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں

جس جاہل قاری سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمت کو خبردار کیا تھا، وہ بیماری اس امت میں آج عام ہے۔ بہت تھوڑے ہیں جو رضائے الٰہی کیلئے اور اپنے تزکیہ کیلئے پڑھتے ہیں۔

علامہ اقبال مزید فرماتے ہیں:

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف
(بال جبریل)

قرآن خوانی سے پہلے اپنے قلب کو اس قدر پاک صاف کر لے کہ پڑھتے وقت تجھے یہ محسوس ہو کہ یہ کلامِ الٰہی براہ راست تیرے دل پر نازل ہو رہا ہے۔ پھر تلاوت کا لطف بھی آئے گا۔

4 چوتھی خطرناک چیز امت کیلئے جابرہ بیان فرمائی۔

قرآن کریم میں ہے:

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّار۔ (المؤمن، 35)

''اسی طرح اللہ ہر متکبر و جبار کے دل پر ٹھپہ لگا دیتا ہے۔''

مفسر قتادہ فرماتے ہیں:

اٰیۃ الجابرۃ القَتل بِغَیر حق (تفسیر ابن کثیر)

''جابروں کی نشانی یہ ہے کہ ناحق قتل کرتے ہیں۔''

ایک حدیث میں ہے: اللہ زمین و آسمان کو اپنے ہاتھ میں لیکر فرمائے گا:

اَنَاالجبارُ ! اَیْن الجبّارونَ این المتکبرونَ؟

''میں جبار (اپنا حکم بزور نافذ کرنے والا ہوں) دنیا کے مصنوعی جبار اور متکبر آج کہاں ہیں؟'' (مقدمہ ابن ماجہ)

ایک اور حدیث میں ہے:

من ولی ھٰذا الا مر من جبار فحکم بغیر ہ قصمه الله۔

''جو اس حکومت پر مسلط ہوا، کتاب الٰہی کے علاوہ کوئی اور آئین نافذ کیا، خدا اس کے ٹکڑے اڑائے گا۔'' (ترمذی، فضائل القران)

مذکورہ تعلیمات کی روشنی میں، جبر سے حکومت کرنا، اور جابروں کی حکومت خوش دلی سے قبول کرنا، امت کی بربادی کی علامت ہے۔ جس سے صدیاں پہلے بانی اُمت ﷺ نے آگاہ فرمایا تھا۔

اللھم من ولی من امر امتی فشق علیھم ، فاشقق علیه ومن ولی من امر امتی شیًٔا فرفق بھم، فارفق به۔ (مسلم، حدیث 1828)

''اے اللہ! میری امت کا جو حاکم بن کران پر سختیاں کرے، تو اس پر سختی کرنا، جو میری امت کا حاکم بن کران پر نرمی کرے تو اس پر نرمی کرنا۔''

تشریح:

نواب صدیق الحسن خان لکھتے ہیں:

هذا من ابلغ الزواجر، عن المشقة على الناس واعظم الحث على الرفق بهم۔ (السراج الوهاج، جلد7 (شرح مسلم)

''لوگوں پر سختی کرنے کے بارے میں یہ حدیث انتہائی درجہ کی ڈانٹ اور پھٹکار ہے۔ امت سے نرم برتاؤ کرنے کی عظیم الشان ترغیب ہے۔''

یہ دعا حضور ﷺ نے اپنے گھر کی تنہائی میں بیٹھ کر اللہ سے کی تھی۔ یہ ہے امت سے خیر خواہی۔ ورنہ دنیا دار لیڈر، جو کچھ کرتے ہیں سب ریا کاری اور دکھاوے کیلئے، کہ ان کی ہمدردی کے چرچے، اخباروں اور ٹی وی پر مع انکی تصاویر کے منظر عام پر آئیں۔ جبکہ ان کے دل اپنی قوم کے بارے میں نہایت غلیظ اور سیاہ ہوتے ہیں۔ بہر کیف امت مسلمہ پر نرمی کرنے والا عالم اور حاکم دعائے پیغمبر ﷺ کا حقدار ہے۔ امت کو دکھ دینے والا حضور ﷺ کی بد دعا کے لائق ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ: "سألت ربی ان لا یھلك امتی بالسّنة۔ (مسلم)

''حضور ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے التجا کی، کہ میری امت کو قحط سالی سے ہلاک نہ کرے۔ **فاعطانیھا**، اس نے میری دعا قبول کر لی۔''

یہ بھی بانی اُمت ﷺ کی شفقت ہے کہ اللہ سے درخواستیں کر رہے ہیں، کہ میری اُمت بھوک سے نہ مر جائے، ساری امت یکدم خشک سالی میں مبتلا نہ ہو۔ ان کی زندگی کا دنیاوی سامان بھی انہیں میسر رہے۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مختصر اور پاکباز کنبہ کو وادی غیر ذی زرع میں، حرم پاک کے پاس آباد کرتے وقت دعا کی کہ یہ لوگ یہاں نماز پڑھیں، تو لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا دے۔

وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ (ابراہیم، 37)

''انہیں کھانے کو پھل دے، شاید کہ یہ شکر گزار بنیں۔''

قربانی کیلئے بکرے کو زمین پر لٹا کر، آپ ﷺ نے یہ کلمات فرمائے۔

''بسم الله ،اللهم تقبل من محمد وآل محمد ومن اُمة محمد''ثم ضحى به (رواه مسلم)

''اللہ کے نام سے، اے اللہ! یہ قربانی میری طرف سے، میری آل کی طرف سے، اور میری امت کی طرف سے قبول فرما۔''

ملا علی القاری ؒ لکھتے ہیں کہ اپنے لئے تو دعا کرنی ہی تھی مگر رحمۃ للعالمین ہوتے ہوئے اپنی آل اور اپنی امت کو بھی دعا میں شریک فرمایا۔ کہ میری امت کی قربانیاں اور عام عبادتیں قبول فرمالے۔ (مرقاۃ جلد،3)

امت کی طرف سے (مِن اُمَّة محمد ﷺ)، اس میں امت کے دونوں طبقے شامل ہیں، جو قربانیاں کریں، انکی قربانیاں قبول فرمانا۔ اور دوسرا طبقہ جو قربانی کرنے کی سکت نہ رکھے، اس کے حق میں میری یہی قربانی قبول فرما۔ کیا شان ہے عالی شان پیغمبر ﷺ کی! امت کے بیکسوں کا خیال دامنگیر ہے۔ حشر تک جو امت کے غریب لوگ قربانی کرنے سے قاصر ہوں، ان کیلئے ان کا پیغمبر ﷺ قربانی کر چکا ہے اور خدا نے اسے قبول بھی فرمالیا ہے۔ اگر امت کے غریب رسول ﷺ سے وفادار رہیں گے تو رسول ﷺ ان سے وفا کر چکے ہیں۔

کی محمد ﷺ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِاُمَّتِيْ فِيْ بُكُوْرِهَا، (رواه ابوداؤد، ابن ماجه، دارمی)

''یا اللہ! میری امت کی صبحوں میں برکت عطا فرما۔''

برکت کا معنی کثرۃ الخیر زیادہ سے زیادہ خیر اور بہتری۔ بکور کا معنی صباح، صبح کا وقت۔

وهو يشمل طلب العلم، والكسب، والسفر وغيرها (مرقاة جلد هفتم)

علم کی طلب، معاش کی تلاش، سفر پر روانگی، ان سب مقاصد کیلئے صبح کا سہانا وقت، بہت برکت والا ہے۔ صبح کے وقت جو سوئے گا وہ کھوئے گا یہ تو انگلش شاعر فرینکلن بھی کہتا ہے۔

Early To Bed And Early To Rise
Makes A Man Healthy, Wealthy, And Wise.

رات کو جلد سونا اور صبح جلد بیدار ہونا، آدمی کو تندرست، مالدار اور عقلمند بنا تا ہے خیر، ہر قوم کے دانا لوگ ایسی ہی نصیحتیں لوگوں کو کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے نری نصیحت ہی نہیں فرمائی بلکہ امت کی صبحوں میں برکت کی دعا بھی دی ہے۔

وہ طالبعلم خوش قسمت ہے جو نماز فجر کے بعد سونے کی بجائے تلاوت قرآن کرتا ہے۔ باہر تازہ آب و ہوا میں سیر و تفریح کرتا ہے۔ پھر اپنی تعلیم میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح وہ مزدور اور تاجر بھی خوش نصیب ہے جو مذکورہ کام کرتا ہے۔ وہ مسافر بھی کامیاب ہے جو اپنا آغاز سفر، صبح سویرے کرتا ہے۔ حضور ﷺ نے اس سے بھی بڑھ کر تصور پیش فرمایا۔

مَنْ خَافَ اَدْلَجَ ، وَمَنْ اَدْلَجَ بلغ المنزل ، الاان سلعة الله غالية الاان سلعة الله الجنة۔ (ترمذی)

''جو آخر شب دشمن کے حملہ سے خوف زدہ ہوا، اس نے رات کی آخری گھڑی میں سفر شروع کر دیا، جس نے رات کو سفر شروع کر دیا، وہ منزل پر پہنچ گیا۔ خبردار! اللہ کا سودا بہت مہنگا ہے، آگاہ رہو، اس کا سودا جنت ہے۔''

یعنی ''تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا'' (السجدة، 16)

''ان کی کمر بستروں سے الگ رہتی ہے، اپنے رب کو خوف اور طمع سے پکارتے ہیں۔'' دنیا کے مسافر کو جلد اٹھنا پڑتا ہے بقول شاعر:

مسافر شب سے اٹھتے ہیں
جو جانا دور ہوتا ہے

مگر سالک آخرت کیلئے تو اور زیادہ ضروری ہو جاتا ہے کہ بوقت سحر جاگ اٹھے، ورنہ شیطان، نفسانی خواہش، اس مسافر کی منزل کو کھوٹا کر دیں گے۔ بہر حال، خیر خواہ اُمت ﷺ اُمت کی کامیابی کے گر بتاتے ہیں۔ اس کیلئے صبح سویرے کے اعمال صالح کو خیر وبرکت بتاتے ہیں۔ اگر چہ صبح کا سہانا وقت، گہری نیند سلاتا ہے۔ جی نہیں چاہتا کہ میٹھی نیند اور نرم وگداز بستر کو چھوڑا جائے، لیکن جس مسافر کو معلوم ہوتا ہے کہ صبح آغاز سفر نہ کیا، دوپہر کو جاگا، پھر روانہ ہوا تو راستے میں ہی رات آجائے گی، پھر راہوں کے چور اور ڈاکو اسے لوٹ لیں گے۔ دانا مسافر دیر تک سویا نہیں رہ سکتا۔ اسے نیند میں بھی بے قراری رہتی ہے، جیسے ریل کا مسافر گہری نیند سو جائے تو اس کا اسٹیشن گذر جاتا ہے، گاڑی آگے نکل جاتی ہے۔

قال رسول اللهﷺ ان سیاحة امتی الجهاد فی سبیل الله (رواه ابو داؤد فی الجهاد، باب فی النهی عن السیاحة، وسنده حسن، وصححه الحا کم ، واقره الذهبی ، وجود اسناد ه النووی والعراقی، برحاشیه شرح السنه :جلد 10)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

''بے شک میری امت کی درویشی، جہاد فی سبیل اللہ میں ہے۔''

2 اس حدیث کے راوی ابو امامہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ مذکورہ حدیث کی مزید وضاحت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے اگر چہ وہ ضعیف ہے لیکن اسے تقویت دیتی ہے۔ ایک آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی: ہمیں خصی ہونے کی اجازت فرمائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: جو خود خصی ہوا یا جس نے خصی کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ میری امت کیلئے نفسانی خواہش پر قابو پانے کا طریقہ روزہ رکھنا ہے۔ پھر سائل نے پوچھا: ہمیں درویشانہ زندگی گزارنے کی اجازت دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! میری امت کی درویشی جہاد فی سبیل اللہ میں ہے۔ سائل نے تیسرا سوال کیا: ہمیں رہبانیت (ترک دنیا کر کے عبادت کرنا) کی اجازت دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت کی رہبانیت مسجدوں میں بیٹھ کر، انتظار نماز کرنا ہے۔ (شرح السنۃ جلد 2)

3 اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَام'' اسلام میں رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور یہ خصی ہونے کے مترادف ہے، نسل انسانی کا سلسلہ کاٹنے کا طریقہ ہے۔ گذشتہ لوگوں میں رہبانیت تکلف اور بدعت تھی، جسے اس امت سے دور کر دیا گیا۔ (حوالہ مذکورہ)

4 سنن الدارمی میں قوی سند کے ساتھ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے بیوی کو ترک کیا۔ حضور ﷺ نے اسے بلا بھیجا۔ فرمایا عثمان! مجھے رہبانیت کا حکم نہیں دیا گیا، کیا تو میرے طریقے سے منحرف ہو گیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں حضور ﷺ، آپ ﷺ نے فرمایا: میرا طریقہ یہ ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوں، سوتا بھی ہوں۔ روزے بھی رکھتا اور کھاتا بھی ہوں، نکاح کرتا ہوں، کبھی طلاق بھی دیتا ہوں۔ جس نے میرے طریقے سے منہ موڑا، وہ میری امت سے نہیں ہے۔ اے عثمان! تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے۔ تیری جان کا تجھ پر حق ہے۔ (سنن دارمی، 111)

5 مسند احمد میں روایت ہے کہ عروۃ کہتے ہیں، عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیوی عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گئی۔ جس کا نام خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا تھا۔ وہ پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس تھی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے پوچھا: تیری کیا حالت ہے؟ اُس نے جواب دیا: میرا خاوند رات کو عبادت کرتا ہے، دن کو روزہ رکھتا ہے۔ پھر حضور ﷺ اپنے گھر تشریف لائے، تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ ماجرا کہہ سنایا۔ حضور ﷺ عثمان رضی اللہ عنہ سے ملے اور فرمایا: عثمان! یہ رہبانیت ہم پر لازم نہیں کی گئی۔ کیا تیرے لئے پیغمبر ﷺ کا بہترین نمونہ کافی نہیں ہے؟ خدا کی قسم! میں تم سے زیادہ خوف خدا رکھنے والا ہوں، تم سے زیادہ حدود اللہ کا محافظ ہوں۔ (اس سند کے سب راوی ثقہ ہیں، حوالہ مذکورہ)

6 قرآن کہتا ہے:

وَرَهْبَانِيَّةَنِ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ (سورۃ الحدید، 27)

''اور رہبانیت انہوں نے خود ایجاد کر لی، ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا۔''

رهبانية کا مادہ رھب ہے، جس کے معنی خوف کے ہیں، اس کا مطلب ہے مسلک خوف زدگی، اصطلاحاً اس سے مراد، کسی شخص کے خوف کی بنا پر (کسی کے ظلم کا خوف، دنیا کے فتنوں کا خوف، اپنے نفس کی کمزوریوں کا خوف) تارک الدنیا بن جانا، اور دنیوی زندگی سے بھاگ کر، جنگلوں، پہاڑوں، میں پناہ لینا، گوشہ ہائے عزلت میں جا بیٹھنا۔ رہبانیت ایک غیر اسلامی چیز ہے۔ یہ کبھی بھی دین حق میں شامل نہیں رہی، آپ ﷺ کا فرمان ہے:

رَهْبَانِيَّةُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ۔ کا مطلب ہے کہ اس امت کیلئے روحانی ترقی کا راستہ، ترک دنیا نہیں، بلکہ اللہ کی راہ میں جہاد ہے یہ امت فتنوں سے ڈر کر جنگلوں اور غاروں کی طرف نہیں بھاگتی بلکہ راہ خدا میں جہاد کر کے ان کا مقابلہ کرتی ہے۔

7 صحیحین کی روایت ہے، صحابہ کرام میں سے ایک نے یہ کہا: میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا، میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا، کبھی ناغہ نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا: میں کبھی شادی نہ کروں گا، عورت سے کوئی واسطہ نہ رکھوں گا۔

حضور ﷺ نے ان کی یہ باتیں سنیں تو فرمایا: خدا کی قسم! میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں۔ اس سے تقویٰ کرتا ہوں۔ مگر میرا طریقہ یہ ہے کہ روزہ رکھتا بھی ہوں، اور چھوڑتا بھی ہوں، راتوں کو نماز بھی پڑھتا ہوں، اور سوتا بھی ہوں۔ عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جس کو میرا طریقہ پسند نہ ہو، اس کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے، اپنے اوپر سختی نہ کرو کہ اللہ تم پر سختی کرے، ایک گروہ نے یہی تشدد اختیار کیا تھا تو اللہ نے بھی پھر اسے سخت پکڑا، دیکھ لو وہ ان کے بقایا، (ان کی نشانیاں) راہب خانوں میں، کلیساؤں میں موجود ہیں۔ (ابوداؤد)

مسیحی رہبانیت کی تاریخ پر ایک نظر

عیسیٰ علیہ السلام کے بعد دوسو (200) سال تک عیسائی کلیسا رہبانیت سے نا آشنا تھا، مگر ابتدا ہی سے مسیحیت میں اس کے جراثیم پائے جاتے تھے، وہ تخیلات اس کے اندر موجود تھے، جو اس چیز کو جنم دیتے ہیں۔ ترک وتجرد کو اخلاقی آئیڈیل قرار دینا اور درویشانہ زندگی کو شادی بیاہ، اور دنیوی کاروباری زندگی کے مقابلے میں اعلیٰ وافضل سمجھنا ہی رہبانیت

کی بنیاد ہے اور یہ دونوں چیزیں مسیحیت میں ابتداء سے موجود تھیں، خصوصیت کے ساتھ تجرد کو تقدس کا ہم معنی سمجھنے کی وجہ سے کلیسا میں مذہبی خدمات انجام دینے والوں کیلئے یہ بات ناپسندیدہ خیال کی جاتی تھی کہ وہ شادی کریں، بال بچوں والے ہوں اور خانہ داری کے بکھیڑوں میں پڑیں۔ اسی چیز نے تیسری صدی تک پہنچتے ایک فتنے کی شکل اختیار کرلی اور رہبانیت ایک وبا کی طرح مسیحیت میں پھیلنی شروع ہوئی۔ تاریخی طور پر اس کے تین (3) بڑے اسباب تھے۔

① ایک یہ کہ قدیم مشرک سوسائٹی میں شہوانیت، بدکرداری اور دنیا پرستی جس شدت کے ساتھ پھیلی ہوئی تھی، اس کا توڑ کرنے کیلئے عیسائی علماء نے اعتدال کی راہ اختیار کرنے کی بجائے انتہاپسندی کی راہ اختیار کی۔ انہوں نے عفت پر اتنا زور دیا کہ عورت اور مرد کا تعلق بجائے خود نجس قرار پا گیا، خواہ وہ نکاح کی صورت میں ہو۔ انہوں نے دنیا پرستی کے خلاف اتنی شدت برتی کہ آخر کار ایک دیندار آدمی کیلئے سرے سے کسی قسم کی املاک رکھنا ہی گناہ بن گیا اور اخلاق کا معیار یہ ہوگیا کہ آدمی بالکل مُفلس، اور ہر لحاظ سے تارک الدنیا ہو، اسی طرح مشرک سوسائٹی کی لذت پرستی کے جواب میں وہ اس انتہا پر جا پہنچے کہ ترک لذات، نفس کو مارنا اور خواہشات کا قلع قمع کردینا اخلاق کا مقصد بن گیا، اور طرح طرح کی ریاضتوں سے جسم کو اذیتیں دینا آدمی کی روحانیت کا کمال اور اس کا ثبوت سمجھا جانے لگا۔

② دوسرے یہ کہ مسیحیت جب کامیابی کے دور میں داخل ہوکر عوام میں پھیلنی شروع ہوئی تو اپنے مذہب کی توسیع واشاعت کے شوق میں کلیسا ہر اس برائی کو اپنے دائرے میں داخل کرتا چلا گیا جو عام لوگوں میں مقبول تھی۔ اولیاء پرستی نے قدیم معبودوں کی جگہ لے لی۔ ہورس (Horus) اور آئسس (Isis) کے مجسموں کی جگہ مسیح اور مریم کے بُت پوجے جانے لگے۔ سیٹرنیلیاں (Saturnalia) کی جگہ کرسمس کا تہوار منایا جانے لگا۔ قدیم زمانے کے تعویذ گنڈے، عملیات، فال گیری، غیب گوئی، جن بھوت بھگانے کے عمل، سب عیسائی درویشوں نے شروع کردیے۔ اسی طرح چونکہ عوام اُس شخص کو خدارسیدہ سمجھتے تھے، جو گندا اور ننگا ہو اور کسی بھٹ یا کھوہ میں رہے، اس لئے عیسائی کلیسا میں ولایت کا یہی تصور مقبول ہوگیا،

اور ایسے ہی لوگوں کی کرامتوں کے قصوں سے عیسائیوں کے ہاں تذکرۃ الاولیاء قسم کی کتابیں لبریز ہیں۔

تیسرے یہ کہ عیسائیوں کے پاس دین کی سرحدیں متعین کرنے کیلئے کوئی مفصل شریعت اور کوئی واضح سنت موجود نہ تھی۔شریعت موسوی کو وہ چھوڑ چکے تھے اور تنہا انجیل کے اندر کوئی مکمل ہدایت نامہ نہ پایا جاتا تھا۔اس لیے مسیحی علماء کچھ باہر کے فلسفوں،طور طریقوں سے متاثر ہو کر اور کچھ خود اپنے رجحانات کی بنا پر طرح طرح کی بدعتیں دین میں داخل کرتے چلے گئے۔رہبانیت بھی انہی بدعتوں میں سے ایک تھی۔مسیحی مذہب کے علماء اور آئمہ نے اُس کا فلسفہ اور اُس کا طریق کار بدھ مذہب کے بھکشوؤں سے،ہندو جوگیوں اور سنیاسیوں سے،قدیم مصری فقراء (Anchorites) سے،ایران کے مانویّوں سے اور افلاطون اور فلاطینوس کے پیرو اشراقیوں سے اخذ کیا،اور اسی کو تزکیۂ نفس کا طریقہ،روحانی ترقی کا ذریعہ،اور تقرب الی اللہ کا وسیلہ قرار دے لیا۔اس غلطی کے مرتکب کوئی معمولی درجہ کے لوگ نہ تھے۔تیسری صدی سے ساتویں صدی عیسوی (یعنی نزول قرآن کے زمانے) تک جو لوگ مشرق اور مغرب میں مسیحیت کے اکابر علماء بزرگ ترین پیشوا اور امام مانے جاتے ہیں،سینٹ اتھاناسیوس،سینٹ باسل،سینٹ گریگوری نازیانزین،سینٹ کرائی سوسٹم،سینٹ ایمبروز،سینٹ جیروم،سینٹ آگسٹائن،سینٹ بینیڈکٹ،گریگوری اعظم،سب کے سب خود راہب اور رہبانیت کے زبر دست علمبردار تھے۔انہی کی کوششوں سے کلیسا میں رہبانیت نے رواج پایا۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں میں رہبانیت کا آغاز مصر سے ہوا۔اس کا بانی سینٹ اینتھنی (St. Anthony) 250-350 تھا۔اسے پہلا مسیحی راہب قرار دیا جاتا ہے۔اس نے فیوم کے علاقے میں پسپیر کے مقام پر (جواب دیر المیمون کے نام سے معروف ہے) پہلی خانقاہ قائم کی۔اس کے بعد دوسری خانقاہ اس نے بحیرہ احمر کے ساحل پر قائم کی،جسے اب دیر مار انطونیوس کہا جاتا ہے۔عیسائیوں میں رہبانیت کے بنیادی قواعد،اسی کی تحریروں اور ہدایات سے ماخوذ ہیں۔اس آغاز کے بعد یہ سلسلہ مصر میں سیلاب

کی طرح پھیل گیا، اور جگہ جگہ راہبوں اور راہبات کیلئے خانقاہیں قائم ہوگئیں، جن میں سے بعض میں تین تین ہزار راہب بیک وقت رہتے تھے۔ 325ء میں مصر ہی کے اندر ایک اور مسیحی ولی پاخومیوس نمودار ہوا جس نے دس (10) بڑی خانقاہیں راہبین وراہبات کیلئے بنائیں۔ اس کے بعد یہ سلسلہ شام وفلسطین اور افریقہ ویورپ کے مختلف ملکوں میں پھیلتا چلا گیا۔ کلیسائی نظام کو اول اول اس رہبانیت کے معاملہ میں سخت الجھن سے سابقہ پیش آیا، کیونکہ وہ ترک دنیا اور تجرد اور غریبی ومفلسی کو روحانی زندگی کا آئیڈیل تو سمجھتا تھا، مگر راہبوں کی طرح شادی بیاہ اور اولاد پیدا کرنے اور ملکیت رکھنے کو گناہ بھی نہ ٹھہرا سکتا تھا۔ بالآخر سینٹ اتھاناسیوس متوفی 373ء، (سینٹ باسل متوفی 379ء) (سینٹ آگسٹائن متوفی 430ء) اور (گریگوری اعظم متوفی 609ء) جیسے لوگوں کے اثر سے رہبانیت کے بہت سے قواعد چرچ کے نظام میں باقاعدہ داخل ہوگئے اس راہبانہ بدعت کی چند خصوصیات اختصاراً عرض ہیں۔

1 سخت ریاضتوں اور نت نئے طریقوں سے اپنے جسم کو اذیتیں دینا، اس معاملے میں ہر راہب دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا تھا۔ عیسائی اولیاء کے تذکروں میں ان لوگوں کے جو کمالات بیان کئے گئے ہیں وہ کچھ اس قسم ہیں۔

اسکندریہ کا سینٹ مکاریوس ہر وقت اپنے جسم پر اسی (80) پونڈ کا بوجھ اٹھائے رکھتا تھا۔ چھ (6) مہینے تک وہ ایک دلدل میں سوتا رہا اور زہریلی مکھیاں اس کے برہنہ جسم کو کاٹتی رہیں۔ اس کے مرید سینٹ یوسیبیوس نے پیر سے بڑھ کر ریاضت کی۔ وہ ڈیڑھ صد (150) پونڈ کا بوجھ اٹھائے پھرتا تھا۔ اور تین (3) سال تک ایک خشک کنوئیں میں پڑا رہا۔ سینٹ سابیوس وہ صرف مکئی کھاتا تھا، جو مہینہ بھر پانی میں بھیگ کر بدبودار ہو جاتی تھی۔ سینٹ بیساریون چالیس (40) دن تک خاردار جھاڑیوں میں پڑا رہا اور چالیس (40) سال تک اس نے زمین کو پیٹھ نہیں لگائی۔ سینٹ پاخومیوس نے پندرہ (15) سال اور ایک روایت کے مطابق پچاس (50) سال زمین کو پیٹھ لگائے بغیر گزار دیئے۔ ایک ولی

سینٹ جان تین (3) سال تک عبادت میں کھڑا رہا۔ اس پوری مدت میں وہ کبھی بیٹھا نہ لیٹا۔ آرام کیلئے بس ایک چٹان کا سہارا لیتا تھا، اور اس کی غذا صرف وہ تبرک تھا، جو ہر اتوار کو اس کیلئے لایا جاتا تھا۔ سینٹ سیمیون اسٹائلائٹ (390ء 449ء) جو عیسائیوں کے اولیائے کبار میں شمار ہوتا ہے، ہر ایسٹر سے پہلے پورے چالیس (40) دن فاقہ کرتا تھا۔ ایک دفعہ وہ پورے ایک سال تک ایک ٹانگ پر کھڑا رہا، بسا اوقات وہ اپنی خانقاہ سے نکل کر ایک کنوئیں میں جا رہتا تھا۔ آخر کار اس نے شمالی شام کے قلعہ سیمان کے قریب ساٹھ (60) فٹ بلند ایک ستون بنوایا، جس کا بالائی حصہ صرف تین (3) فٹ کے گھیر میں تھا اور اوپر کٹہرا بنا دیا گیا تھا۔ اس ستون پر اس نے پورے تین (3) سال گزار دیئے۔ دھوپ، بارش، سردی، گرمی اس پر سے گزرتی رہتی تھی، اور وہ کبھی ستون سے نہ اترتا تھا۔ اس کے مرید سیڑھی لگا کر اس کو کھانا پہنچاتے اور اس کی گندگی صاف کرتے تھے۔ پھر اس نے ایک رسی لیکر اپنے آپ کو اس ستون سے باندھ لیا، یہاں تک کہ رسی اس کے گوشت میں پیوست ہوگئی، گوشت سڑ گیا اور اس میں کیڑے پڑ گئے۔ جب کوئی کیڑا اس کے پھوڑوں سے گر جاتا تو وہ اسے اٹھا کر پھر پھوڑے ہی میں رکھ لیتا اور کہتا ''کھا جو کچھ خدا نے تجھے دیا ہے'' مسیحی عوام دور دور سے اس کی زیارت کیلئے آتے تھے۔ جب وہ مرا تو مسیحی عوام کا فیصلہ یہ تھا کہ وہ عیسائی ولی کی بہترین مثال تھا۔

اس دور کے عیسائی اولیاء کی جو خوبیاں بیان کی گئی ہیں وہ ایسی ہی مثالوں سے بھری پڑی ہیں۔ کسی ولی کی تعریف یہ تھی کہ تیس (30) سال تک وہ بالکل خاموش رہا، اور کبھی اسے بولتے نہ دیکھا گیا۔ کسی نے اپنے آپ کو ایک چٹان سے باندھ رکھا تھا۔ کوئی جنگلوں میں مارا مارا پھرتا اور گھاس پھونس کھا کر گزارا کرتا۔ کوئی بھاری بوجھ ہر وقت اٹھائے پھرتا۔ کوئی طوق وسلاسل سے اپنے اعضاء جکڑے رکھتا۔ کچھ حضرات جانوروں کے بھٹوں، یا خشک کنوؤں، یا پرانی قبروں میں رہتے تھے اور کچھ دوسرے بزرگ ہر وقت ننگے رہتے تھے اور اپنی شرمگاہ اپنے لمبے لمبے بالوں سے چھپاتے تھے اور زمین پر رینگ کر چلتے تھے۔ ایسے

ہی ولیوں کی کرامات کے چرچے ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ اوران کے مرنے کے بعد ان کی ہڈیاں خانقاہوں میں محفوظ رکھی جاتی تھیں۔ میں نے خود کوہ سینا کے نیچے سینٹ کیتھرائن کی خانقاہ میں ایسی ہی ہڈیوں کی ایک پوری لائبریری سجی ہوئی دیکھی ہے، جس میں کہیں اولیاء کی کھوپڑیاں قرینے سے رکھی ہوئی تھیں۔ کہیں پاؤں کی ہڈیاں اور کہیں ہاتھوں کی ہڈیاں اور ایک ولی کا تو پورا ڈھانچہ ہی شیشے کی ایک الماری میں رکھا ہوا تھا۔

2 دوسری خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہر وقت گندے رہتے اور صفائی سے سخت پرہیز کرتے تھے۔ نہانا یا جسم کو پانی لگانا ان کے نزدیک خدا پرستی کے خلاف تھا۔ جسم کی صفائی کو وہ روح کی نجاست سمجھتے تھے۔ سینٹ اتھاناسیوس بڑی عقیدت کے ساتھ سینٹ اینتھنی کی یہ خوبی بیان کرتا ہے کہ اس نے مرتے دم تک کبھی اپنے پاؤں نہیں دھوئے، سینٹ ابراہام جب سے داخل مسیحیت ہوا، پورے پچاس (50) سال نہ اس نے منہ دھویا، نہ پاؤں۔ ایک مشہور راہبہ کنواری سلویا نے عمر بھر اپنی انگلیوں کے سوا جسم کے کسی حصے کو پانی نہیں لگنے دیا۔ ایک زنانہ دیر (Convent) کی ایک سوتیں (130) راہبات کی تعریف میں لکھا ہے کہ انہوں نے کبھی اپنے پاؤں نہیں دھوئے اور غسل کا نام سن کر ہی ان کے بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔

3 تیسری خصوصیت، اس رہبانیت نے ازدواجی زندگی کو عملاً بالکل حرام کر دیا اور نکاح کے رشتے کو کاٹ پھینکنے میں سخت بے دردی سے کام لیا۔ چوتھی اور پانچویں صدی کی تمام مذہبی تحریریں اس خیال سے بھری ہوئی ہیں کہ تجرد سب سے بڑی اخلاقی قدر ہے اور عفت کے معنی یہ ہیں کہ آدمی جنسی تعلق سے قطعی احتراز کرے، خواہ وہ میاں اور بیوی کا تعلق ہی کیوں نہ ہو۔ پاکیزہ روحانی زندگی کا کمال یہ سمجھا جاتا تھا کہ آدمی اپنے نفس کو بالکل مار دے اور اس میں جسمانی لذت کی کوئی خواہش تک باقی نہ چھوڑے۔ ان لوگوں کے نزدیک خواہش کو مارنا اس لیے ضروری تھا کہ اس سے حیوانیت کو تقویت پہنچتی ہے۔ ان کے نزدیک لذت اور گناہ ہم معنی تھے حتیٰ کہ مسرت بھی ان کی نگاہ میں خدا فراموشی کے مترادف

تھی۔ سینٹ باسل ہنسنے اور مسکرانے تک کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ انہی تصورات کی بناء پر عورت اور مرد کے درمیان شادی کا تعلق ان کے ہاں قطعی نجس قرار پا گیا تھا۔ راہب کے لئے ضروری تھا کہ وہ شادی کرنا تو درکنار، عورت کی شکل تک نہ دیکھے اور اگر شادی شدہ ہو تو بیوی کو چھوڑ کر نکل جائے۔ مردوں کی طرح عورتوں کے دل میں بھی یہ بات بٹھائی گئی تھی کہ وہ آسمانی بادشاہت میں داخل ہونا چاہتی ہیں تو ہمیشہ کنواری رہیں۔ اور شادی شدہ ہیں تو اپنے شوہروں سے الگ ہو جائیں۔ سینٹ جیروم جیسا ممتاز مسیحی عالم کہتا ہے کہ جو عورت مسیح کی خاطر راہب بن کر ساری عمر کنواری رہے وہ مسیح کی دلہن ہے اور اس عورت کی ماں کو خدا، یعنی مسیح کی ساس (Mother In Law Of God) ہونے کا شرف حاصل ہے۔

ایک اور مقام پر سینٹ جیروم کہتا ہے کہ عفت کی کلہاڑی سے ازدواجی تعلق کی لکڑی کو کاٹ پھینکنا سالک کا اولین کام ہے۔ ان تعلیمات کی وجہ سے مذہبی جذبہ طاری ہونے کے بعد ایک مسیحی مرد یا ایک مسیحی عورت پر اس کا پہلا اثر یہ ہوتا تھا کہ اس کی خوشگوار ازدواجی زندگی ہمیشہ کیلئے ختم ہو جاتی تھی اور چونکہ مسیحیت میں طلاق وتفریق کا راستہ بند تھا اس لیے نکاح کے رشتے میں رہتے ہوئے میاں اور بیوی ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے تھے۔ سینٹ نائلس (St. Nilus) دو بچوں کا باپ تھا جب اس پر رہبانیت کا دورہ پڑا تو اس کی بیوی روتی رہ گئی اور وہ اس سے الگ ہو گیا۔ سینٹ اموان (St. Ammon) نے شادی کی پہلی رات ہی اپنی دلہن کو ازدواجی تعلق کی نجاست پر وعظ سنایا اور دونوں نے بالاتفاق طے کر لیا کہ جیتے جی ایک دوسرے سے الگ رہیں گے۔ سینٹ ابراہام شادی کی پہلی رات ہی اپنی بیوی کو چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ یہی حرکت سینٹ ایلیکسس (St. Alexis) نے کی۔ اس طرح کے واقعات سے عیسائی اولیاء کے تذکرے بھرے پڑے ہیں۔

کلیسا کا نظام تین صدیوں تک اپنی حدود میں ان انتہا پسندانہ تصورات کی کسی نہ کسی طرح مزاحمت کرتا رہا۔ اُس زمانے میں ایک پادری کیلئے مجرد ہونا لازم نہ تھا۔ اگر اُس نے پادری کے منصب پر فائز ہونے سے پہلے شادی کر رکھی ہو تو وہ بیوی کے ساتھ رہ سکتا تھا،

البتہ تقرر کے بعد شادی کرنا اس کیلئے ممنوع تھا۔ نیز کسی ایسے شخص کو پادری مقرر نہیں کیا جاسکتا تھا جس نے کسی بیوہ یا مطلقہ سے شادی کی ہو، یا جس کی دو بیویاں ہوں یا جس کے گھر میں لونڈی ہو۔ رفتہ رفتہ چوتھی صدی میں یہ خیال پوری طرح زور پکڑ گیا کہ جو شخص کلیسا میں مذہبی خدمات انجام دیتا ہو اس کے لئے شادی شدہ ہونا بڑی گھناؤنی بات ہے۔ 362ء کی کنگرا کونسل (Council of gengra) کی آخری مجلس تھی جس میں اس طرح کے خیالات کو خلاف مذہب ٹھہرایا گیا۔ مگر اس کی تھوڑی ہی مدت بعد 386ء کی رومن سیناڈ (Synod) نے تمام پادریوں کو مشورہ دیا کہ وہ ازدواجی تعلقات سے کنارہ کش رہیں اور دوسرے سال پوپ سائریکیئس (Siricius) نے حکم دے دیا کہ جو پادری شادی کرے یا شادی شدہ ہونے کی صورت میں اپنی بیوی سے تعلق رکھے، اُس کو منصب سے معزول کر دیا جائے۔ سینٹ جیروم، سینٹ ایمبروز اور سینٹ آگسٹائن جیسے اکابر علماء نے بڑے زور شور سے اس فیصلے کی حمایت کی اور تھوڑی سی مزاحمت کے بعد مغربی کلیسا میں یہ پوری شدت کے ساتھ نافذ ہو گیا۔ اس دور میں متعدد کونسلیں ان شکایات پر غور کرنے کیلئے منعقد ہوئیں کہ جو لوگ پہلے سے شادی شدہ تھے وہ مذہبی خدمات پر مقرر ہونے کے بعد بھی اپنی بیویوں کے ساتھ ''ناجائز'' تعلقات رکھتے ہیں۔ آخر کار ان کی اصلاح کے لئے یہ قواعد بنائے گئے کہ وہ کھلے مقامات پر سوئیں۔ اپنی بیویوں سے کبھی علیحدگی میں نہ ملیں اور ان کی ملاقات کے وقت کم از کم دو آدمی موجود ہوں۔ سینٹ گریگوری ایک پادری کی تعریف میں لکھتا ہے کہ چالیس (40) سال تک وہ اپنی بیوی سے الگ رہا حتی کہ مرتے وقت جب اس کی بیوی اس کے قریب گئی تو اس نے کہا: اے عورت دور ہٹ جا۔

4 سب سے زیادہ دردناک باب اس رہبانیت کا یہ ہے کہ اس نے ماں باپ، بھائی، بہنوں اور اولاد تک سے آدمی کا رشتہ کاٹ دیا۔ مسیحی ولیوں کی نگاہ میں بیٹے کیلئے ماں باپ کی محبت، بھائی کیلئے بھائی بہنوں کی محبت اور باپ کیلئے اولاد کی محبت بھی ایک گناہ تھی۔ ان کے نزدیک روحانی ترقی کیلئے ناگزیر تھا کہ آدمی ان سارے تعلقات کو توڑ کر رکھ دے۔

مسیحی اولیاء کے تذکروں میں اس کے ایسے ایسے دل دوز واقعات ملتے ہیں، جنہیں پڑھ کر انسان کیلئے ضبط کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ایک راہب ایواگریس (Evagrius) سالہا سال سے صحراء میں ریاضتیں کر رہا تھا۔ایک روز یکا یک اس کے پاس اس کی ماں اور اس کے باپ کے خطوط پہنچے جو برسوں سے اس کی جدائی میں تڑپ رہے تھے۔اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں ان خطوں کو پڑھ کر اس کے دل میں انسانی محبت کے جذبات نہ جاگ اٹھیں۔اس نے ان کو کھولے بغیر فوراً آگ میں جھونک دیا۔سینٹ تھیوڈورس کی ماں اور بہن بہت سے پادریوں کے سفارشی خطوط لے کر اُس خانقاہ میں پہنچیں جس میں وہ مقیم تھا اور خواہش کی کہ وہ صرف ایک نظر بیٹے اور بھائی کو دیکھ لیں۔مگر اس نے ان کے سامنے آنے تک سے انکار کر دیا۔سینٹ مارکس (St. Marcus) کی ماں اس سے ملنے کے لئے اس کی خانقاہ میں گئی اور خانقاہ کے شیخ (Abbot) کی خوشامدیں کر کے اس کو راضی کیا کہ وہ بیٹے کو ماں کے سامنے آنے کا حکم دے مگر بیٹا کسی طرح ماں کے سامنے نہ آنا چاہتا تھا۔آخر کار اس نے شیخ کے حکم کی تعمیل اس طرح کی کہ بھیس بدل کر ماں کے سامنے گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔اس طرح نہ ماں نے بیٹے کو پہچانا نہ بیٹے نے ماں کی شکل دیکھی۔سینٹ پوئمن (St. Poemen) اور اس کے دو (2) بھائی مصر کی ایک صحرائی خانقاہ میں رہتے تھے۔برسوں بعد ان کی بوڑھی ماں کو ان کا پتہ معلوم ہوا اور وہ ان سے ملنے کیلئے وہاں پہنچی۔بیٹے ماں کو دور سے دیکھتے ہی بھاگ کر اپنے حجرے میں چلے گئے اور دروازہ بند کر لیا۔ماں باہر بیٹھ کر رونے لگی اور اس نے چیخ چیخ کر کہا: میں اس بڑھاپے میں اتنی دور سے چل کر صرف تمہیں دیکھنے آئی ہوں تمہارا کیا نقصان ہو گا اگر میں تمہاری شکلیں دیکھ لوں۔کیا میں تمہاری ماں نہیں ہوں؟ مگر ان ولیوں نے دروازہ نہ کھولا اور ماں سے کہہ دیا کہ ہم تجھ سے خدا کے ہاں ملیں گے۔اس سے بھی زیادہ دردناک قصہ سینٹ سیمیون اسٹائلائٹس (St. Simeon Stylites) کا ہے جو ماں باپ کو چھوڑ کر ستائیس (27) سال غائب رہا۔باپ اس کے غم میں مر گیا۔ماں زندہ تھی، بیٹے کی ولایت کے چرچے جب دور و نزدیک پھیل گئے تو اس کو پتہ چلا کہ وہ کہاں ہے بے چاری اس سے ملنے کیلئے اس کی خانقاہ پہنچی مگر وہاں کسی عورت کو داخلہ کی اجازت نہ تھی، اس نے لاکھ منت

ساجت کی کہ بیٹا یا تو اُسے اندر بلا لے یا باہر نکل کر اسے اپنی صورت دکھا دے مگر اس ولی اللہ نے صاف انکار کر دیا۔ تین رات اور تین دن وہ خانقاہ کے دروازے پر پڑی رہی اور آخر کار وہیں لیٹ کر اس نے جان دے دی تب ولی صاحب باہر نکل کر آئے۔ ماں کی لاش پر آنسو بہائے اور اس کی مغفرت کیلئے دعا کی۔ ایسی ہی بے دردی ان ولیوں نے بہنوں کے ساتھ اور اپنی اولاد کے ساتھ برتی۔ ایک شخص میوٹیس (Mutius) کا قصہ لکھا ہے کہ وہ خوشحال آدمی تھا۔ یکا یک اس پر مذہبی جذبہ طاری ہوا اور اپنے آٹھ (8) سال کے اکلوتے بیٹے کو لے کر ایک خانقاہ میں جا پہنچا۔ وہاں اس کی روحانی ترقی کے لئے ضروری تھا کہ وہ بیٹے کی محبت دل سے نکال دے۔ اس لیے پہلے تو اس کے بیٹے کو اس سے جدا کر دیا گیا۔ پھر اس کی آنکھوں کے سامنے ایک مدت تک طرح طرح کی سختیاں اس معصوم بچے پر کی جاتی رہیں اور وہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ پھر خانقاہ کے شیخ نے اسے حکم دیا کہ اسے لے جا کر اپنے ہاتھ سے دریا میں پھینک دے۔ جب اس حکم کی تعمیل کیلئے بھی تیار ہو گیا تو عین اس وقت راہبوں نے بچے کی جان بچائی، جب وہ اسے دریا میں پھینکنے لگا تھا۔ اس کے بعد تسلیم کر لیا گیا کہ وہ واقعی مرتبہ ولایت کو پہنچ گیا ہے۔

مسیحی رہبانیت کا نقطہ نظر ان معاملات میں یہ تھا کہ جو شخص خدا کی محبت چاہتا ہو، اسے انسانی محبت کی وہ ساری زنجیریں کاٹ دینی چاہئیں جو دنیا میں اس کو اپنے والدین، بھائی، بہنوں اور بال بچوں کے ساتھ باندھتی ہیں۔ سینٹ جیروم کہتا ہے کہ ''اگر چہ تیرا بھتیجا تیرے گلے میں بانہیں ڈال کر تجھ سے لپٹے، اگر چہ تیری ماں اپنے دودھ کا واسطہ دے کر تجھے روکے، اگر تیرا باپ تجھے روکنے کیلئے تیرے آگے لیٹ جائے پھر بھی تو سب کو چھوڑ کر، اور باپ کے جسم کو روند کر، ایک آنسو بہائے بغیر صلیب کے جھنڈے کی طرف دوڑ جا۔ اس معاملہ میں بے رحمی ہی تقویٰ ہے۔'' سینٹ گریگوری لکھتا ہے کہ ''ایک نوجوان راہب، ماں باپ کی محبت دل سے نہ نکال سکا، اور ایک رات چپکے سے بھاگ کر اُن سے مل آیا۔ خدا نے اس قصور کی سزا اسے یہ دی کہ خانقاہ واپس پہنچتے ہی مر گیا۔ اس کی لاش زمین میں دفن کی گئی تو

زمین نے اسے قبول نہ کیا۔ بار بار قبر میں ڈالا جاتا اور زمین اسے نکال کر پھینک دیتی۔ آخر کار سینٹ بینیڈکٹ (St. Benedict) نے اس کے سینے پر تبرک رکھا تب قبر نے اسے قبول کیا۔'' ایک راہبہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ مرنے کے بعد تین (3) دن عذاب میں اس لیے مبتلا رہی کہ وہ اپنی ماں کی محبت دل سے نہ نکال سکی تھی۔ ایک ولی کی تعریف میں لکھا ہے کہ اس نے کبھی اپنے رشتہ داروں کے سوا کسی کے ساتھ بے دردی نہیں برتی۔

5 اپنے قریب ترین رشتہ داروں کے ساتھ بے رحمی، سنگدلی اور قساوت برتنے کی جو مشق یہ لوگ کرتے تھے اس کی وجہ سے ان کے انسانی جذبات مرجاتے تھے اور اسی کا نتیجہ تھا کہ جن لوگوں سے انہیں مذہبی اختلاف ہوتا تھا ان کے مقابلے میں یہ ظلم وستم کی انتہا کر دیتے تھے۔ چوتھی صدی تک پہنچتے پہنچتے مسیحیت میں اسی (80) نوے (90) فرقے پیدا ہو چکے تھے۔ سینٹ آگسٹائن نے اپنے زمانے میں (88) فرقے گنائے ہیں۔ یہ فرقے ایک دوسرے کے خلاف سخت نفرت رکھتے تھے۔ اس نفرت کی آگ کو بھڑکانے والے بھی راہب ہی تھے اور اس آگ میں مخالف گروہوں کو جلا کر خاک کر دینے کی کوششوں میں بھی راہب ہی پیش پیش تھے۔ اسکندریہ میں اس فرقہ کے بشپ نے اتھاناسیوس کی پارٹی پر حملہ کیا اس کی خانقاہوں سے کنواری راہبات پکڑ پکڑ کر نکالی گئیں، ان کو ننگا کر کے خاردار شاخوں سے پیٹا گیا اور ان کے جسم پر داغ لگائے گئے تاکہ وہ اپنے عقیدے سے توبہ کریں پھر جب مصر میں کیتھولک گروہ کو غلبہ حاصل ہوا تو اس نے ایرین فرقے کے خلاف یہی سب کچھ کیا حتیٰ کہ غالب خیال یہ ہے کہ خود ایریس (Arius) کو بھی زہر دے کر مار دیا گیا۔ اس اسکندریہ میں ایک مرتبہ سینٹ سائرل (St. Cyril) کے مرید راہبوں نے ہنگامہ عظیم برپا کیا، یہاں تک کہ مخالف فرقے کی ایک راہبہ کو پکڑ کر اپنے کلیسا میں لے گئے، اسے قتل کیا، اس کی لاش کی بوٹی بوٹی نوچ ڈالی اور پھر اسے آگ میں جھونک دیا۔ روم کا حال بھی اس سے کچھ مختلف نہ تھا۔ 366ء میں پوپ لیبر یس (Liberius) کی وفات پر دو گروہوں نے پاپائی کیلئے اپنے اپنے امیدوار کھڑے کئے۔

دونوں کے درمیان سخت خونریزی ہوئی۔ حتی کہ ایک دن میں صرف ایک چرچ سے ایک سوسینتیس (137) لاشیں نکالی گئیں۔

6 اس ترک و تجرد اور فقر و درویشی کے ساتھ دولت دنیا سمیٹنے میں بھی کمی نہ کی گئی۔ پانچویں صدی کے آغاز ہی میں حالت یہ ہو چکی تھی کہ روم کا بشپ بادشاہوں کی طرح اپنے محل میں رہتا تھا اور اس کی سواری جب شہر میں نکلتی تھی تو اس کے ٹھاٹھ باٹھ قیصر کی سواری سے کم نہ ہوتے تھے۔ سینٹ جیروم اپنے زمانے (چوتھی صدی کے آخری دور) میں شکایت کرتا ہے کہ بہت سے بشپوں کی دعوتیں اپنی شان میں گورنروں کی دعوتوں کو شرماتی ہیں۔ خانقاہوں اور کلیساؤں کی طرف دولت کا یہ بہاؤ ساتویں صدی (نزول قرآن کے زمانے) تک پہنچتے پہنچتے سیلاب کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ یہ بات عوام کے ذہن نشین کرادی گئی تھی کہ جس کسی سے کوئی گناہ عظیم سرزد ہو جائے۔ اس کی بخشش کسی نہ کسی ولی کی درگاہ پر نذرانہ چڑھانے یا کسی خانقاہ یا چرچ کو بھینٹ دینے ہی سے ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد وہی دنیا راہبوں کے قدموں میں آرہی جس سے فرار ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ خاص طور پر جو چیز اس تنزل کی موجب ہوئی وہ یہ تھی کہ راہبوں کی غیر معمولی ریاضتیں اور ان کے نفس کے کمالات دیکھ کر جب عوام میں ان کیلئے بے پناہ عقیدت پیدا ہوگئی تو بہت سے دنیا پرست لوگ لباس درویشی پہن کر راہبوں کے گروہ میں داخل ہو گئے اور انہوں نے ترک دنیا کے بھیس میں جلبِ دنیا کا کاروبار ایسا چمکایا کہ بڑے بڑے طالبین دنیا ان سے مات کھا گئے۔

7 عفت کے معاملہ میں بھی فطرت سے لڑ کر رہبانیت نے بارہا شکست کھائی اور جب شکست کھائی تو بُری طرح کھائی۔ خانقاہوں میں نفس کشی کی کچھ مشقیں ایسی بھی تھیں، جن میں راہب اور راہبات مل کر ایک ہی بستر پر رات گزارتے تھے۔ مشہور راہب سینٹ ایو اگریس (St. Evagrius) بڑی تعریف کے ساتھ فلسطین کے ان راہبوں کے ضبط نفس کا ذکر کرتا ہے جو

''اپنے جذبات پر اتنا قابو پاگئے تھے کہ عورتوں کے ساتھ یک جا غسل کرتے تھے اور ان کی دید سے، ان کے لمس سے حتی کہ ان کے ساتھ ہم آغوشی سے بھی ان کے اوپر

فطرت غلبہ نہ پاتی تھی۔"

غسل اگر چہ رہبانیت میں سخت ناپسندیدہ تھا مگر نفس کشی کی مشق کیلئے اس طرح کے غسل بھی کر لیے جاتے تھے۔آخر کار اسی فلسطین کے متعلق نیسا (Nyssa) کا سینٹ گریگوری متوفی 396ء لکھتا ہے کہ وہ بدکاری کا اڈہ بن گیا ہے۔انسانی فطرت کبھی ان لوگوں سے انتقام لیے بغیر نہیں رہتی جو اس سے جنگ کریں رہبانیت لڑکر بالآخر بداخلاقی کے جس گڑھے میں جا گری اس کی داستان آٹھویں صدی سے گیارھویں صدی عیسوی تک کی مذہبی تاریخ کا بدنما ترین داغ ہے۔دسویں صدی کا ایک اطالوی بشپ لکھتا ہے:

"اگر چرچ میں مذہبی خدمات انجام دینے والوں کے خلاف بدچلنی کی سزائیں نافذ کرنے کا قانون عملاً جاری کر دیا جائے تو لڑکوں کے سوا کوئی سزا سے نہ بچ سکے گا۔اور اگر حرامی بچوں کو بھی مذہبی خدمات سے الگ کر دینے کا قاعدہ نافذ کیا جائے تو شاید چرچ کے خادموں میں کوئی لڑکا تک باقی نہ رہے۔قرون متوسط کے مصنفین کی کتابیں ان شکائتوں سے بھری ہوئی ہیں کہ راہبات کی خانقاہیں بداخلاقی کے چکلے بن گئی تھیں۔ان کی چار دیواریوں میں نوزائیدہ بچوں کا قتل عام ہو رہا تھا،پادریوں اور چرچ کے مذہبی کارکنوں میں محرمات تک سے ناجائز تعلقات اور خانقاہوں میں خلاف وضع فطری جرائم تک پھیل چکے تھے اور کلیساؤں میں اعتراف گناہ (Confession) کی رسم،بدکاری کا ذریعہ بن کر رہ گئی ہے۔ (تفہیم القرآن جلد 5،سورۃ الحدید،حاشیہ،54)

اُمت مسلمہ اور عیسائیت

گذشتہ صفحات سے عیسائی رہبانیت کی تصویر واضح ہو کر سامنے آ گئی،لیکن اسلام نے ایسی رہبانیت اور سیاحت و درویشی سے اُمت مسلمہ کو بچایا۔ورنہ تجرد کی زندگی سے یہی گندگی پیدا ہوتی جو تصویر عیسائیت میں جھلک رہی ہے۔اسلام نے انسانیت پر احسان عظیم کیا کہ خاندانی خوبصورت زندگی سے نوازا اور ہر رشتہ کا اپنے اپنے مقام پر لحاظ رکھا،احترام ،شفقت و محبت دی۔ بیوی کا مقام،بچوں کا پیار،بہن بھائیوں سے ہمدردی،والدین کی خدمت و اطاعت،پورے معاشرے کا سکون ورنہ رہبانیت میں درندگی کے سوا کیا ہے؟

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی
سماتی کہاں اس فقیری میں امیری
خصومت تھی سلطانی وراہبی میں
کہ وہ سر بلندی ہے، یہ سربزیری
سیاست نے مذہب سے پیچھا چھڑایا
چلی کچھ نہ پیر کلیسا کی پیری
دوئی ملک ودیں کیلئے نامرادی
دوئی چشم تہذیب کی نابصیری
یہ اعجاز ہے ایک صحرانشیں کا
بشیری ہے آئینہ دار نذیری
اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
کہ ہوں ایک جنیدی و اردشیری

تشریح:

واضح ہو پوپوں، پادریوں، عیسائی مذہبی پیشواؤں نے مذہب کی بنیاد رہبانیت پر رکھی تھی۔ پیرکلیسا سے مراد، پوپ یا پاپائے روم ہے۔ جو رومن کیتھولک فرقہ کا مذہبی پیشوااور ان کے عقیدہ کے مطابق، یسوع مسیح کا سچا جانشین تھا جو دوسروں کے گناہ معاف کرسکتا تھا۔ خود گناہ سے محفوظ تھا۔ لفظ ''دوئی'' سے ثنویتِ مانی مراد ہے۔ تیسری صدی عیسوی میں ایران میں ایک شخص پیدا ہوا، جس کا نام مانی تھا۔ اس نے مسیحیت اور بعض قدیم مذاہب کو ملا کر ایک نیا مذہب جاری کیا۔ اس کی بنیادی تعلیم یہ تھی کہ کائنات میں دو متضاد طاقتیں کارفرما ہیں۔ خیر وشر یا نور وظلمت۔ چونکہ مانی نے بھی مسیحیت کی طرح، ترک دنیا زہد اور تجرد کی تعلیم دی تھی۔ اس لیے ایران، عراق، شام، فلسطین اور ایشیائے کوچک کے بہت سے عیسائی اس کے پیرو ہوگئے اور ان کی وساطت سے ''دوئی'' کا یہ عقیدہ کلیسا کے بنیادی عقائد

میں داخل ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ میں زندگی کے ہر شعبہ میں تفریق پیدا ہوگئی۔ مثلاً، روح جدا ہے اور مادہ جدا۔ دین جدا ہے اور دنیا جدا۔ مذہب جدا ہے اور سیاست جدا۔ انتہا یہ کہ آدمیوں کے بھی دو (2) طبقے ہو گئے۔

1 دنیادار (The Laity)

2 دیندار (The Clergy)

یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ صحرانشین سے مراد سرکار دو عالم ﷺ ہیں۔ بشیری سے مراد دین اور نذیری سے مراد سیاست۔ یعنی آپ ﷺ دین اور سیاست دونوں کے جامع ہیں۔ کیتھولک کے سخت مذہب کے خلاف مارٹن لوتھر نے صدائے احتجاج بلند کی۔ چنانچہ پروٹسٹنٹ کلیسا کے پادری شادی کر سکتے ہیں۔ پندرھویں صدی میں میکیاولی (Machiavalli) نے سیاست کو مذہب کی گرفت سے آزاد کر دیا۔ میکیاولی (1429ء تا 1527ء) مشہور اطالوی سیاستدان تھا۔ اس نے ''کتاب الملوک'' لکھ کر یورپ میں وطن کو بنی آدم کا معبود بنا دیا۔ حضور ﷺ تشریف لائے تو دین اور سیاست کی تفریق کو ختم کر دیا۔ اسلام دین اور حکومت دونوں کا جامع ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ بشیر بھی ہیں۔ نذیر بھی۔ یعنی رسول ﷺ بھی اور صاحب حکومت بھی۔

تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم۔ (ابوداؤد، نسائی)

آپ ﷺ نے فرمایا: بچوں کو جنم دینے والی، شوہر سے دوستی کرنے والی عورت سے شادی کرو، کیونکہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دیگر امتوں پر غالب آؤں گا۔

ملا علی القاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ای مفاخر بسببکم سائر الامم لکثرۃ اتباعی (مرقاۃ، 6)

''یعنی میں اپنے پیروکاروں کی کثرت کے سبب، ساری امتوں پر فخر کروں گا۔''

اس حدیث سے حضور ﷺ کی یہ تمنا جھلک رہی ہے کہ میری امت تعداد کے لحاظ سے سب امتوں سے آگے نکل جائے۔ مگر جو لوگ امت کے ٹکڑے کرتے ہیں۔ نفرتیں پھیلاتے ہیں اور صرف اپنی ٹولی یا گروہ کو جنتی سمجھتے ہیں۔ وہ تمنائے پیغمبر ﷺ کے

خلاف، کثرت اُمت کی بجائے قلت امت کے جرم کے مرتکب ہیں۔ ان کی سوچیں محدود، ان میں رفعت امت مفقود۔ ان کی امیدیں قلیل، ان کے مقاصد رذیل۔ ایسے کم ظرف فرقہ بازوں نے اللہ کی جنت کو اپنی مسجد یا مدرسے یا خانقاہ جتنا سمجھا ہے، حالانکہ قرآن کہتا ہے،

وَسَارِعُوٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ (آل عمران، 133)

''دوڑ کر چلو اُس راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش اور اس کی جنت کی طرف جاتی ہے۔ جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے۔''

برسبیل تذکرہ

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

محترم عبداللہ دانش کا مضمون ''احساس زیاں جاتا رہا'' اپنی غرض و غایت کے اعتبار سے ایک درد مند دل کی پکار اور اصلاحی کاوش کا آئینہ دار ہے۔ قرآن فہمی، نزول قرآن کا بنیادی تقاضا ہے، سید الانبیاء و خاتم المرسلین محمد ﷺ کا اسوہ حسنہ کتاب اللہ کی چلتی پھرتی اور دلنشین و ایمان آفرین تفسیر ہے، جو خوش نصیب اس نورِ ہدایت سے مستفیض ہوئے ان کی جگمگاتی اور نور برساتی زندگیاں بالفاظ قرآن ''سبیل المومنین'' قرار پائیں۔ انہی نجومِ ہدایت کی پیروی بزبان رسالت مآب ﷺ کامیابی کا یقینی ذریعہ ہے۔ بالفاظ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اتباع نبوی ﷺ کا ایمان افروز مرقع ہیں۔ قرآن اور قرآنی تعلیمات کی تعمیل ان کے کردار کی روح رواں ہے اور یہی وہ جوہرِ کردار ہے جس کی بدولت وہ زمانے میں ممتاز مسیحا قرار پائے۔ دوسری طرف اسی جوہرِ کردار سے محرومی کے باعث ہم جہاں بھر میں ذلت و مسکنت کا مصداق و مورد بنے ہوئے ہیں۔ گویا

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

''لسان القرآن'' (عربی زبان) سے عامۃ المسلمین کی بیگانگی ہی درحقیقت کم سواد و پیشہ ور واعظین وخطباء کے لیے ''ہر روز روز عید اور ہر شب شب برات'' کا موجب ہے۔

قرآن کی تلاوت بلاشبہ کارِ خیر، باعث برکت و سعادت اور قرب الٰہی کا وسیلۂ جلیلہ ہے، خواہ تلاوت کنندہ اس کے مافی الضمیر اور بین السطور سے کما حقہ واقف ہو یا نہ ہو۔ فرمان رسالت مآب ﷺ کی روشنی میں ہم یہ جانتے ہیں کہ ''الٓمٓ'' نہ صرف یہ کہ ایک حرف نہیں ہے بلکہ اس کے ہر جزو ترکیبی (الف، لام، میم) کے پڑھنے پر الگ الگ نیکیاں ملتی ہیں، دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا عالم بھی الٓمٓ یا دیگر حروف

مقطعات کے رموز و مفاہیم سے حتمی واقفیت کا نہ تو دعویٰ کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کی تلاوت کارِثواب ہونے سے انکار کر سکتا ہے، تاہم مطالبِ قرآن سے عمر بھر نا واقف ہی رہنا، خودروح قرآن کے سراسر منافی ہونے کی بناء پر معراج فکر ونظر سے مستقل محرومی کا باعث، اغوائے شیطانی کا ذریعہ اور عنداللہ مواخذے کا موجب ہے۔ قرآن فہمی اور اس کی تعمیل دنیا وعقبیٰ میں سرفرازی وسرخروئی کا بنیادی تقاضا ہے۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

قرآن مجید اللہ کی طرف سے اس کی مخلوق کے لیے نازل ہونے والا آخری پیغام ہے جو بتمام وکمال، فلاح و بہبود کا ضامن ومظہر ہے، اس کی آیات بار بار ہمیں مطالعہ ومشاہدہ انفس وآفاق کی دعوت دیتی اور عمل پیرا ہونے پر ابھارتی ہیں، ہمارا فرض ہے کہ اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے جادۂ کامرانی پر گامزن ہوں تاکہ دنیا وآخرت دونوں جہانوں میں اعزاز واکرام ہمارا مقدر ہو کہ یہی ربنا اتنا فی الدنیا حسنه وفی الاخرة حسنه وقنا عذاب النار کا مدعا ومفہوم ہے۔ وما توفیقی الا باللہ

مراد ما نصیحت بود وگفتیم
حوالت با خدا کردیم ورفتیم

داعی الی الخیر

محمد بشیر متین

استاد شعبۂ تاریخ، گورنمنٹ اسلامیہ کالج

سول لائنز، لاہور

احساسِ زیاں جاتا رہا

مسلم ممالک ہوں یا غیر مسلم ممالک، معاملہ مسلم سیاستدانوں کا ہو یا علمائے دین کا، ہر جگہ اور ہر طبقہ میں آپ کو دو قسم کے افراد سے واسطہ پڑے گا، ایک اہل اللہ اور ایک اہل الدنیا۔ علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

انما اخشی علیکم اثنین: طول الامل واتباع الھوی، فان طول الامل ینسی الآخرة واتباع الھوی یصدُّعنِ الحق، وان الدنیا قدارِ تحلت مدبرة والآخرة مقبلة ولکل واحدة منھما بنون فکونوامن ابناء الآخرة ولا تکونوامن ابناء الدنیا فان الیوم عمل ولا حساب وان غدا حساب ولا عمل: یعنی اکثروامن العمل فی ھذا الیوم فانکم لاتقدرون غداعلی العمل (تنبیہ الغافلین)

''میں تمہارے بارے میں دو (2) چیزوں سے ڈرتا ہوں۔

1. لمبی امیدیں
2. خواہش نفس کی پیروی

لمبی امیدیں آدمی کو آخرت بھلا دیتی ہیں اور نفس کی پیروی اسے حق سے باز رکھتی ہے، خبردار! دنیا نے اپنا سفر شروع کر دیا ہے اور وہ پیٹھ پھیر کر جا رہی ہے، اسی طرح آخرت نے اپنے سفر کا آغاز کر دیا اور وہ سامنے آ رہی ہے، دنیا و آخرت دونوں کے بیٹے ہوتے ہیں، لہٰذا تم دنیا کے بیٹے بن کر نہ رہ جانا بلکہ آخرت کے سپوت بننا کیونکہ آج عمل کی مہلت میسر ہے اور آج حساب نہیں لیا جا رہا ہے اور کل قیامت کو حساب لیا جائے گا اور مہلت عمل ختم ہو جائے گی۔''

اسی فرمان مرتضوی رضی اللہ عنہ کی روشنی میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اس وقت دنیا میں کتنے مسلم حکمران دنیا کے بیٹے ہیں اور کتنے آخرت کے بیٹے ہیں؟ کتنے ہیں جن کی راتیں شراب و شباب میں گزرتی ہیں؟ کتنے ہیں جن کی راتیں درگاہِ ربانی میں نمناک گزرتی ہیں؟ کون سے علماء فرمان الٰہی ''اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا'' کے

مطابق خوفِ خدا سے معمور زندگی گزارتے ہیں اور کتنے مذہبی رہنما ابنائے دنیا ہیں؟

کسی نے سید مودودی رحمہ اللہ سے پوچھا: وکالت کا پیشہ حلال ہے یا حرام؟ فرمایا کہ ”یہ نیت پر منحصر ہے۔ اگر نیت درست ہو تو وکیل حلال کھا سکتا ہے۔ جبکہ ظالم کی بجائے مظلوم کا کیس لے اور قاتل کے بجائے مقتول کا کیس لے وغیرہ۔ اسی طرح ایک عالم اگر نیت کی بنیاد پر حرام کھانا چاہے تو محراب و منبر پر بیٹھ کر حرام کھا سکتا ہے۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

سَيَكُونُ فِي آخِرِ أُمَّتِي نَاسٌ يُحَدِّثُونَكُمْ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاءُكُمْ فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ۔ (رواہ مسلم)

”میری امت کے آخری دور میں کچھ لوگ ایسی حدیثیں تمہیں سنائیں گے جو (اے صحابہ رضی اللہ عنہم!) نہ تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے آباؤ اجداد نے، لہٰذا ایسے (مبلغوں) سے بچ کر رہنا۔“

علامہ اقبال رحمہ اللہ مسلمانوں کو اسی امر سے خبردار کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

زمن بر صوفی و ملا سلامے
کہ پیغامِ خدا گفتند مارا
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت
خدا و جبریل و مصطفیٰ را

(ارمغان حجاز)

”میری طرف سے ہر اس صوفی اور ملا کو دور سے ہی سلام جو ہمیں پیغام خدا سناتے رہتے ہیں، لیکن حکم خدا کی ایسی تاویلیں پیش کرتے ہیں کہ جس سے خدا، جبرئیل علیہ السلام اور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حیرت زدہ ہیں یعنی جو تاویل صوفی و ملا نے گھڑ لی ہے، اس پر اللہ دیکھ رہا ہے کہ اس مفہوم میں، میں نے قرآن نہ اتارا تھا، جبرئیل حیران ہیں کہ اس

مطلب کے ساتھ میں یہ وحی لے کر نہ آیا تھا۔ محمد ﷺ حیران ہیں کہ اس (sense) معنی میں یہ مجھ پر نازل نہ ہوا تھا۔

بصد افسوس یہ کہنا پڑتا ہے کہ مسلم حکمرانوں اور نام نہاد علماء کو بہت کم توفیق نصیب ہوئی کہ حکیم الامت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو پڑھ لیتے۔ حکمرانوں کی مجبوری عموماً یہ رہی کہ قومی زبان اردو اور فارسی سے ناآشنا ہوتے ہیں، ذہن فرنگیانہ آج تک انگریزی زبان کا دلدادہ ہے۔ بقول نعیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

اغیار لکیریں کھینچ گئے ہم لوگ فقیری کرتے ہیں
معشوق جو ہم سے روٹھ گیا تصویر پہ اس کی مرتے ہیں
ہم کہنہ مشق بھکاری ہیں مشکل ہے کہ عادت چھوٹ سکے

اقبال رحمۃ اللہ علیہ ارمغان میں لکھتے ہیں۔

پسر را گفت پیرے خرقہ بازے
ترا ایں نکتہ باید حرزِ جاں کرد
بہ نمرودانِ ایں دور آشنا باش
ز فیضِ شاں براہیمی تواں کرد

(کلیاتِ اقبال فارسی، ص 957)

بڑے پیر صاحب نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ اپنے دور کے نمرودوں اور جابر حکمرانوں سے تعلقات بہتر بنائے رکھنا اور دوسری طرف شانِ ابراہیم علیہ السلام کی گدی پر بیٹھ کر مزے لوٹتے رہنا۔

انگریزی زبان ضرور سیکھئے مگر اپنی زبان نہ بھولیے۔ غیروں کی زبان سیکھنے کی اسلام ممانعت نہیں کرتا۔ ضرورت کے مطابق زبان سیکھی جائے۔ تاریخ عالم کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ عموماً غالب اور فاتح اقوام کی زبان، کلچر، تہذیب و تمدن کو ہی مغلوب و مفتوح قومیں اپنا لیتی ہیں، جیسا کہ ہندوستان میں برطانوی تسلط سے پہلے فارسی زبان کا بول بالا تھا لیکن انگریز حکومت نے بیک جنبش قلم تمام

ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقوں کو جاہل بنا کے رکھ دیا کہ فارسی کے بجائے انگریزی زبان سرکاری زبان ہوگئی، اسی محکومی و غلامی کا نتیجہ ہے کہ مسلمانانِ پاک و ہند انگریز راج کے خاتمے کے باوجود اسی زبان کے دلدادہ اور اسی تہذیب کے ذہنی غلام ہیں۔

آج بھی دنیا کی سپر پاور امریکہ کی زبان اور تہذیب کو مرعوب اقوام للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتی ہیں، اگرچہ زندہ قومیں اس زبان کے بجائے اپنی زبان پر نازاں ہیں، جاپان، چین، جرمنی، فرانس وغیرہ اس کی واضح مثالیں ہیں، خیر بات دور نکلتی جا رہی ہے، مسلمانوں کی اپنی مذہبی زبان دنیا کے ہر خطے میں عربی ہے، پھر ان کی اپنی قومی زبانیں ہیں، دیکھنا یہ ہے کہ مذہب اسلام کی ترقی کس طرح ممکن ہے؟ یہاں امریکہ میں اپنی اولاد کو انگلش سے نہیں بچایا جا سکتا، یہ تو خواہ مخواہ سیکھیں گے اور بولیں گے، چاہے آپ روکتے رہیں، لیکن اس تمدنی ضرورت کے ساتھ ساتھ اپنی مذہبی زبان ضرور سکھائیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ مسلم بچے شیکسپیئر تو بننے سے رہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم ''کوا چلا ہنس کی چال اور اپنی بھی چال بھول گیا'' کا مصداق ہو جائیں۔

حال ہی میں، میں نے سمر کلاس کو قرآن و حدیث پڑھانے کی کوشش کی تو تجربہ یہ رہا کہ اردو لکھنے والے بچے اچھا یاد کرتے ہیں، اور جنہیں اردو لکھنا نہیں آتی انہیں انگلش میں لکھوانے اور سمجھانے پر نسبتاً زیادہ وقت صرف ہوا۔ پھر بھی ان کے لیے بہت دشوار گزرا۔ مثلاً الحمد کا معنی اردو دان بچہ کئی لحاظ سے پہلے ہی جانتا ہے کہ اردو میں حمد، حامد، حمید، محمود، محمد وغیرہ نام معلوم ہیں، اسی حمد کو انگریزی میں Praise کے معنی میں یاد کرنا مشکل ہے، کیونکہ بظاہر اس لفظ اور معنی میں کوئی مماثلت نہیں ہے، پھر ان بچوں کو جتنا کچھ بورڈ پر روزانہ لکھ کر دیا، عربی الفاظ کی طرف توجہ نہیں صرف انگلش پر توجہ دیتے رہے بلکہ بعض دفعہ بچے گھبرا کر پوچھتے کہ قرآن کے عربی الفاظ یاد کرنا ضروری ہیں؟ جبکہ قرآن کے انگلش ترجمے ہیں، ہم انہی سے سمجھ لیں گے۔ بلکہ کئی بچے کہتے ہیں کہ ہمارے والدین کہتے ہیں کہ ترجمہ قرآن رہنے دیں ہمیں صرف ناظرہ قرآن پڑھنا ہے۔ میں نے پوچھا: ناظرہ پہلے کتنی بار پڑھا ہے دو (2) بار یا تین (3) بار۔ حیرت ہوئی

کہ الفاظِ قرآن طوطے کی طرح بار بار دہرانے کا اصرار ہے۔ اس کتابِ انقلاب کو سمجھنے سے کیسی بے خبری ہے؟ حالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۔

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

اب اگر قرآن نسخۂ کیمیا ہے تو ہم نے اس نسخہ کا کیا حشر کر کے رکھ دیا ہے۔

کوئی مریض کسی ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے تو ڈاکٹر تشخیص کے بعد مریض کو نسخہ (prescription) لکھ دیتا ہے، اب آپ اس بیمار کو کیا کہیں گے جو گھر آ کر ڈاکٹر کے نسخے کی صبح و شام جھوم جھوم کر تلاوت کرتا رہے، کیا ایسا کرنے سے مریض کا مرض جاتا رہے گا؟ کیا اسے شفا ہوگی؟ ہرگز نہیں۔ بالکل اسی طرح کائنات کے طبیب اعظم نے ہمیں یہ نسخہ قرآن کی شکل میں بھیجا ہے تو یہ نسخہ جب تک سمجھ کر اسے استعمال نہ کیا جائے روحانی و جسمانی صحت کیسے نصیب ہوگی! پاکستان میں ایک امام مسجد و حافظ قرآن نماز پڑھا کے دعا کرواتے تو عموماً یہ آیت بھی پڑھتے

"رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ" (سورۃ البقرۃ:126)

"اے ہمارے رب، ان میں سے ایک رسول بھیج۔"

بہت ترنم سے اور سرور سے یہ دعا پڑھتے اور نمازی ہاتھ اٹھائے آمین آمین کہہ رہے ہوتے، نہ امام کو خبر کہ اس دعا کا مفہوم کیا ہے، نہ آمین آمین کہنے والے مقتدیوں کو کوئی پتہ۔

اگر خدانخواستہ وہاں مرزا غلام احمد قادیانی ہوتا تو بہت خوش ہوتا کہ یہ حافظ صاحب میرے رسول بنانے کی اللہ سے دعا کرتا ہے اور مقتدی بھی آمین کہتے ہیں کیونکہ اس دعا کا مفہوم ہی یہ ہے "اے ہمارے رب! ان میں سے ایک رسول بھیج" حالانکہ یہ دعا جنابِ ابراہیم علیہ السلام نے خاتم المرسلین کی بعثت کے لیے کی تھی۔ اس طرح کے بیسیوں لطیفے موجود ہیں، صرف قرآن کے معانی سے بے خبری کی بنیاد پر ایسے اماموں اور ایسے مقتدیوں کا کیا حشر ہوا کہ امت انتشار کا شکار ہوئی اور باطل ہر سو غالب

ہوا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ قرآن کے لفظوں کی پہچان بھی ہو اور مفہوم کا علم بھی ہو۔ لفظ اور معنی دونوں ضروری ہیں۔

اگر انگلش ترجموں پر انحصار کر لیا گیا اور عربی الفاظ کی پرواہ نہ کی گئی تو پھر بھی آدمی اندھا رہے گا۔ کوئی پتہ نہیں کس لفظ کا کیا ترجمہ ہے اور کوئی مترجم جیسا ترجمہ کرے گا اسی لکیر کا فقیر ہونا پڑے گا۔ ایسا شخص نہیں جانچ سکتا کہ مترجم نے کہیں کوئی گڑ بڑ تو نہیں کی۔ دوسری طرف صرف ناظرہ پڑھ کر مطمئن ہو جانا بھی خطرے سے خالی نہیں۔ پھر مذکورہ حافظ کی طرح آدمی بے ہنگم آیات پڑھ کر ''کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا'' قرآن کو تماشا گاہ بنا تا رہے گا۔ مسلمان اگر اس کتابِ زندہ کو سمجھ کر پڑھنا شروع کر دیں تو ان دونوں طبقوں کی غلط راہنمائی سے بچ سکتے ہیں جن کے بارے میں رسول اقدس ﷺ کا فرمان ہے: صِنْفَانِ إِذَا صَلُحَا صَلُحَتِ الأُمَّةُ وإذا فسدا فسدت الامة العلماء والسلاطين۔ دو گروہ ہیں کہ اگر وہ درست ہوں تو امت درست ہے اور اگر وہ بگڑ جائیں تو امت بگڑ جاتی ہے، ایک گروہ حکمران اور دوسرا گروہ علماء۔''

اس خیال نبوی ﷺ کو عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ (ایک جلیل القدر محدث) نے یہ شعری جامہ پہنایا۔

وهل افسد الدين الا الملوك
واحبار سوء ورهبانها

''دین کو بادشاہوں، علمائے سوء اور مشائخ نے ہی بگاڑ ڈالا ہے
اب کسے رہنما کرے کوئی؟

امریکہ میں طرفہ تماشہ یہ بھی ہے کہ یہاں اہل علم کے بجائے دین اسلام پروفیسروں، ڈاکٹروں اور انجینئروں کے ہتھے چڑھ گیا ہے، جن کی ساری عمر دنیاوی پیشے سیکھنے سکھانے میں گزری، اب علماء کی عدم موجودگی میں اندھوں میں کانے راجوں کا راج چل رہا ہے، اگر کوئی بھولے سے صاحب علم یہاں آ جائے تو انہیں اپنی نیم ملائیت کے

چراغ بجھتے نظر آتے ہیں، کسمساتے، دل میں کڑھتے اور حیلے کرتے ہیں کہ کسی ایسے فرد کو یہاں قرار نہ ملے تاکہ اپنی بے بصیرتی کا بھرم قائم رہے۔

چونکہ اپنے تئیں یہ دین کے مفتی اعظم اور دینی پیشوا ہیں۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

یہ معاملہ اور زیادہ گھمبیر ہے، نیم حکیم خطرہ جان، نیم ملا خطرہ ایمان۔ امریکہ کی مختلف ریاستوں میں مساجد عالی شان بن گئیں اور بن رہی ہیں لیکن ان دینی قبضہ گروپوں نے جگہ جگہ اپنی دھونس جما رکھی ہے، ان کا مبلغ علم کیا ہے؟ جیسے پاکستان کے دیہاتی امام جو کچی روٹی، پکی روٹی پڑھ کر نظامِ مساجد چلا رہے ہیں، مجھے ایک ریاست میں ایک دوست کے ہاں مجلس میں جانا ہوا۔ ایک پروفیسر صاحب نے اپنا تعارف کروایا کہ میں فلاں علاقے میں اسلامی سوسائٹی کا سرگرم ممبر ہوں، اسی طرح وہ اپنی مجذوبانہ بڑیں ہانکتے رہے بالآخر تان یہاں ٹوٹی کہ سود اَب حلال ہو جانا چاہیے۔ کیا میں بیس (20) سال تک انتظار کرتا رہوں کہ رقم جمع کر کے بلا سود اپنا مکان بناؤں گا؟ اتنا صبر نہ مجھ سے ہوتا ہے نہ میرے بچوں سے، میرے بچے آج ہمسایوں کی عمدہ کاریں دیکھ کر سرد آہیں بھرتے ہیں، کیوں نہ میں سود پر آج ہی اپنے بچوں کو عمدہ کار خرید کر دوں۔ یہ خیالات عالیہ سن کر مجلس کا ہر سامع ششدر تھا کہ عجیب مسلمان پروفیسر ہے صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ اسلامی سوسائٹی کا active ورکر ہے جو اللہ کے حرام کردہ امر کو حلال کرنے پر تلا ہوا ہے۔

ایک اور عظیم امریکی مبلغ کی دین فہمی دیکھ کر حیرت ہوئی جو بابری مسجد کی شہادت پر نماز میں قنوتِ نازلہ پڑھتے تھے، لیکن وہ وتروں کی دعا کو قنوتِ نازلہ سمجھ کر پڑھتے، حالانکہ یہ دعا **اللّٰھم اھدِنی فِیمَن ھدیتَ**...... الخ مشکوٰۃ شریف میں ہے اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اس کے راوی ہیں، فرماتے ہیں: **علمنی رسول اللہ کلمات**

اَقولهن في الوتر :اللهم اهدني...... الخ کہ رسول ﷺ نے مجھے یہ دعا سکھائی کہ میں قنوتِ وتر میں اسے پڑھوں۔ یہ حدیث مشکوٰۃ شریف باب الوتر الفصل الثانی میں درج ہے۔ عام دینی مدارس کا ابتدائی کورس جو موقوف علیہ تک ہوتا ہے۔ ہر مسلک کے مدرسہ میں یہ مشکوٰۃ پڑھائی جاتی ہے، اب جس مبلغ کا علم اتنا بھی نہیں کہ مشکوٰۃ جیسی کتاب کو دیکھ سکے وہ باقی کتب احادیث، مستند تفاسیر اور دیگر علومِ دین کیا سمجھے گا۔

جو مبلغ ہے اس کا مطالعہ قرآن و حدیث وسیع ہونا چاہیے۔ مذکور حدیث نہ صرف مشکوٰۃ میں ہے بلکہ کتب ستہ کی کتب کے علاوہ دارمی میں بھی ہے، امام ترمذی اسے حدیث حسن کہہ رہے ہیں اور علامہ ناصر الدین البانی فرماتے ہیں و اسنادہ صحیح۔ سامعین بے چارے ان مبلغوں سے بھی کم علم ہوتے ہیں، اسی طرح کا عجیب واقعہ پاکستان کے ایک شہر کی مسجد میں پیش آیا۔ امام صاحب روزانہ فجر میں قنوتِ نازلہ پڑھتے، دعا تو نازلہ کی درست پڑھتے تھے، لیکن ایک روز ایک مقتدی نے پوچھ لیا۔ مولانا صاحب! کہیں کوئی جنگ وغیرہ تو ہے نہیں، آپ یہ بددعائیں کس دشمن کے لیے کر رہے ہیں تو امام نے بے ساختہ کہا: کہ ظالمو! آپ کے لیے ہی نازلہ پڑھتا ہوں۔ مقتدی پریشان ہو کے رہ گئے کہ ہم خوب نادان ہیں جو اپنے خلاف بددعاؤں پر آمین کہتے جا رہے ہیں، اسی طرح یہاں کے واعظین کرام لوگوں کو دین اسلام عموماً ایسے رنگ میں پیش کرتے ہیں جیسے وہ عیسائیت کی تبلیغ کرتے ہوں بلکہ پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ عیسائی کلمۂ اسلام پڑھیں نہ پڑھیں، مگر ہمارے ناصحوں کو بے قراری اتنی ہوتی ہے کہ عیسائیوں کو جنت میں داخل کر کے چھوڑتے اور اپنا پتہ نہیں۔ بقول اقبال؎

واعظ داستان زن افسانہ بند
معنی او پست و حرف او بلند

(اسرار رموز)

آخر میں قارئین سے مؤدبانہ التماس ہے کہ میرے کسی تلخ جملے پر ناراض نہ

ہوں بلکہ یہی استدعا کروں گا۔

سوئے مادر آ کہ تیمارت کند

اے بیمار بچے ! ماں کی گود میں آ، وہ تیری حقیقی تیمارداری کرے گی۔ اسی میں سکون ملے گا۔ اسی میں ابدی راحت ملے گی، ہم سب مسلمانوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ صرف اور صرف قرآن وسنت ہے، اسی کی طرف رجوع کیجئے، اسی سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور دلوں کو قرار نصیب ہوگا۔ اسی چشمۂ صافی پر ہم جمع ہو سکتے ہیں، قرآن و سنت ہمیں یہی درس محبت دیتا ہے، اسی کو پانے سے خدا اور رسول ﷺ ملتے ہیں۔

مسلمانوں کا باہم دست بگریباں ہونا، باہمی انتشار وخلفشار، ایک دوسرے کی جڑیں کاٹنا، آپس کی دھینگا مشتی اور سر پھٹول نے ہمیں کن اور کیسی رسوا کن پستیوں میں گرایا ہے کہ دنیا بھر میں بے وقار اور بے وزن ہو کے رہ گئے۔ لیڈر شپ کے بارے میں اقبال کہتے ہیں۔

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے
حق تجھے میری طرح صاحب اسرار کرے
ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر وموجود سے بیزار کرے
موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رخِ دوست
زندگی تیرے لیے اور بھی دشوار کرے
دے کے احساسِ زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے
فتنۂ ملت بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطین کا پرستار کرے

سادگی مسلم کی دیکھ!

مسلمانوں کی مذہبی گروہ بندی کا خطرناک نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان ہوتے ہوئے مسلمانی کا دعویٰ رکھتے ہوئے غیر شعوری طور پر اطاعت پیغمبر سے دور ہوتے گئے پھر اپنی اس کوتاہی کا احساس تک نہیں ہوتا، بلکہ انہی گھسی پٹی رسوم کو دین سمجھ کر چمٹے رہتے ہیں اور مکھی پر مکھی مارتے چلے جاتے ہیں۔اسی فقدانِ احساس پر حضرت اقبال رحمۃ اللہ نے کہا:

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

اور کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

دین آخر کس چیز کا نام ہے؟اس کا سیدھا اور صاف جواب یہ ہے کہ خدا کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ دیا لے لو، جس چیز سے روکا اس سے رک جاؤ۔ (سورۃ الحشر آیت:7)

اسی قرآنی آیت پر غور فرمائیں کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں دیا وہ دین کیسے ہوسکتا ہے؟ جب دین اسلام سربمہر کردیا گیا یہ آیت نازل کرکے کہ آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے۔ (سورۃ المائدہ: آیت نمبر 3)

پھر وہ مسائل جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کے نام پر پہلی صدی کے اواخر سے لے کر آج تک گھڑے گئے وہ دین کیسے ہوسکتا ہے؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کردہ تعلیمات نامکمل ہیں۔نعوذ باللہ! اگر پندرھویں صدی میں بھی ایجاد کردہ مسائل دین بن گیا تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم المرسلینی باقی رہ گئی؟ آخر مرزا قادیانی کیوں برا ہوا؟ وہی کام تو ہم نے بھی کرڈالے۔جن کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم نہ دیا تھا۔ہر مسلک کا فرد یہ سمجھتا ہے کہ میرے سوا سب باطل، میں ہی خدا کا چہیتا ہوں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بس میرے اپنے ہیں، اور ان کے نام پر جو جی چاہے کروں، جہاں تک خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا تعلق ہے خدا کرے یہ تمنا ہر مسلمان کی اس کے مخلص عمل کے مطابق ہو جائے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق ہو۔ایک اور بڑا فتنہ یہ بھی کھڑا ہوگیا کہ ہر کوئی اپنے مطلب کی حدیث رسول اپنا

لیتا ہے اور جس حدیث رسول کو چاہا اسے ضعیف قرار دے لیا۔ یہ بھی حدیث رسول کو مشکوک کرنے والی بات ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ منکرین حدیث سچے ہیں۔ ان کا بھی یہی کہنا ہے کہ حدیث کا ذریعہ معتبر نہیں ہے۔ کیا یہ تصور حدیث کے بارے میں قرآن کے انکار تک نہ پہنچے گا؟ کیونکہ قرآن کہتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے لئے بہتر نمونہ ہیں تو اس نمونے کی مکمل تفصیلات سے قرآن مجید خاموش ہے پھر کیسے معلوم ہوگا کہ نمونہ کیسا ہے؟ ظاہر بات ہے اس کی تفصیلات کے لئے حدیث کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ پھر قرآن مجید کہتا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (دیکھئے سورۃ البقرہ 129، سورۃ آل عمران نمبر 164، سورۃ الجمعۃ 2) کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، عربی گرائمر سے معمولی واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ "والحکمۃ" کی واؤ عاطفہ ہے اور عطف مغایرت کے لئے ہوتا ہے۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعلیم کتاب کے علاوہ تعلیم حکمت بھی دیتے ہیں۔ حکمت یہاں قرآن مجید نہیں ہے، قران کے لئے "الکتاب" کہا گیا اور قرآن سے ہٹ کر حکمت، "حدیث رسول" ہوئی۔

جیسے اللہ نے حفاظت قرآن کے لئے فرمایا: ہم نے اس قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں، (سورۃ الحجر، 9) ظاہر بات ہے، قرآن میں مذکور حکمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی محفوظ کرنے کا انتظام اللہ نے فرمایا۔ جس پر اصول حدیث کا علم گواہ ہے۔ اب کسی کی نگاہ نارسا وہاں تک نہ پہنچ سکے تو اس میں حدیث رسول کا کیا قصور ہے؟ نام سب کی زبان پر قران وسنت ہوتا ہے، لیکن زندگی بھر میں توفیق نہیں ہوتی کہ کچھ وقت نکال کر سنی سنائی کہانیوں سے ہٹ کر غور کر لیا جائے کہ قرآن کیا کہتا ہے اور سنت کسے کہتے ہیں؟

بلکہ جو کچھ بچپن سے گھر میں سنا اور محلّہ کی مسجد سے سنا وہی بات حرف آخر ہوئی باقی سب غلط۔ ایک لطیفے کی بات ہے کہ ایک پنجابی عالم دین اپنے دوست عالم کو صوبہ سرحد میں ملنے گیا، اب پنجابی عالم نے تہہ بند پہنا ہوا تھا۔ مقامی امام نے ازراہِ اکرام ضیف، مہمان عالم کو نماز پڑھانے کے لئے مصلیٰ پر کھڑا کر دیا۔ تو مسجد کے تمام پٹھان مقتدیوں نے ہنگامہ کھڑا کر دیا

کہ دھوتی باندھ کر نماز نہیں ہوتی۔ مقامی امام نے کافی سمجھایا کہ بھئی دھوتی میں نماز ہو جاتی ہے۔ مگر خان صاحبان نے ایک نہ سنی بالآخر مقامی امام نے بتایا کہ حضور ﷺ خود دھوتی پہن کر نماز پڑھاتے تھے تو سب نے کہا: جھوٹ ہے، حضور ﷺ تو شلوار پہنا کرتے تھے۔ اب چونکہ پٹھانوں کی تہذیب میں شلوار ہی پہنی جاتی ہے وہ اسی اپنی مقامی تہذیب کو دین بنا بیٹھے۔

یہی حال ہر مسلمان کا عموماً ہوا جس معاشرے میں شعور کی آنکھ کھولی وہی اس کے لئے دین ٹھہرا۔ اسی طرح میں خود ایک بار نمازِ فجر کے بعد حرم کعبہ کی آخری چھت پر بیٹھا تھا تو ایک افغانی نوجوان جو کابل سے تھا مجھے پوچھنے لگا کہ ہمارے کابل میں یہ مشہور ہے کہ خانہ کعبہ کی چھت کے اوپر سے کوئی پرندہ بھی پرواز نہیں کر سکتا۔ مگر میں حیران ہوں اور اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ چڑیاں اور کبوتر چھت کے اوپر اڑ رہے ہیں۔ پھر کہنے لگا کہ ہمارے علاقے میں یہ بھی مسئلہ سنا جاتا ہے کہ خانہ کعبہ کی چھت پر سیمنٹ نہیں لگایا جا سکتا بلکہ کچی مٹی سے چھت بنائی گئی ہے تاکہ انوار و تجلیات الٰہیہ اس میں جذب ہو سکیں مگر میں اپنی آنکھوں سے یہاں دیکھ رہا ہوں کہ خانہ کعبہ کی چھت پر سیمنٹ لگا ہوا ہے۔ میں نے کہا بھئی! یہ سب ناواقفیت کی باتیں ہیں۔ جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اگر کابل شہر میں اسی بات پر مسلمان جھگڑا کریں کہ چھت کعبہ کی کچی ہے یا پکی؟ تو قرآن و سنت سے سمجھنا مشکل ہو تو براہِ راست اس چھت کو دیکھ لو تاکہ جھگڑا ختم ہو۔ یہی حال ہمارا عام طور پر دینی مسائل کے بارے میں ہے۔ سطحی واقفیت ہوتی ہے۔ لیکن ستم یہ کہ ہر کوئی مفتی اور مناظر اسلام نظر آتا ہے۔ جب کہ یہ ظلم صرف دین اسلام کے ساتھ ہم نے روا رکھا ہے۔ ورنہ دیگر دنیا کے شعبوں کے ساتھ یہ ناانصافی نہیں کی جاتی، کسی شعبے کا ماہر اور اسپیشلسٹ ہو۔ اسی شعبے کا ادنیٰ آدمی ماہر سے نہیں جھگڑے گا۔ مثلاً ایم بی بی ایس ڈاکٹر سے ایک معمولی ڈسپنسر کبھی نہ الجھے گا۔ ایک اعلیٰ انجینئر کے ساتھ کبھی لوہار پھڈا نہیں کھڑا کرتا۔ کسی پی ایچ ڈی پروفیسر کے ساتھ پرائمری سکول کا ٹیچر بے کار بحث نہیں کرے گا۔

بہرکیف قرآن نے یہ حکم دیا ہے کہ اگر پتہ نہ ہو تو اہل علم سے پوچھ لو۔ (سورۃ النحل، 43)

یعنی اپنی عقل کے گھوڑے نہ دوڑاتے پھرو، دین اسلام کے بارے میں ہمارا ذہن بالکل صاف ہو جانا چاہیے کہ صاحب شریعت صرف حضرت محمد ﷺ ہیں باقی کوئی نہیں۔ اور ان تک رسائی کے لئے فہم قران اور فہم حدیث حاصل کرنا ہوگا۔ اپنے معمولی عمل سے لے کر بڑے اعمال تک یہی جستجو رہے کہ میرے آقا و مولیٰ حضرت محمد ﷺ کیا فرما گئے یا کیسے کر گئے ہیں۔

موٹی سی بات ہے جس نبی کا کلمہ پڑھو، بس اسی کی بات مانو، یہی ایمان ہے۔ اگر اطاعت رسول کے ساتھ کوئی اور اطاعت شامل کی گئی تو یہ شرک فی الرسالت ہوگا۔ جیسے شرک باللہ گناہ عظیم ہے اسی طرح شرک فی الرسالت بھی گناہ عظیم ہے۔ یہ بالکل جھوٹ ہے کہ حدیث رسول کئی طرح سے ہے، کیا معلوم کون سچا ہے؟ اصول حدیث کے ٹھوس قوانین معتبر کتابوں میں درج ہیں۔ اس پر محدثین نے بہت محنت کر کے کام آسان کر دیا ہے۔ ماہرین حدیث ہی حدیث کے معاملے میں مستند ہیں، جس طرح ہر ماہر فن قابل اعتماد ہوتا ہے اسی طرح ماہرین حدیث سے بڑھ کر کون حدیث کو پرکھ سکتا ہے؟

لہٰذا حدیث رسول قرآن کے بعد سب سے زیادہ معتبر اور مستند چیز ہے قرآن کے اجمالی احکام کی تفصیل حدیث رسول میں ہے۔ حدیث کی دل سے محبت کرنا سیکھیں تاکہ سنت نبوی پر عمل آسان ہو۔ ورنہ آدمی دربدر ٹھوکریں کھاتا پھرے گا۔ اور ساحل مراد نہ پا سکے گا۔ باقی رہی بات اجتہاد فی الدین کی، تو یہ بھی ضروری ہے مگر اُن مسائل میں جن کے نظائر حضور ﷺ سے نہ مل سکیں۔ لیکن طریق عبادت میں اجتہاد کی کیا ضرورت ہے؟ اگر اجتہاد کی ضرورت مسائل جدیدہ میں پڑے تو بلا تامل مجتہدین اجتہاد و استنباط کر سکتے ہیں۔ ورنہ اندھی تقلید بھی لے ڈوبی ہے۔ حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا۔

اگر تقلید بودے شیوہ خوب
پیمبر ہم رہے اجداد رفتے

یعنی تقلید اگر اچھی چیز ہوتی تو حضور ﷺ اپنے آباؤ اجداد کا راستہ چھوڑ کر نئی راہ نہ چلتے۔

تعلیم ،حسن اخلاق کا منبع

تعلیم سب سے اہم اس لئے ہے کہ ہمیں جینے کا شعور دیتی ہے۔ یہ مقصد زندگی کی طرف ہماری رہنمائی کرتی ہے بلکہ ہمیں کہنے دیجئے کہ علم زندگی ہے اور جہالت موت، کونسا ایسا فرد ہے جو علم کے بغیر کارگاہ حیات میں آگے بڑھا ہو اور کونسی ایسی قوم ہے جس نے تعلیم و تربیت کے بغیر مہذب اور متمدن قوموں کی صف میں اپنا مقام بنایا ہو، جہالت تو عذاب ہے لہذا جتنی جلدی اس عذاب سے پیچھا چھڑایا جائے اتنا ہی بہتر ہے۔

اللہ کسی کی بندگی اور شکر گزاری کا محتاج نہیں ہے۔ اس کی ذات بے نیاز ہے مگر ہم انسان تو محتاج محض ہیں ہر آن ہر لحہ اللہ کی مدد کے محتاج۔ دنیا میں اللہ کی تمام تخلیقات کا شاہکار ہونے کے باعث ہی انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس کا یہ چلن کچھ زیب نہیں دیتا۔ لہذا تعلیم سے بہرہ ور ہو کر ہی اپنے اشرف المخلوقات کے مقام کو پہچانیں۔ تعلیم حسن اخلاق کا منبع ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جس کا اخلاق اچھا نہیں ہے اس کو قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ رحمت نصیب نہیں ہوگا۔

پروردگار ہمیں حقیقی تعلیم سے روشناس ہونے کی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین

ناشر

عبدالقیوم ملک

نگران: مدرسہ تجوید القرآن رحمانیہ (رجسٹرڈ)

لاہور

گلہائے رنگ رنگ

اللہ کی اس وسیع و عریض کائنات میں طرح طرح کی مخلوق موجود ہے۔ جس کی مکمل معلومات تو سوائے خالق ارض و سماء کے کسی اور کو حاصل نہیں اس نے خود اس بات کا تذکرہ قرآن مجید میں یوں فرمایا ہے:

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (سورۃ مدثر: 31)

"تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔"

مگر یہ بات ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کوئی چیز بھی عبث اور بے مقصد پیدا نہیں کی گئی۔ اس تنوع کی ایک وجہ تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ انسان ایک ہی قسم کی چیزیں دیکھ دیکھ کر اکتا نہ جائے جس طرح ایک اشتہاء اور بھوک نہ رکھنے والا شخص جب میز پر قسم قسم کے کھانے چنے ہوئے دیکھتا ہے تو اس کی بھوک عود کر آتی ہے۔ بالکل اسی طرح اللہ کی مختلف مخلوقات کو دیکھ کر زندگی میں دلچسپی پیدا ہوتی ہے اور انسان قنوطیت کا شکار ہو کر نہیں رہ جاتا۔ کسی نے کیا ٹھیک ہی کہا ہے:

"Variety is the sauce of life."

"یعنی تنوع اور رنگارنگی زندگی کی چٹنی ہے۔"

اس کا دوسرا بڑا سبب یہ نظر آتا ہے کہ انسان مختلف قسم کی مخلوقات سے طرح طرح کے سبق سیکھتا اور تجربات حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ۔ (سورۃ حم السجدہ: 53)

"عنقریب ہم آفاق عالم میں انہیں اپنی نشانیاں بھی دکھائیں گے۔"

فاضل مضمون نگار نے "دو مکھیاں...... دو کردار" کے عنوان سے اللہ کی ایک چھوٹی سی مخلوق کا موازنہ ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ اس سے بھی مقصود یہی ہے کہ کہنے کو تو دونوں مکھیاں ہی ہیں مگر کام اور انجام کے اعتبار سے دونوں میں بعد المشرقین ہے۔ ایک شہد تیار کر رہی ہے جو سراسر شفا ہی شفا ہے، بالکل یہی حال اس مخلوق کا ہے جسے اشرف المخلوقات

ہونے کا درجہ حاصل ہے، جس کا کوئی فرد تو توحید وسنت کا درس دے کر جہالت اور ظلمت کے بادل دور ہٹا رہا ہے اور کوئی شرک و بدعت کے افسانے سنا کر شرف انسانیت کے ماتھے پر کالک مل رہا ہے۔ کہنے کو تو دونوں ہی انسان ہیں۔ آدم وحوا کی اولاد ہیں، مگر کتنا متضاد کردار ادا کر رہے ہیں۔ ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ ہمارا تعلق انسانوں کے کس جتھے سے ہے؟ ہم کیا کردار ادا کر رہے ہیں؟ ہماری دوستیاں اور وابستگیاں کیسے لوگوں سے ہیں؟ ہم شہد کی مکھی کی طرح صرف پاک صاف توحید وسنت کے شفا بخش رس سے لبریز اور معطر مجلسوں میں بیٹھتے ہیں، منظم اور متحد ہو کر ایک ہی رہبر ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہیں، اپنے قول وفعل سے شمع حق روشن کرنے کی سعی کرتے ہیں، دوسروں کے لئے نرم خو، ہمدرد، خیر خواہ اور شیریں کلام ہیں یا گھریلو مکھی کی طرح غلیظ، گندی اور شرک و بدعت سے سجی محفلوں کی زینت بنتے ہیں، جہالت اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے تعصب اور نفرت کے بیج بو رہے ہیں اور پاکیزگی اور گندگی میں تمیز نہیں کرتے اور بار بار ہٹانے پر بھی باز نہیں آتے۔ یاد رکھئے ہادی برحق ﷺ کا فرمان ہے۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔

”(قیامت کے روز) آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اسے (دنیا میں) محبت تھی۔“

لہٰذا دوست بناتے وقت بڑی احتیاط اور چھان بین سے کام لینا چاہئے تاکہ دوستی نفع بخش اور فائدہ مند ثابت ہو نہ کہ دوستی ذلت ورسوائی کا موجب بن جائے۔ دوست کو دوست کی بات ماننا پڑتی ہے۔ دوست کی ہاں میں ہاں ملانے سے ہی دوستی قائم رہتی ہے۔ کیا خوب فرمایا ہے نبی اکرم ﷺ نے۔

اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ فلینظر احد کم من یخَالِلُ۔

”آدمی اپنے دوست کے دین پر چلتا ہے پس تمہیں سوچنا چاہئے کہ کسے دوست بنا رہے ہو۔“

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ مولانا عبداللہ دانش حفظہ اللہ جیسے انسانیت کے خیر خواہ احباب کو مزید توفیق عطا فرمائے وہ امت مسلمہ کو خواب خرگوش سے جگائیں اور اس کے لہو کو گرمائیں۔

یا رب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو لہو کو گرما دے روح کو تڑپا دے

شکر الله سیعهم وجزاهم عنا وعن سائر المسلمین آمین یا رب العلمین۔

احقر

پروفیسر حافظ ثناءاللہ خاں

70 آریہ نگر، پونچھ روڈ لاہور

دو مکھیاں......دو کردار

امت مسلمہ کے زوال و ذلت پر اکثر غور و خوض کرتا رہتا ہوں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم امت کیوں خستہ حال ہوئی ہے؟ جبکہ یہ خیر الامم اور امت وسط قرار دی گئی ہے۔ کئی عوامل میں سے ایک وجہ فرقہ بازی بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دو (2) مکھیوں کا ذکر فرمایا:

1. النحل (Honey Bee) شہد کی مکھی۔
2. ذباب (House Fly) عام مکھی

دونوں مکھیوں کے کرداروں کو جاننے کے لئے تفسیر ابن جریر طبری، تفسیر رازی، روح المعانی، الکشاف، تفسیر قرطبی، تفسیر المدارک، تفہیم القرآن، ابن کثیر، فی ظلال القرآن، وغیرہ پھر بصائر ذوی التمیز اور بالآخر علامہ الدمیری رحمۃ اللہ علیہ کی حیوۃ الحیوان کو کھنگال ڈالا۔ دونوں مکھیوں کے کردار پر الگ الگ تبصرہ پیش خدمت ہے تا کہ فرقہ بازوں اور اتحاد امت کے داعیوں کا کسی حد تک نمونہ واضح ہو سکے۔ سب سے پہلے شہد کی مکھی کو لیجیے۔

شہد کی مکھی:

قرآن کریم میں ہے:

وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْ م بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔ (النحل:69)

”اور دیکھو، تمہارے رب نے شہد کی مکھی پر یہ بات وحی کر دی کہ پہاڑوں میں، اور درختوں میں اور ٹہنیوں پر چڑھائی ہوئی بیلوں میں، اپنے چھتے بنا اور ہر طرح کے پھلوں کا رس چوس اور اپنے رب کی ہموار کی ہوئی راہوں پر چلتی رہ۔ اس مکھی کے اندر سے رنگ برنگ کا ایک شربت نکلتا ہے جس میں

شفا ہے لوگوں کیلئے۔ یقیناً اس میں بھی ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرتے ہیں۔''

تشریح:

رب کی ہموار کی ہوئی راہوں کا اشارہ اس پورے نظام اور طریق کار کی طرف ہے جس پر شہد کی مکھیوں کا ایک گروہ کام کرتا ہے۔ ان کے چھتوں کی ساخت، ان کے گروہ کی تنظیم، ان کے مختلف کارکنوں کی تقسیم کار، ان کی فراہمی غذا کے لئے بہم آمد ورفت، ان کا باقاعدگی کے ساتھ شہد بنا بنا کر ذخیرہ کرتے جانا، یہ سب وہ راہیں ہیں جو ان کے عمل کے لئے ان کے رب نے اس طرح ہموار کر دی ہیں کہ انہیں کبھی سوچنے اور غور وفکر کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ بس ایک مقرر نظام ہے جس پر ایک لگے بندھے طریقے پر شکر کے یہ بے شمار چھوٹے چھوٹے کارخانے ہزار ہا برس سے کام کئے چلے جا رہے ہیں۔ (تفہیم القرآن، جلد 2)

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی میں عجیب وغریب عمل مقرر کر دیئے ہیں جنہیں سمجھنے سے بڑے بڑے دانا قاصر ہیں۔

1 یہ مکھی اپنے گھر مسدس (Hexagon) یعنی چھ (6) کونوں والے بناتی ہے۔ ہر زاویہ بالکل برابر ہوتا ہے بڑے بڑے انجینئر اور فرزانے ایسے برابر خانے بغیر آلات اور بغیر مسطر (Ruler) پیمانہ کے نہیں بنا سکتے۔

2 علم ہندسہ (انجینئرنگ) کے لحاظ سے اگر یہ گھر مسدس نہ بنائے جائیں بلکہ مثلث، مربع، مخمس ہوں تو چھتے کے خلیوں میں فضول خالی خلا رہ جائیں۔ صرف مسدس ہونے کی وجہ سے خالی خلا نہیں رہتا۔ قدرت کاملہ نے ایک کمزور جاندار مکھی کو کیسی باریک حکمت اور لطیف کاریگری سکھائی ہے۔

3 شہد کی مکھیوں میں ایک بڑی مکھی یعسوب (Queen Bee) ہوتی ہے۔ جسے مکھیوں کی رئیس اور سردار (The sovereign of a swarm of bees) کہتے ہیں۔ چھتے کی تمام مکھیاں اس کی خدمت گزار ہوتی ہیں۔ اڑتے وقت مکھیاں اپنی ملکہ

کواڑا کر اڑتی ہیں۔ یہ بھی عجائب قدرت سے ہے۔

4 جب اپنے چھتے سے اڑ کر دوسرے مقام پر جانا ہو تب بھی سب مل کر اڑتی ہیں، ان میں ڈسپلن ہوتا ہے، جب واپس چھتوں کو آتی ہیں تو اپنے خداداد آلات موسیقی بجاتی اور گاتی ہوئی آتی ہیں۔ ان کا ترنم واپسی کی دلیل ہوتا ہے۔ یہ بھی عجائب قدرت الٰہی ہے۔

زجاج کہتے ہیں مکھی کو نحل کا نام اس لئے دیا گیا ہے کہ یہ لوگوں کو شہد کا تحفہ دیتی ہے۔ نحل کا معنی تحفہ اور عطیہ ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

اِنَّ الْعَسَلَ شِفَاءٌ مِّنْ كُلِّ دَاءٍ وَالْقُرْاٰن شِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُوْر۔

''شہد بیماریوں کی شفاء ہے اور قرآن سینوں کی شفاء ہے۔''

یعنی قرآن سینوں کو کفر و بدعت سے شفا دیتا ہے۔

یہ مکھی آزاد فضاؤں میں درختوں کے پتوں، پھلوں اور پھولوں پر بیٹھتی اور ان کا رس چوس کر شہد تیار کرتی ہے۔ اس کی مٹھاس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ (حوالہ تفسیر رازی ج:19)

علامہ دمیری لکھتے ہیں: النحل، کو ذباب العسل'' شہد کی مکھی کہتے ہیں۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے۔ ''الذُّبَابُ كله فِي النَّارِ اِلَّا النَّحْلُ'' ہر قسم کی مکھی دوزخی ہے سوائے شہد کی مکھی کے۔''

یہ مکھی بقول علامہ قزوینی، ذہین و فطین مخلوق ہے، بہادر ہے، دور اندیش ہے۔ گردش زمانہ کی معرفت اسے حاصل ہے، بارشوں کے موسم سے باخبر ہے۔ چرنے چگنے کا پورا علم رکھتی ہے۔ اپنی ملکہ کی اطاعت شعار اور اس کی خدمت گار ہے۔

ارسطو (قبل مسیح کا یونانی فلاسفر) نے مکھی کی نو (9) قسمیں بتائی ہیں۔ اپنی تدبیر معاش کے لئے جب کہیں اسے صاف جگہ ملتی ہے تو موم سے اپنا گھر بنا لیتی ہے۔ پھر ملکہ کا گھر، پھر مذکر (نر) مکھیوں کا گھر بناتی ہے۔

دیکھئے کیسے اللہ تعالیٰ مکھیوں کے لعاب سے موم اور شہد بناتا ہے..... وجعل احدهما

ضیاء والآخر شِفاء...... موم کو ضیا بنایا اور شہد کو شفاء بنایا۔

غور فرمایئے! یہ مکھی پھولوں اور کونپلوں پر بیٹھتی ہے، نجاستوں اور غلاظتوں سے بچتی ہے۔ اپنے امیر کا حکم مانتی ہے، ان کا امیر ان کے درمیان عدل وانصاف کرتا ہے۔ اگر کوئی مکھی اپنے ساتھ نجاست لے آئے تو چھتے کے دروازے پر ہی اسے امیر مار ڈالتا ہے۔ اس کی فطرت میں نظافت ہے۔ اپنے خلیوں سے فضلے کو نکال باہر کرتی ہے۔ میٹھا اور صاف پانی پیتی ہے۔

نزول وحی کی آواز شہد کی مکھی کی مانند تھی

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ کے پاس شہد کی مکھی کی سی آواز سنائی دیتی تھی۔ ایک روز ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھے تو تھوڑی دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کا رنگ کھلا، قبلہ رخ ہو کر دونوں ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوپر اٹھائے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگے۔

اَللّٰھُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاکْرِمْنَا وَلَا تُھِنَّا وَاعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَ آثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَیْنَا وَارْضِنَا وَارْضِ عَنَّا۔

''اے اللہ تعالیٰ ہماری تعداد میں اضافہ فرما، اس میں کمی نہ آئے، ہمارے مقدر میں عزت وشرف کر، ہمیں رسوا نہ کرنا، ہم پر نوازشیں جاری رکھنا، ہمیں محروم نہ کرنا، ہم پر نظر عنایت کرنا، ہمارے اوپر دشمن کو غلبہ نہ دینا۔ ہمیں خوشیاں نصیب کرنا اور ہم سے راضی رہنا۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے دس (10) آیات نازل فرمائی ہیں جو ان پر عمل پیرا ہوگا وہ جنت میں جائے گا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ آیات پڑھیں جو سورۃ المومنون کے شروع میں ہیں۔ ان کا ترجمہ یہ ہے:

'' یقیناً فلاح پائی ایمان والوں نے جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔ لغویات سے دور رہتے ہیں۔ زکوۃ کے طریقے پر عامل ہوتے ہیں۔ اپنی شرمگاہوں کی

حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں قابل ملامت نہیں ہیں، جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں وہی زیادتی کرنے والے ہیں۔ اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں۔ اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ وہ وارث ہیں جو میراث میں فردوس پائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔'' (ترمذی، احمد)

- رسول ﷺ نے فرمایا: آپ لوگ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ تسبیح پڑھتے ہیں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ورد کرتے ہیں، اس کی حمد کرتے ہیں تو یہ کلمات عرش الٰہی کے گرد شہد کی مکھی کی طرح گنگناتے ہیں۔ (الحاکم)
- آپ ﷺ نے فرمایا: ''مومن کی مثال شہد کی مکھی کی طرح ہے۔ پاکیزہ کھاتی ہے۔'' (مستدرک حاکم)
- آپ ﷺ نے فرمایا: ''بلال کی مثال شہد کی مکھی کی طرح ہے جو پھلوں اور پھولوں سے مٹھاس اور تلخی دونوں چوستی ہے مگر شہد سارا انسانوں کو مہیا کرتی ہے۔
- مومن کی مثال شہد کی مکھی کی طرح ہے۔ اگر آپ اس سے رفاقت کریں تو نفع دے گا اگر اس سے مشورہ کریں تو نفع دے گا، اگر اس کی مجلس میں بیٹھیں تب بھی نفع بخش ہوگا اور ہر حال میں فائدہ مند ہے، اسی طرح شہد کی مکھی بھی نفع ہی نفع ہے۔ (بیہقی)

ابن اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مومن اور شہد کی مکھی میں وجہ مشابہت یہ ہے کہ یہ مکھی ذہین و فطین ہے، نقصان بہت کم پہنچاتی ہے، دن بھر تگ و دو کرتی ہے۔ گندگی سے بچتی ہے۔ پاکیزہ کھاتی ہے۔ غیر کی کمائی نہیں کھاتی۔ امیر کی اطاعت گزار ہے۔ اپنے عمل سے آفتوں کا مقابلہ کرتی ہے۔ اندھیرے، بادل، ہوائیں، آندھیاں، دھوئیں، بارشوں کا پانی اور آگ وغیرہ، سب کا مقابلہ ڈٹ کر کرتی ہے۔ مومن بھی اسی طرح آفات کا مقابلہ کرتا ہے اور اپنے حسن عمل سے انہیں دفع کرتا ہے۔ غفلتوں کے اندھیرے، شکوک و شبہات کے بادل، فتنہ و فساد کی آندھیاں، حرام کمائی کا دھواں، فراخی رزق کے سیلاب، نفسانی خواہشوں کی آگ۔ یہ آفات انسان کو درپیش ہیں۔

▢ علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ لوگوں میں یوں رہو جیسے پرندوں میں شہد کی مکھی۔ ہر پرندہ اس مکھی کو حقیر جانتا ہے۔ اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ اس کے پیٹ میں قدرت نے کیا برکتیں بھر دی ہیں تو کوئی پرندہ اسے حقیر نہ جانے۔ گفتگوؤں اور جسمانی طور پر لوگوں میں گھل مل کر رہو۔ عملوں اور دلوں کے اعتبار سے ان سے جدا رہو۔ آدمی کو وہی ملے گا جو اس نے کمایا اور وہ روزِ محشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا رہا۔ (مسند دارمی)

مسجدوں سے آوازیں فضا میں شہد کی مکھیوں کی طرح گونجیں گی

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کعب احبار رضی اللہ عنہ سے پوچھا، آپ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات تورات میں کیسی پاتے ہیں؟ کعب نے جواب دیا، ہم تورات میں دیکھتے ہیں کہ محمد بن عبداللہ جو کہ مکہ میں پیدا ہوں گے۔ طیبہ (مدینہ منورہ) کی طرف ہجرت کریں گے۔ ان کی بادشاہی شام کے علاقوں تک ہوگی۔ وہ بدکلام اور سخت گو نہ ہوں گے۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیں گے۔ بلکہ معاف اور درگزر کریں گے۔ ان کی امت حمادون ہے۔ یعنی خوشی و غمی، ہر حال میں اللہ کا شکر کریں گے۔ ان کے بازو چمکتے ہوں گے۔ نصف پنڈلی تک تہبند رکھیں گے۔ نماز میں یوں صف بستہ ہوں گے جیسے جنگ میں صف بستہ ہوتے ہیں۔ ان کے ذکر اور تلاوت قرآن کی آوازیں، مسجدوں سے فضاؤں میں جا کر گونجیں گی جیسے شہد کی مکھیوں کا جھنڈ فضا میں گنگناتا ہے۔ (مسند دارمی)

تحقیر دنیا:

علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور یہ فرمان دنیا کی حقارت کے بارے میں ہے:

''انسان کا عمدہ ترین لباس ریشم کے کیڑے کا لعاب ہے۔ اس کا بہترین مشروب شہد کی مکھی کے پیٹ سے نکلنے والا مواد ہے۔''

اور آپ ہی سے مروی ہے کہ دنیا صرف چھ (6) چیزوں میں ہے:

1 طعام	2 مشروب	3 لباس
4 سواری	5 شادی	6 خوشبو

1. عمدہ طعام شہد کی مکھی کے پیٹ کا مواد ہے۔
2. عمدہ مشروب قدرتی پانی ہے جو سب نیک و بد کو میسر ہے۔
3. عمدہ لباس، حریر ہے جو ریشم کے کیڑے سے بنتا ہے۔
4. عمدہ سواری گھوڑا ہے جس پر سوار ہو کر جنگ لڑی جاتی ہے۔
5. عمدہ نکاح عورت سے ہے جس میں جنسی کشش رکھی گئی ہے۔
6. عمدہ خوشبو کستوری ہے جو نافہ آ ہو کے جمے ہوئے خون سے بنتی ہے۔

کمال قدرت خداوندی:

اس بات پر ذرا گہری نظر سے غور فرمائیں کہ شہد کی مکھی میں زہر بھی ہے اور میٹھا شہد بھی۔ یعنی کسی کے ستانے پر تنگ آ کر یہ مکھی جب ڈنگ مارتی ہے تو شہد کی مٹھاس کے ساتھ ساتھ زہر اپنی تکلیف بتاتا ہے۔ پھر شہد کے ساتھ ساتھ موم تیار ہوتا ہے۔

شمعیں روشن ہوتی ہیں اسی طرح مومن بھی دو کیفیتوں سے دوچار ہوتا ہے۔ ایک اللہ کی رحمت سے امید اور دوسرا اس کا خوف۔ یہ شہد کی مکھی سے مشابہت ہے جو زہر اور شہد دونوں رکھتی ہے۔

شہد میں تین (3) خصوصیات ہیں جو مومن میں بھی پائی جاتی ہیں:

1 شفاء 2 شیریں 3 نرم وملائم

(الف) قرآن کریم میں اللہ فرماتا ہے:

ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۔ (سورۃ الزمر:23)

''پھر ان کے جسم اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہوتے ہیں۔

(ب) شیریں اور میٹھا ہونا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے باقاعدہ ایک باب باندھا ہے ''باب حلاوۃ الایمان'' یہ کتاب الایمان میں ہے اس کے تحت روایت لائے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فيه وجد حلاوة الايمان۔

''جس میں تین (3) چیزیں ہوں گی وہ ایمان کی مٹھاس پا لے گا۔''

1 جو کائنات میں صرف اللہ اور رسول کی محبت اول نمبر پر رکھے۔

2 دوسروں سے محبت صرف رضائے الٰہی کے لئے کرے۔

3 کفر سے یوں نفرت کرے جیسے آگ سے بھاگتا ہے۔

قرآن کریم میں ہے "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" آپس میں رحیم و شفیق ہیں۔ (سورۃ الفتح)

(ج) قرآن کریم میں ارشاد ہے:

يَآ يُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ تْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ۔

"لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کی شفا ہے۔"

امام رازی رحمہ اللہ نے اس آیت کے تحت بہت خوبصورت بات لکھی ہے:

ان محمدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كان كالطبيب الحاذق وهذا القرآن عبارة عن مجموع ادويته التى بتركيبها تعالج القلوب المريضة۔

"بے شک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طبیب حاذق کی طرح ہیں اور یہ قرآن دواؤں اور نسخوں کا مجموعہ ہے۔ اسی طبّ اعظم کے ذریعے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار دلوں کا علاج فرماتے ہیں۔" (تفسیر رازی، سورۃ یونس ایت:57)

علامہ دمیری فرماتے ہیں:

دَوَاءُ الاطباء مرٌّ ودواء الله حلوٌ وهو العَسَلُ۔

"طبیبوں کی دوائیں کڑوی ہیں اور اللہ کی دوا میٹھی ہے اور وہ شہد ہے۔"

عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ایک مرتبہ وہ بیمار پڑ گئے کہنے لگے، مجھے پانی دو، کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے:

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا

"اور آسمان سے ہم نے بابرکت پانی نازل کیا۔" (سورۃ ق: آیت:9)

پھر کہنے لگے میرے پاس شہد لاؤ اور ساتھ یہ آیت پڑھی...... فیہ شفاء للناس...... اس میں شفاء ہے لوگوں کے لئے۔ (سورۃ النحل آیت: 69) پھر کہا: زیتون کا تیل لاؤ وہ شجر مبارک سے نکلتا ہے۔ (سورۃ النور آیت: 35) تینوں کو ملایا اور پی لیا اور انہیں شفاء ہوگئی۔ اب قرآن مجید نے پانی، شہد، زیتون تینوں کو بابرکت فرمایا ہے۔

☐ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میٹھی اشیاء کو پسند فرماتے تھے اور شہد شوق سے نوش فرماتے تھے۔" (کتب صحاح ستہ)

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ لذیذ اور پاکیزہ کھانے جائز ہیں یہ زہد و تقویٰ کے خلاف نہیں ہیں۔

بلکہ اللہ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

(الاعراف: 32)

"اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان سے کہو، کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا ہے جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لئے نکالا تھا اور کس نے اللہ کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں؟ کہو یہ ساری چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی ایمان لانے والوں کے لئے ہیں اور قیامت کے روز تو خالصۃً انہی کے لئے ہونگی۔"

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اوّلُ نِعْمَۃٍ تُرتَفع مِنَ الارض العَسل...... کہ زمینی نعمتوں میں سے سب سے پہلے شہد کی نعمت کو اٹھایا جائے گا۔" (تاریخ صبہان)

انگلش انسائیکلو پیڈیا میں شہد اور مکھی کی تفصیلات:

جیسے ہمیں گذشتہ علمی مواد اس موضوع پر کتب تفاسیر اور خصوصاً "حیوۃ الحیوان" میں ملتا ہے، ویسے انگلش انسائیکلو پیڈیا میں بھی اس کا ذکر خیر ہے۔ انگلش لٹریچر کی بدنصیبی یہ ہے کہ اسے سائنسی تعلیم کے لئے تو مخصوص کرتے ہیں مگر اللہ کی قدرت کے کرشمے نہیں

بتاتے۔ قرآن کریم کی تفاسیر میں مفسرین نے طرح طرح سے کرشمہ الٰہی یوں ذکر کیا ہے کہ مومن کے دل میں ایمان اور بڑھتا ہے۔ تاہم سائنسی علم بتاتا ہے:

"شہد کی مکھی کو عجیب زبان ملی ہے جس کے ذریعے سے وہ پھولوں کا رس چوستی ہے۔ عموماً چھتے کے خلیے مسدس (HAXAGONAL) بناتی ہے۔ شہد حاصل کرنے کی باقاعدہ انڈسٹری (صنعت) وجود میں آگئی ہے اور امریکہ، کینیڈا، یورپ وغیرہ میں محکمہ نحل پروری (APICULTURE) کام کر رہا ہے۔ ہزاروں لاکھوں پاؤنڈ شہد ایک ایک سیزن میں حاصل کرتے ہیں۔

ذباب، عام مکھی (The House Fly):

1 قرآن کریم میں اللہ فرماتے ہیں:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ط إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ ط وَإِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ۔ (سورۃ الحج: 73)

"لوگو! ایک مثال دی جاتی ہے غور سے سنو، جن معبودوں کو تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو، وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اسے چھڑا بھی نہیں سکتے۔"

ذباب کا معنی ہوتا ہے دفع کرنا، دور کرنا، ہٹانا، یا یہ تذبذب سے ہے کہ حرکت کرتے رہنا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من ذَبَّ عن عرض اخيه بالغيبة كان حقاً على الله ان يعتقه من النار۔

"جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی غیر حاضری میں، اس کی عزت کا دفاع کرے گا اللہ اسے دوزخ کی آگ سے ضرور نجات دے گا۔" یہ دور ہٹانے کا معنی ہوا۔ (رواہ احمد باسناد حسن)

2 قرآن مجید میں ہے:

مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ۔

''کفر اور ایمان کے درمیان ڈانواں ڈول۔'' (سورۃ النساء:143)

یہ تذبذب، بے چینی اور حرکت کے معنی میں ہوا۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

راجع الی المه فی قرص ابدانهم حتی یسلبهم الصبر لها والوقار معها۔

''یہ مکھی بدن کو کاٹتی ہے اور تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ اس کے کاٹنے سے آدمی کا صبر اور وقار مجروح ہو جاتا ہے۔'' (تفسیر قرطبی سورۃ الحج، 73)

یعنی اچھا بھلا آدمی باوقار مجلس میں بیٹھا ہو تو مکھی اس کے صبر و وقار کو خراب کر دیتی ہے۔

مثلاً مامون الرشید عباسی خلیفہ نے امام شافعی رحمہ اللہ سے پوچھا کہ اللہ نے مکھی کو کیوں پیدا کیا ہے؟ امام نے جواب دیا...... مذلة للملوك...... بادشاہوں کو ذلیل کرنے کے لئے۔ مامون مسکرایا اور کہا کیا آپ نے میرے جسم پر مکھی دیکھ کر کہا ہے؟ امام نے فرمایا جی ہاں۔ اسی طرح کا واقعہ ہے ابو جعفر المنصور اپنے سرکاری دربار میں بیٹھا تھا کہ مکھی بار بار اس کے چہرے پر بیٹھتی تو پریشان ہو کر کہتا ہے دیکھو دروازے پر کون آیا ہے؟ بتایا گیا کہ مقاتل بن سلیمان ہے۔ کہا اسے میرے پاس بلاؤ۔ جب وہ اندر داخل ہوا تو اس سے پوچھا، اللہ نے مکھی کیوں پیدا کی ہے؟ مقاتل نے جواب دیا...... لیذل به الجبابرة...... تاکہ اس کے ذریعے جابروں کا غرور کم ہو۔ منصور جواب سن کر دم بخود رہ گیا۔

پیغمبر اسلام اور مکھی:

علامہ دمیری لکھتے ہیں:

ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ لَايَقَعُ علی جَسَدِهٖ ولا ثيابه ذباب اصلا۔

''کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لباس پر مکھی بالکل نہیں بیٹھتی تھی۔ (سند روایت بحوالہ ابن النجار)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مکھی میں چار (4) عیب ہے:

1 حقیر جانور 2 کمزور مخلوق

3 گندگی پسند جانور 4 بار بار تنگ کرنے والا جانور

ابو محمد المالقی کہتے ہیں کہ یہ مکھی...... ذباب الناس یتولد من الزِّبْلِ...... جو لوگوں کو پریشان کرتی ہے۔ یہ کوڑے کرکٹ، گوبر، لید وغیرہ سے پیدا ہوتی ہے۔

افلاطون کہتے ہیں کہ...... ان الذباب احرص الاشیاء...... مکھی سب سے زیادہ حریص ہے۔

علامہ دمیری کہتے ہیں والذباب اجهل الخلق لانه یلقی نفسه فی الهلكة...... مکھی ساری مخلوق میں جاہل ترین ہے کہ اپنے آپ کو تباہی میں ڈال دیتی ہے۔ یعنی چائے کا گرم کپ یا سالن کی گرما گرم پلیٹ میں جھٹ کود جاتی ہے اور ہلاک ہو جاتی ہے۔ اس لئے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِیْ شَرَابِ اَحَدِکُمْ فَلْیَغْمِسْه ثمّ لَینزِعَهٗ فان فی احدیٰ جناحیه داءً والاُ خریٰ شِفَاء۔

"جب کسی کے برتن میں مکھی گر جائے تو اسے پورا اس میں ڈبو کر باہر نکال پھینکے۔ کیونکہ اس کے دو (2) پروں میں سے ایک میں بیماری ہے اور دوسرے میں شفاء ہے۔"

امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو کتاب "بدء الخلق" میں لائے ہیں نیز کتاب الطب میں درج کی ہے۔ امام بخاری احادیث کو تکرار سے کیوں لاتے ہیں، یہ بحث پھر کبھی ان شاء اللہ۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عمر الذُبَابِ اربعون لیلةً والذباب کله فی النار الاالنحل۔

"مکھی کی عمر چالیس (40) راتیں ہوتی ہے۔ ہر قسم کی مکھی جہنم میں جائے گی۔ سوائے شہد کی مکھی کے۔"

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، و سنده لاباس به، یعنی اس حدیث کی سند میں نقص نہیں ہے۔ (حوالہ فتح الباری کتاب الطب)

جاحظ کہتے ہیں:

کونه فی النار لیس تعذیباً له بل لیعذب اهل النار به۔

''مکھی کو دوزخ میں سزا کے طور پر نہیں ڈالا جائے گا بلکہ دوزخیوں کو ستانے کے لئے وہاں ڈالی جائے گی۔'' (حوالہ مذکورہ)

لغت عرب میں محاورے:

مکھی کے بارے میں لغت عرب میں محاورے بن گئے۔ مثلاً

1. اجرأ من ذبابة...... مکھی سے زیادہ دلیر۔
یعنی مکھی بادشاہوں اور جرنیلوں کے منہ پر بیٹھنے کی جرأت رکھتی ہے۔
2. أهونُ مِن ذبابة...... مکھی سے زیادہ حقیر۔
3. أطیَشُ وَأخطَا مِنَ الذباب...... مکھی سے زیادہ جذباتی اور خطا کار جیسے مکھی طیش میں آ کر گرم چائے میں گر جاتی ہے۔ اسی طرح اردو میں محاورہ ہے، ''مکھی چوس'' جو شخص انتہائی بخیل ہو کہ سالن میں مکھی گر جائے تو اسے نکال کر ویسے ہی نہیں پھینک دیتا بلکہ اس مکھی کو چوس کر پھینکتا ہے کہ اس کے ساتھ لگا ہوا سالن بھی جانے نہ پائے۔

صحیح بخاری لکھنے کی تحریک:

امام بخاری رحمہ اللہ کو اتنی عظیم الشان حدیث کی کتاب تالیف کرنے کی ہمت اور تحریک تین (3) طرح سے ہوئی۔

1. انہوں نے حدیث کی ایک کتاب دیکھی جس میں صحیح، حسن اور کثیر ضعیف احادیث درج تھیں۔ امام صاحب کو یہ دیکھ کر دلی کوفت ہوئی اور عزم مصمم کر لیا کہ میں صرف صحیح احادیث کا مجموعہ تیار کروں گا۔
2. آپ کے استاد اسحاق بن راہویہ نے یہ تمنا ظاہر کی کہ اے میرے شاگردو! کاش تم سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح احادیث کا مجموعہ تیار کر ڈالو۔ آرزوئے استاد سن کر امام بخاری رحمہ اللہ کے دل میں یہ بات گھر کر گئی کہ یہ مجموعہ میں تیار کروں گا۔

3 امام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "میں نے خواب میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، گویا میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کھڑا ہو کر پنکھا جھل رہا ہوں تا کہ مکھیاں آپ سے دور رہیں۔ اس خواب کی تعبیر یہ بتائی گئی کہ آپ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تمام جھوٹی حدیثیں دور کر دیں گے۔

قارئین محترم! مذکورہ تینوں (3) اسباب اپنی اپنی جگہ درست ہیں، لیکن ہمارے موضوع کے متعلق آخری سبب ہے۔ یعنی مکھیاں دور کرنا۔ جھوٹ کو مکھی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ لہٰذا یہ مکھی اس لحاظ سے بھی قابل نفرت ہے۔

دونوں مکھیوں کے کرداروں کا باہمی موازنہ

شہد کی مکھی میں خوبیاں جو سب مسلمانوں میں ہونی چاہئیں۔

1 اس کی نسبت وحی الٰہی سے ہے۔
2 یہ پہاڑوں، درختوں اور بیلوں پر جاتی ہے۔
3 پھلوں، پھولوں کا رس چوستی ہے۔
4 شہد پیدا کرتی ہے جو شفاء ہے۔
5 موم پیدا کرتی ہے جس سے شمع روشن ہوتی ہے۔
6 انجینئروں سے بڑھ کر گھر بناتی ہے یعنی صرف مسدس گھر۔
7 یہ منظّم ہو کے رہتی ہے اور منظّم ہو کر سفر کرتی ہے۔ اطاعت کا جذبہ لئے ہوئے ہے۔
8 ایک امیر کے حکم پر سب چلتی ہیں۔ کئی حاکم نہیں بناتی۔
9 شکر کے چھوٹے چھوٹے کارخانے ہزاروں برس سے چلا رہی ہے۔
10 یہ دوزخ میں نہیں ڈالی جائے گی۔
11 یہ ذہین و فطین ہے بہادر دور اندیش ہے، حالات سے باخبر ہے۔
12 صاف جگہ گھر بناتی ہے۔
13 کسی مکھی کو چھتے میں نجاست لے جانے کی اجازت نہیں ورنہ اس کی

سزا سزائے موت ہے۔

14 میٹھا اور صاف پانی پیتی ہے۔

15 ان کی آوازوں کو عبادت گزاروں کی آوازوں سے مشابہت دی گئی ہے، جو مسجدوں سے اٹھتی ہے۔

16 ان کی آوازوں کو عرش الٰہی کے گرد ذکر کے ترنم سے تشبیہ دی گئی ہے۔

17 مومن کو شہد کی مکھی کے مانند بتایا گیا جو رزق حلال وطیب کھاتا ہے۔

18 بلال حبشی کو اس مکھی کی طرح بتایا گیا جو تلخ وشیریں سہتے اور صبر وشکر کرتے، مگر دوسروں کو شیرینی دیتے ہیں۔

19 مومن کی رفاقت، مشاورت اور ہم نشینی مکھی کی طرح نفع بخش ہے۔

20 مکھی بظاہر پرندوں میں چھوٹا جانور ہے مگر برکتوں سے مالا مال ہے۔ایسے ہی مومن عاجز بن کر دوسروں کو برکت دے۔

21 مکھی کے شہد میں تین (3) خوبیاں ہیں۔شفاء، شیریں، نرم وملائم۔ یہی خوبیاں مومن میں مطلوب ہیں۔

22 رسول ﷺ پر نازل ہونے والی وحی کو (دوی النحل) مکھی سی آواز کہا گیا۔اس لئے مومن قرآن کو ترتیل وترنم سے پڑھے۔

گھریلو مکھی:

اس عام مکھی کی خامیاں جو مومن میں نہیں ہونی چاہئیں:

1 گندگی کے ڈھیروں پر بیٹھتی ہے۔ جیسے جھگڑالو لوگ مخالفین کی خامیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر لاتے ہیں خوبیاں نہیں دیکھتے۔

2 گندے انڈے دیتی ہے۔ جیسے مذہبی لوگ، مخالفین پر زبان درازی کرتے ہیں اور بالآ خر امت کو جنگ وجدال میں جھونکتے ہیں۔

3 گندگی لے کر انسانی کھانوں پر آ بیٹھتی ہے۔جیسے غلاظت پسند لوگ

خوشگوار فضاؤں کو مذہبی منافرت میں بدل دیتے ہیں۔

4 دوزخ میں جائے گی۔

5 جاہل ہے، جذباتی ہے، جیسے جذباتی لوگ ہر وقت سیخ پا رہتے ہیں۔

6 بزدل ہے معمولی ہوا کے جھونکے سے دور ہو جاتی ہے۔ کوئی مضبوط اور ٹھوس کردار اسے میسر نہیں۔

7 کوتاہ اندیش ہے، ذرا دور اندیشی اسے نصیب نہیں۔

8 گندگی میں گھر بناتی ہے۔ جیسے مذہبی جنونیوں کے ذہن کدورتوں سے پر اور خوش اخلاقی سے محروم ہوتے ہیں۔

9 اس کی بھنبھناہٹ سے انسان کو کراہت ہوتی ہے۔ جیسے کہاوت ہے دن کو نرسیں (مکھیاں) رات کو ڈاکٹر (مچھر) سونے نہیں دیتے۔

10 کھانا چرانا اس کا کام ہے، جونہی داؤ لگتا ذرا نہیں چوکتی۔

11 آدمی اسے دور بھگاتا ہے یہ پھر آ دھمکتی ہے۔ لہٰذا داعی حق کو مکھی نہیں بن جانا چاہئے کہ اس سے نفرت ہونے لگے۔

12 ہر وقت بے چین اور ڈانواں ڈول رہتی ہے۔ اسے قرار و سکون نصیب ہی نہیں۔

13 بڑے بڑوں کے صبر کے پیمانے اچھال دیتی ہے۔

14 باوقار لوگوں کو بھری مجلس میں بے وقار کر دیتی ہے۔

15 یہ سب سے زیادہ حریص ہے، زیادہ سے زیادہ حاصل کرتے ہوئے ہلاک ہو جاتی ہے، جیسے لالچی حکمران جیل یا پھانسی تک پہنچ جاتے ہیں۔

16 بیماری والا پر ڈبوتی ہے اور شفاء والا بچاتی ہے۔ یعنی بیماری دیتی ہے دوسروں کو شفاء دینا پسند نہیں کرتی۔

17 حرص و جہالت کی بنیاد پر عمر بھی کم ہوتی ہے۔عمر طویل سے محروم ہے۔

18 دنیا میں ستاتی اور اہل دوزخ کو تنگ کرنے کے لئے وہاں بھی پہنچ جائے گی۔

19 وبائی امراض پھیلاتی ہے جیسے بیمار ذہنیت کے لوگ، مخالفین کی کتابوں سے خطرناک جراثیم لے کر معاشرے میں پھیلاتے ہیں۔تو کسی کو مسلک کا ہیضہ، کسی کو فرقہ بازی کا ملیریا ہو جاتا ہے۔ پھر وہ آپس میں ٹکراتے ہیں تو کفر کنارے پر کھڑا ہو کر خوش ہوتا ہے اور شیطان بغلیں بجانے لگتا ہے۔

20 یہ اتحاد جنس کی حامی نہیں بلکہ انتشار پھیلانے کی حامی ہے۔

21 غیر کی کمائی کھاتی ہے۔

22 انسان کے جسم پر وہاں جا کے بیٹھے گی جہاں زخم، پھوڑا، یا پھنسی ہو، تندرست جسم کو چھوڑ کر اسے بیمار جسم پسند ہے۔ یہی حال فقہی مناظرہ بازوں کا ہے، صحت افزا باتوں کو چھوڑ کر ان کی نگاہ بیمار باتوں میں اٹکتی ہے۔

❁❁❁

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

علم حاصل کرو چاہے چین جانا پڑے

موجودہ دور میں غلامانہ ذہنیت کے حامل لوگوں نے ایک روایت بے بنیاد کہ ''اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنِ'' کو بنیاد بنا کر دنیاوی علوم کے پیچھے اس زور سے دوڑے ہیں کہ کہیں ترقی کی راہوں میں ہم پیچھے نہ رہ جائیں، اپنی دنیاوی ہوس کو پورا کرنے کے لئے، اسلام سے سند جواز یہ روایت تلاش کی۔ لہٰذا ہم اس روایت کے بے اصل ہونے کے کئی پہلو واضح کرتے ہیں۔

☐ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس حدیث رسول کو فن حدیث کی رو سے ثابت کیا جائے کہ واقعی یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟ پھر روحِ اسلام کیا ہے؟ پھر عقلاً بھی درست ہے کہ نہیں؟

1. ماہرین حدیث میں سے امام بیہقی رحمہ اللہ اسے اپنی کتاب ''شعب الایمان'' میں لائے ہیں اور ساتھ تبصرہ فرماتے ہیں۔ هٰذَا الْحَدِيْثُ شِبْهُ مَشْهُوْرٍ، وَاِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ، وَرُوِيَ مِنْ اَوْجُهٍ، كُلُّهَا ضَعِيْفَةٌ

''یہ حدیث مشہور کے مشابہ ہے، اس کی سند ضعیف ہے اور بھی ذرائع سے یہ نقل ہوئی ہے، وہ سب ذرائع کمزور ہیں۔

ملاحظہ ہو: (شعب الایمان للبیهقی باب فی طلب العلم، حدیث 1663)

2. امام العقیلی رحمہ اللہ نے اسے اپنی ''ضُعَفَاء'' میں درج کیا ہے۔

3. خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اسے بروایتِ ابوعاتکہ جلد نہم صفحہ 364 پر درج کیا ہے اور آخر پر لکھا ہے (لَيْسَ بِثِقَةٍ) یہ راوی ثقہ نہیں یعنی قابل اعتماد نہیں ہے۔

4. فردوس الدیلمی رحمہ اللہ نے بھی یہ روایت نقل کی ہے: (جلد 1 صفحہ 78) علامہ اقبال رحمہ اللہ خطیب بغدادی اور دیلمی پر یوں طنز کرتے ہیں کہ ہمارے واعظوں کی رسائی بس انہی کتابوں تک ہے۔

از خطیب و دیلمی گفتارِ او
با ضعیف وشاذو مرسل کارِ او

یعنی خطیب بغدادی کی تاریخ بغداد سے اور دیلمی کی فردوس سے، ہمارے واعظوں اور قصہ گولوگوں کوضعیف ،شاذ اور مرسل روایات پیش کرنے کی توفیق تو ہے مگر صحیح روایات اور مستند و معتبر کتب حدیث تک ان کی پہنچ نہیں ہے۔

خطیب سے مراد، خطیب بغدادی یا خطیب تبریزی بھی ہو سکتے ہیں جو''مشکوۃ المصابیح'' کے مؤلف ہیں،اس میں بھی ضعیف روایات کافی ہیں۔

5 علامہ ذھبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:''طریف بن سلمان ابو عاتکه: قَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ، ذَاهِبُ الْحَدِيْثِ وَ قَالَ الْبُخَارِيُّ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ وَ قَالَ النِّسَائِيُّ :لَيْسَ بِثِقَة

''ابو حاتم نے کہا کہ ابو عاتکہ نا مقبول ہے۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ وہ منکر الحدیث ہے،امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ وہ قابل اعتماد نہیں ہے۔''یعنی ابو عاتکہ پر جرح مبہم عائد ہوئی۔باصطلاح محدثین کرام۔ (میزان الاعتدال:335/2)

6 علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں''مَتْرُوْكُ الْحَدِيْثِ، ذَاهِبُ الْحَدِيْثِ، كَذَّابٌ'' جب راوی میں یہ اوصاف ہوں تو اس کی روایت کوضبط تحریر میں نہیں لانا چاہئے۔ایسی حدیث نا قابل اعتبار ہے۔ (سلسلہ الاحادیث الضعیفۃ)

7 قَالَ الْمَنَاوِيُّ فِي الْفَيضِ :لَم يَصِح فِيهِ اسْنَادٌ

(حاشیۃ کنزل العمال:10/ 138)

''امام مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں لکھا کہ اس روایت کی سند صحیح نہیں ہے۔''

8 قَالَ ابْنُ حِبَّانِ :حَدِيْثٌ بَاطِلٌ لَا اَصْلَ لَهُ

''ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ حدیث باطل جھوٹ ہے،اس کی کوئی بنیاد نہیں۔''

یہ روایت اسلام کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے

☐ قرآن میں ہے يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفر

''اے پیغمبر! تمہارے لئے باعث رنج نہ ہوں وہ لوگ جو کفر کی راہ میں بڑی تیز گامی دکھا رہے ہیں۔'' (المائدہ:41)

- وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ

''دوڑ کر چلو اس راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور آسمان جیسی ہے۔'' (آل عمران:133)

- فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ (البقرة:143)

''پس تم بھلائیوں کی طرف سبقت کرو۔''

- وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَا اٰتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ (المائدہ:48)

''اگر تمہارا اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا، لیکن اس نے یہ اس لئے کیا کہ جو کچھ اس نے تم لوگوں کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے، لہٰذا بھلائیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔''

تشریح: ان مذکورہ آیات میں جو حکم دیے گئے ہیں وہ یہ ہیں:

ایک دوسرے سے آگے دوڑ لگا کے نکلنا ہے، تو جنت اور بخشش کی طرف دوڑو، نہ کہ چین یا یورپ کی طرف۔ مسابقت اور دوڑ لگانی ہے تو بھلائیوں میں لگاؤ نہ کہ برائیوں میں۔ بلکہ اہل کفر کی ترقیاں دیکھ کر کڑھتے نہ پھرو کہ ہائے ہم سائنس وٹیکنالوجی میں پیچھے رہ گئے، ہمارا کیا بنے گا؟

- قرآن کہتا ہے:

''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ:3)

''آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی

حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔"

تشریح: دین مکمل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسا مستقل نظام فکر و عمل اور ایک ایسا نظام تہذیب و تمدن بنا دینا ہے، جس میں زندگی کے جملہ مسائل کا جواب اصولاً (اجمالاً) یا تفصیلاً موجود ہو اور ہدایت و راہنمائی حاصل کرنے کے لئے کسی حال میں اس سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ (تفہیم القرآن: 1/ 444)

اس تکمیل دین کے بعد، کون سی کمی رہ گئی تھی جسے پورا کرنے کے لئے چین میں علم حاصل کرنے کی حدیث گھڑ لی گئی؟

- قرآن کہتا ہے:

"لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ○ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ (آل عمران: 196)

اے نبی! دنیا کے ملکوں میں اللہ کے نافرمان لوگوں کی چلت پھرت (Movement) تمہیں کسی دھوکے میں نہ ڈال دے، محض چند روزہ زندگی کی بہار ہے، پھر یہ سب جہنم میں جائیں گے۔"

شاید علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اسی لئے کہا ہے:

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

- قرآن کہتا ہے:

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰى إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهُ فَوَفّٰهُ حِسَابَهُ وَاللّٰهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ (النور: 39)

"جنہوں نے کفر کیا ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے دشت بے آب میں سراب، کہ پیاسا اس کو پانی سمجھے ہوئے تھا، مگر جب وہاں

پہنچا تو کچھ نہ پایا، بلکہ وہاں اس نے اللہ کو موجود پایا، جس نے اس کا پورا پورا حساب چکا دیا، اور اللہ کو حساب لیتے دیر نہیں لگتی۔''

تشریح: یعنی ریگستان میں چمکتی ہوئی ریت کو دور سے دیکھ کر، جس طرح پیاسا یہ سمجھتا ہے کہ پانی کا ایک تالاب موجیں مار رہا ہے اور وہ منہ اٹھائے اس کی طرف، پیاس بجھانے کی امید لئے ہوئے دوڑتا چلا جاتا ہے، اسی طرح تم ان اعمال کے جھوٹے بھروسے پر موت کی منزل کا سفر طے کرتے چلے جا رہے ہو۔

☐ قرآن مزید کہتا ہے:

أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرَاهَا (النور:40)

''یا پھر اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گہرے سمندر میں اندھیرا کہ اوپر ایک موج چھائی ہوئی ہے، اس پر ایک اور موج ہے اور اس کے اوپر بادل، تاریکی پر تاریکی مسلط ہے ایسے میں آدمی اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی نہ دیکھنے پائے۔''

تشریح:

یعنی ان کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی مکمل تاریکیوں میں ڈوبا ہوا ہو، روشنی کی ایک کرن تک اسے نہ پہنچ سکتی ہو، ایسے لوگ سمجھتے ہیں کہ ایٹم بم، ہائیڈروجن بم، آواز سے تیز رفتار طیارے، اور چاند تک پہنچنے والی ہوائیاں بنا لینے کا نام علم ہے، ان کے نزدیک معاشیات و مالیات اور قانون و فلسفے میں مہارت کا نام علم ہے، مگر حقیقی علم ایک اور چیز ہے اور اس کی ان کو ہوا تک نہیں لگی۔ اس علم کے اعتبار سے وہ جاہل محض ہیں، اور ایک ان پڑھ دیہاتی علم الٰہی رکھنے والا عالم ہے۔ (تفہیم القرآن:411/3)

قرآن کہتا ہے: وَأَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (النساء:113)

''اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت (The Book and The Wisdom)

نازل کی ہے اور تم کو وہ کچھ بتایا جو تمہیں معلوم نہ تھا اور اس کا فضل تم پر بہت ہے۔''

تشریح:

جو پیغمبر اللہ کی طرف سے مکمل ضابطہ حیات لایا ہو اور جس نے اللہ سے پوری حکمت پائی ہو، وہ پیغمبر ممکن ہی نہیں کہ مکمل علم و ہدایت سے ہٹ کر، نامکمل انسانی علوم کی طرف رغبت دلائے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی جعلی نبی، اپنے پیروکار سے کہے کہ جب کوئی مسئلہ میری تعلیمات میں نہ ملے تو پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی کر لینا۔ اب ایسے بناوٹی نبی سے کوئی پوچھ سکتا ہے کہ اگر آپ کی تعلیمات نامکمل ہیں تو نبوت کا دعویٰ کرنے کی کیا مجبوری ہے؟ اور اگر دعوائے نبوت کرنا ہی تھا تو نبی ہوتے ہوئے ایک امتی امام کی طرف راہنمائی کی کیا ضرورت پیش آئی؟ کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ آخر امتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہیں، نہ کہ نبی۔ لہٰذا کامل واکمل پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اپنی تعلیمات کاملہ کے ہوتے ہوئے، چین جا کر علم حاصل کرنے کا حکم کیسے دے سکتے ہیں؟

اسلام کی سر بلندی، مغربی علوم میں نہیں ہے

قریباً 1900ء میں چند زندہ دل مسلمانوں نے یہی سوچ سمجھ کر ہندوستان میں مسلم علی گڑھ یونیورسٹی کی بنیاد رکھی تھی کہ ہم اگر مغربی علوم، سائنس وفلسفہ وغیرہ نہیں پڑھیں گے تو موجودہ زمانے کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے، مگر 1935ء یعنی 35 برس بعد مسلمان اپنے سر پیٹنے لگے کہ اس مسلم یونیورسٹی سے فارغ ہونے والے نوے فیصد طلبہ، ملحد اور دہریے بن گئے ہیں، بلکہ ان میں سے ایک سند یافتہ علیگ نے اپنے دردِ دل کی کہانی یوں بیان کی۔

''علی گڑھ میں مجھے اسلامی دنیا کے خارجی فتنوں اور انگریزی زدہ ہو کر آخری ارتقائی منزل یعنی کمیونزم سے دوچار ہونا پڑا۔ میں پہلے مغربیت کو کوئی خطرناک چیز نہ سمجھتا تھا۔ لیکن علی گڑھ کے تجربات نے مجھے حقیقت سے روشناس کرا دیا۔ اسلامی ہند کے اس مرکز میں خاص تعداد ایسے افراد کی موجود ہے جو اسلام سے مرتد ہو کر، کمیونزم کے پُرجوش مبلغ بن گئے ہیں۔ اس جماعت میں تمام اساتذہ ذہین اور ذکی ہیں جو نئے آنے والے طلبہ کو اپنے

جال میں پھانستے ہیں، ان لوگوں نے کمیونزم کو اس لئے اختیار نہیں کیا کہ وہ غریبوں، کسانوں اور مزدوروں کی حمایت اور امداد کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ان کی عملی مُسرفانہ زندگیاں، ان کی بناوٹی باتوں پر پانی پھیر دیتی ہیں، بلکہ انہوں نے اسے اس لئے اختیار کیا ہے کہ وہ ایک عالم گیر تحریک کے سایہ میں، اپنی اخلاقی کمزوریوں اور اپنے ملحدانہ رجحاناتِ طبع اور اپنی Loose Thinking کو Justify کر سکیں، کمیونزم نے مجھے بھی دھوکہ دیا۔ میں نے یہ خیال کیا کہ اسلام ہی کا ایک Unauthorised ایڈیشن ہے، لیکن بغور مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اسلام کے اور اس کے بنیادی نصب العین میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔"

☐ اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ مسلم یونیورسٹی کی تعلیم و تربیت صرف ناقص ہی نہیں، بلکہ ان مقاصد کے بالکل برعکس نتائج پیدا کر رہی ہے، جن کے لئے سر سید احمد، محسن الملک اور وقار الملک وغیرہ نے ایک مسلم یونیورسٹی کی ضرورت ظاہر کی تھی اور جن کے لئے مسلمانوں نے اپنی بساط سے بڑھ کر، جوش و خروش کے ساتھ اس درسگاہ کی تعمیر کا خیر مقدم کیا تھا۔

☐ سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ اس پر مزید رقمطراز ہیں: آپ اس انجینئر کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے، جس کی بنائی ہوئی موٹر آگے چلنے کے بجائے پیچھے دوڑتی ہو؟

(ملاحظہ ہو تعلیمات صفحہ: 11,10)

کون سا علم چین میں تھا؟

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب 610ء میں اعلانِ نبوت فرمایا، اس وقت دنیا کی سپر پاور ایران نے، اپنے مدمقابل روم پر چڑھائی شروع کی اور مسلسل فتح پاتا گیا، پھر رومی فوجوں نے 627ء میں ایران کی کمر توڑ دی، قیصرِ روم نے 629ء میں "مقدس صلیب" بیت المقدس میں نصب کی، اسی سال نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کے بعد عمرۃ القضا ادا کرنے کے لئے پہلی بار مکہ معظمہ میں داخل ہوئے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین چار سال دنیا میں رہے، یعنی غالب سپر پاور روم بن گئی تھی جس سے ٹکرانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک تک گئے تھے۔

☐ اب سوال یہ ہے کہ جو تہذیب و تمدن دنیا میں غالب و فاتح ہو، لوگ اسے ترقی

یافتہ سمجھتے ہیں اور علوم وفنون ان سے سیکھے جاتے ہیں، اگر آپ ﷺ نے علوم وفنونِ دنیوی کے حصول کی رغبت دلائی تھی تو ایران وروم کی طرف حکم فرماتے نہ کہ چین کی طرف۔

آپ ﷺ کی پوری سیرتِ مبارکہ گواہ ہے کہ آپ نے اپنے زمانے کی متمدن سپر پاورز کے پاس جاکر، علوم وفنون سیکھنے کا کوئی حکم نہیں دیا۔ تو پھر چین میں کیا خوبی تھی جو اس کا نام لیا؟ ان تاریخی حقائق سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث من گھڑت ہے کہ "علم حاصل کرو چاہے چین جانا پڑے۔"

☐ ایک اور زاویہ نگاہ سے دیکھ لیں کہ حضور ﷺ جس چیز کا بھی حکم دیتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فوراً اس پر عمل کرتے تھے، تاریخ صحابہ میں کوئی صحابی ایسا نہیں جس نے چین جاکر، علوم وفنون سیکھے ہوں، یعنی اگر یہ حکم پیغمبر ﷺ تھا تو اس کی تعمیل کب اور کہاں ہوئی؟ جو صحابہ حضور ﷺ کے بعد چین گئے وہ جہاد کے لئے گئے نہ کہ تحصیل علم کے لئے اور یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جانا صرف چین ہی میں نہیں ہوا بلکہ مغرب سے لے کر مشرق تک کئی ملکوں میں ہوا۔

☐ لہٰذا چین میں اس وقت کوئی علوم وفنون کا چرچا تھا نہ مذہبی طور پر کچھ تھا، نہ سیاسی، نہ اقتصادی، نہ صنعتی ترقی، الغرض کچھ بھی نہ تھا۔ صرف بت پرستی تھی۔

☐ پیغمبر اسلام ﷺ نے جو دین پیش کیا تھا وہ اپنے طور پر ہر لحاظ سے مکمل تھا، دوسروں کی طرف وہ لوگ دیکھا کرتے ہیں، جن کے اپنے پلے کچھ نہیں ہوتا۔ آج کے مسلمان حکمران جو اپنے مذہب سے بیگانے ہیں، غیروں سے علوم وفنون سیکھتے ہیں، مگر رسول ﷺ کے شاگردانِ گرامی خلفائے راشدین نے، عظیم الشان اسلامی حکومت اور مثالی حکمرانی کی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کسی ملک سے طرزِ حکومت سیکھنے گئے نہ عمر رضی اللہ عنہ گئے، مگر ان جیسی حکومت کو انسانیت آج تک ترستی ہے۔

☐ کہا جاتا ہے کہ ہم اپنے بچوں کو ڈاکٹر بنائیں، انجینئر بنائیں، قانون دان بنائیں، تاکہ دیگر اقوام کا مقابلہ کرسکیں۔

قارئین کرام!

اقوام کا مقابلہ ایسے تو نہیں ہوسکتا، البتہ روٹی کا مسئلہ بہتر ہوسکتا ہے اور پیٹ کی آگ پھر بھی بجھ نہ سکے گی۔ اقوامِ عالم کا مقابلہ نہیں، بلکہ غلبہ پانے کے لئے الٰہی علوم درکار ہیں جو روحوں کو صاف کرتے ہیں، ہم روح کو چھوڑ کر صرف پیٹ کے مسائل پر زور دے رہے ہیں، جس کا نتیجہ نری ناکامی ہے، آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر لاکھوں مسلمان ڈاکٹر بن جائیں، لاکھوں انجینئر بن جائیں، لاکھوں قانون دان بن جائیں، کیا یہ اسلامی انقلاب برپا کر دیں گے؟ یہ ناممکن ہے۔ علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ نے بہت واضح اور خوب لکھا ہے کہ دیگر اقوام کی ترقی کا راز یہ ہے کہ وہ آگے بڑھتی جائیں، مگر مسلمانوں کی ترقی کا راز یہ ہے کہ وہ پیچھے کو ہٹتے جائیں، یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جاملیں۔

چین کے بارے میں

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ چھٹی صدی قبل مسیح تک...... چینیوں کا مذہب اصنام پرستی تھا، اس کے بعد وہ اپنے ملک ہی کے دو مذاہب، تاؤمت اور کنفیوشیت کے درمیان تقسیم ہو گئے، آخر میں ایک غیر ملکی مذہب قبول کر بیٹھے، جس کا نام بدھ مت ہے۔

☐ تجارتی طور پر، ریشمی کپڑے، ریشم، چینی کے برتن اور کاغذ برآمد کیے جاتے تھے، اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ مذہب تو رہا ایک طرف، کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ریشم اور برتن کے علوم سیکھنے کے لئے امت کو حکم دینا تھا؟ یا کاغذ کا علم؟ کیا ان چیزوں کے بغیر اسلام مکمل نہیں ہوسکتا تھا؟ یا اسلام غالب نہیں آسکتا تھا؟

ماہرین فن حدیث کی مزید تنقیدات

چین سے علم والی حدیث، ابن کرّام کے حوالے سے بھی نقل ہوئی ہے۔ علامہ ذھبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

1 ابن عدی نے کہا: اَلْجُوَیْبَارِی، ابن کرّام کی مرضی کے مطابق حدیث گھڑ لیا کرتا تھا۔

2 ابن حبان نے کہا: الجویباری دجالوں میں سے ایک دجال ہے۔

3 نسائی اور دارقطنی نے کہا: وہ کذاب (بہت جھوٹا) ہے۔

4 ذھبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: الجویباری، جھوٹ بولنے میں ضرب المثل بن گیا تھا۔

5 امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میں الجویباری کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھتا تھا، اس نے ایک ہزار (1000) سے زیادہ جھوٹی حدیثیں گھڑ لی ہیں۔

6 امام الحاکم نے کہا: ھٰذَا کَذَّابٌ خَبِیْثٌ یہ بہت جھوٹا اور گندا ہے۔ فضائل میں اس نے بہت حدیثیں گھڑیں، کسی صورت اس کی روایت جائز نہیں ہے۔

(میزان الاعتدال 1/ 107-108)

جس روایت کا یہ حال ہو، اسے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہنا ہی گناہ کی بات ہے، یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بہتان ہے۔ ایسی خود ساختہ چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب نہ کریں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے۔

(لَا تَکْذِبُوا عَلَیَّ فَإِنَّهُ مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ فَلْیَلِجِ النَّارَ)

"مجھ پر جھوٹ نہ باندھنا، جو میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے گا وہ جہنمی ہے۔" (صحیح البخاری کتاب العلم)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب یہ باندھا ہے:

"بَابُ اِثْمِ مَنْ کَذَبَ عَلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم"

جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھے، اس کا گناہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت پر چین کی حالت

قاضی سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ جو ریاست پٹیالہ کے سیشن جج رہے اور معروف و معتبر تاریخ دان ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ عالم کے لئے مبعوث ہوئے تو یہ وہ زمانہ تھا کہ ساری دنیا پر جہالت کی تاریکی چھا رہی تھی، وحشت و درندگی دنیا پر مسلط تھی، انسانیت، تہذیب اور اخلاق کے نام شاید کتابوں میں نظر آ سکتے تھے، مگر دلوں پر کوئی اثر نہ تھا۔

1 بنی اسرائیل تو مسیح علیہ السلام سے بھی پہلے سانپ اور سانپ کے بچے کہلانے کے مستحق قرار پا چکے تھے۔

(O generation of Vipers Matthew ch 3,V 7)

2 انگلستان میں برٹن اور سیکسن وحشی قومیں آباد تھیں۔نواحِ انگلستان میں درڈن بت کی پرستش کی جاتی تھی،فرانس انہی وحشی قوموں سے معرکہ آرا تھا۔

3 ایران پر مزدکیہ کا زور تھا،جنہوں نے: زن، زر، زمین کو وقفِ عام کر دینے سے، اخلاق و انسانی ترقیات کو ملیامیٹ کر دیا تھا۔

4 ہندوستان کے مندروں میں عورتوں اور مردوں کی ننگی تصاویر لگا کر ان کی پرستش ہوتی تھی۔

5 چین کے باشندوں نے اپنے ملک کو آسمانی فرزندگی بادشاہت سمجھ کر، اللہ سے منہ موڑ لیا تھا، ہر کام کے بت جدا جدا تھے،کوئی بارش کا،کوئی اولاد کا،کوئی جنگ کا،کوئی امن کا اور ہر بت کو سزا دینا بھی بادشاہ ہی کے اختیار میں تھا۔کانفیوشس کو چین کا مصلح سمجھا جاتا ہے لیکن اس وقت تک اس کا بھی چرچا نہ ہوا تھا۔

5 عرب کی حالت بھی ایسی ہی تھی نہ کوئی قانون، نہ حکومت، نہ تہذیب و تمدن تھا، بس جنگ ہی جنگ اور شرک ہی شرک تھا، اس بدترین حالت ہی نے ان کو زیادہ قابل رحم ٹھہرایا اور رب العالمین نے اصلاحِ عالم کا آغاز اسی سرزمین سے پسند فرمایا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی رحمۃ للعالمینی کی پہلی بارش اسی علاقے پر برسی، پھر یہ بارانِ رحمت رفتہ رفتہ ساری زمین پر پھیلتی گئی انسانوں کی بنجر زمین میں سبزہ اُگا اور بہار آئی۔

قرآن وحدیث کی حفاظت

اللہ نے اپنے کلام مقدس کو جیسے محفوظ فرمایا، اسی طرح اپنے پیارے پیغمبر ﷺ کی سیرت پاک کو بھی محفوظ رکھنے کے انتظامات فرما دیے۔ دشمنانِ اسلام نے ہمیشہ ناپاک کوششیں اور سازشیں کیں کہ کسی طرح قرآن کریم کو بدلا جائے اور حدیث رسول ﷺ کو بدنام کیا جائے، ان تمام مذموم حرکتوں کے باوجود، اللہ کے فضل سے ہر زمانے کے علمائے اسلام نے ان لوگوں کی سازشوں کو ناکام کیا اور ان کے خفیہ ارادوں کا پردہ چاک کیا۔ قرآن کریم اور حدیث شریف میں کیا کیا کارستانیاں کی گئیں، ان کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں تاکہ فریب خوردہ مسلمانوں کو یقین آ جائے کہ یہ کتنی خطرناک چیز تھی جس کی بروقت ماہرین قرآن وحدیث گرفت کرتے رہے اور آج محفوظ ومعتبر طریقے سے یہ دونوں ہدایت کے چشمے صاف وشفاف ہم تک پہنچے۔ مولانا حالی رحمہ اللہ نے کیا خوب انہیں خراجِ تحسین پیش کیا:

گروہ ایک جو یا تھا علم نبی کا — لگایا پتا جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذبِ خفی کا — کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا

قرآنِ کریم میں تصحیف Misreading کی مثالیں

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر بہت عمدہ کتاب (اَلْمُؤتَلِفُ وَالْمُخْتَلِفُ) چار جلدوں میں لکھی ہے۔ انہوں نے ابو احمد العسکری کے حوالے سے یہ واقعہ ذکر کیا ہے۔

مشہور قاری حمزہ زیات نے اپنے بچپن کی کہانی بتائی کہ وہ خود قرآن سیکھ رہے تھے، ایک روز ان کے والد نے ان سے قرآن سنا تو حمزہ پڑھ رہے تھے (آلم ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا زَيْتَ فِيْهُ) باپ سن کر پریشان ہوئے اور کہا: بیٹے (دَعِ الْمُصْحَفَ وَتَلَقَّنْ مِنْ اَفْوَاهِ الرِّجَالِ) قرآن کے اس نسخے کو ترک کر دو اور لوگوں کی زبان سے قرآن سیکھو۔ زَيْتٌ کا معنی تیل اور رَيْبٌ کا معنی شک ہے۔

□ پرانے زمانے میں پرنٹنگ پریس نہ تھے لوگ ہاتھوں سے قرآن کے قلمی نسخے تحریر کرتے، تو اس میں کہیں نہ کہیں کوئی کتابت کی غلطی ہو جاتی۔ مگر قرآن کے حافظ ہر زمانے میں ہزاروں، لاکھوں ہوتے تھے، وہ فوراً ایسی غلطی پکڑ لیتے تھے۔

□ اسی طرح ایک اور واقعہ ہے۔ ابن الراوندی نے ذکر کیا کہ میں ایک بار ایک بزرگ کے پاس سے گزرا ان کے ہاتھ میں قرآن کا نسخہ تھا اور وہ تلاوت کر رہے تھے۔ (وللّٰہِ مِیْزَاب السمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ) میں نے انہیں ادب سے سلام کیا اور پوچھا: بزرگو! آپ کیا پڑھ رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: قرآن پڑھ رہا ہوں۔ میں نے کہا: مِیْزَابُ السَّمٰوٰتِ کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے کہا: یہ جو بارش برستی ہے۔ (کیونکہ میزاب کا معنی پرنالہ ہے۔) حالانکہ اصل میں (میراث السمٰوٰات) ہے میں نے کہا: یہ لفظ میزاب نہیں میراث ہے۔ وہ بزرگ آہ بھر کر کہنے لگے اللہ مجھے معاف کرے، میں چالیس (40) سال سے اسی طرح پڑھتا آ رہا ہوں، کیونکہ میرے قرآنی نسخے میں ایسا ہی لکھا ہے۔

□ تیسرا واقعہ عثمان بن ابی شیبہ کا ہے۔

فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَظِل)(البقرہ:265) اصل میں لفظ فَطَلٌّ)

"ہلکی پھوار" تھا، جو غلطی سے ظِلّ بمعنی سایہ لکھا اور پڑھا گیا۔ ایک نقطے کی غلطی سے۔

□ اسی طرح انہوں نے ایک بار (اَلْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنِ)(المائدہ:4) کو (اَلْخَوَارِجِ مُكَلِّبِيْنِ)پڑھا۔ جوارح، شکاری جانور ہوتے ہیں اور خوارج، خارجیوں کو کہتے ہیں جو علی رضی اللہ عنہ کے باغی تھے، ایک نقطے نے کام خراب کر ڈالا۔

□ ایک بار انہوں نے پڑھا: (فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسِنَّوْرٍ لَّهُ نَابٌ) حالانکہ اصل (بِسُوْرٍ لَّهُ بَابٌ) ہے(الحدید:13) سِنور بلی کو کہتے ہیں اور ناب کچلی (Canine) Tooth کو کہتے ہیں۔ یہ تو تھیں چند مثالیں قرآن کریم میں تصحیف (Mispronunciation) کی۔

حدیث شریف میں تصحیف Misreading کی مثالیں

- سند میں تغیر: مثلاً عن العوام بن مراجم لیکن ابن مراجم کو ابن مزاحم بناڈالا راءاور جیم کی جگہ زاءاور حاء بدل گیا۔
- متن حدیث میں تبدیلی مَایَزِنُ ذَرَّةٍ 'جو ذرے کے ہم وزن ہو۔' "ذَرّۃ" کو "ذُرۃ" کر دیا۔ ذرہ معمولی چیز اور ذُرۃ مکئی (Corn) کو کہتے ہیں۔
- کتاب سے پڑھنے میں غلطی کرنا، جب کہ استاد کی زبان سے نہ سنے۔

مثلاً زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: (اِحْتَجَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِی الْمَسْجِد) "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چٹائی وغیرہ سے، مسجد میں حجرہ بنایا جس میں نماز پڑھتے تھے۔ مگر اس حدیث کو ابن لھیعہ نے اپنے استاد کی کتاب سے "احتجر" کے بجائے غلطی سے "احتجم" پڑھ لیا۔ اور اپنے استاد موسیٰ بن عقبہ کی زبانی اس حدیث کو نہ سنا۔ احتجر کی آخری راء کے بدلے میم پڑھ بیٹھے جس کا معنی ہے "سینگھی لگوانا۔" اسے کہتے ہیں سوئے قرأت جو مشابہ حروف کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ایسی غلطیاں وہ لوگ کرتے ہیں جو کتابوں سے براہ راست علم حاصل کرتے ہیں اور ان کا کوئی استاد نہیں ہوتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ کتاب کے ساتھ ساتھ استاد کی راہنمائی حاصل ہو۔ دنیاوی علوم کے لئے بھی یہ ضروری ہے۔ Text Books گھر بیٹھے پڑھ کر کوئی ڈاکٹر بن سکتا ہے نہ انجینئر جب تک کہ وہ کسی استاد کی مدد حاصل نہ کرے۔ مثلاً انگلش الفاظ ہی کو لیں But کو ہم بٹ پڑھیں گے، اسی وزن پر Put ہے اسے ہم اپنی طرف سے پٹ نہیں پڑھ سکتے، یہ اہل زبان اور اہل علم سے پتہ چلے گا کہ بے شک دونوں الفاظ ہم وزن ہیں مگر دونوں کے تلفظ جدا جدا ہیں، ایک بٹ ہے باء کے زبر سے اور دوسرا پٹ ہے پ کے پیش سے۔ الفاظ سے آگے جملوں میں خطائیں ہوتی ہیں۔

سلف صالحین یہ کہا کرتے تھے: (لَا تَحَمَّلُوا الْعِلْمَ عَنْ صُحُفِیٍّ وَلَا تَاْخُذُوا الْقُرْآنَ مِنْ مُّصْحَفِیٍّ) صرف میرے کتابی مسودوں سے علم نہ حاصل کرو اور نہ میرے

مصحف سے قرآن سیکھو"۔ یعنی کتاب کے ساتھ میری راہنمائی حاصل کرو۔ ورنہ تحریر کچھ اور ہوگی اور آپ اسے کچھ اور پڑھتے رہیں گے۔ "حـمـیـل" اٹھایا ہوا کو "جمیل" خوبصورت پڑھ سکتے ہو۔ جس طرح کسی اردو شاعر نے کہا۔

ہم دعا لکھتے رہے وہ دغا پڑھتے رہے
ایک ہی نقطے نے ہمیں محرم سے مجرم کردیا

لہٰذا کتابوں کے ساتھ ساتھ، استاد سے سماع ضروری ہے۔ مجاہد کہتے ہیں میں نے حماد سے کہا: مجھے خصیف کی کتاب دکھائیں، تو وہ حصین کی کتاب اٹھالائے، جب میں نے دیکھا کہ اسے خصیف اور حصین میں تمیز نہیں ہے تو میں نے اسے ترک کردیا۔

پرانے علماء اپنے شاگردوں کو فراغت کے وقت اجازت دیتے تھے کہ اب آپ آگے علم پڑھا سکتے ہیں۔ کیونکہ انہیں یقین ہوجاتا تھا کہ شاگرد نے پوری توجہ سے علم کتابی اور سماعی حاصل کرلیا ہے۔

☐ لفظی تصحیف: ایک حدیث ہے (مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَ اَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ) "جو رمضان کے روزے رکھے اور پھر بعد میں شوال کے چھ۔" لیکن راوی نے غلطی سے ستا کے بجائے "شیًا" کہہ دیا، سین کے بجائے شین اور یاء بڑھادی۔

☐ معنوی تصحیف: حضور ﷺ نے اپنے نیزہ (عنزہ) کو آگے سترہ کے طور پر گاڑا اور اس کی طرف نماز پڑھی۔ عنزہ نیزے کے علاوہ، ایک قبیلہ کا نام بھی تھا اس کے ایک آدمی نے یہ حدیث سنی تو کہنے لگا دیکھو ہمارے قبیلے کو شرف حاصل ہے کہ حضور ﷺ نے ہمارے قبیلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی۔ (المؤتلف والمختلف: 58-63)

ایک لطیفہ

اسی طرح کسی نے سن رکھا تھا: "لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ" "جب تک دل حاضر نہ ہو تو نماز نہیں ہوتی۔" وہ ایک روز نماز پڑھ رہا تھا اور اپنا کتا اپنے آگے باندھا ہوا تھا کسی نے پوچھا، یہ آپ نے کیا کیا؟ تو اس نے زبانی وہ روایت سنائی، لیکن وہ قلب (دل) کو کلب (کتا) پڑھ رہا تھا۔ یعنی (ق) اور (ک) میں

فرق نہ کرسکا۔ اس نے سمجھا، جب تک کتا حاضر نہ ہو تو نماز نہیں ہوتی۔

☐ دشمنانِ دین نے کئی نازیبا حرکتیں حدیث رسول ﷺ سے کیں۔ مثلاً آپ ﷺ نے فرمایا (لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ) میرے بعد کوئی نبی نہیں۔" مگر جالوں نے اس کے آگے یہ الفاظ بڑھا دیئے۔ (اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہ) "مگر جو اللہ چاہے۔" یعنی نبوت کا دروازہ جو بند کیا گیا، اسے فریب کے ساتھ کھولنے کی کوشش کی گئی۔

اب ایسے حالات میں محدثین کرام نے سخت محنتیں نہ کی ہوتیں تو آج ہم بہت پریشان ہوتے۔ محدثین سے اللہ نے بروقت، اپنے رسول کی احادیث کو محفوظ کرنے کا ذریعہ پیدا کر دیا۔ انہوں نے اصول حدیث مرتب کیے، کتابیں لکھیں اور ہم سکھ میں آ گئے۔

اسلام کس علم پر زور دیتا ہے؟

قرآن وحدیث کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جسے "العلم" کہا گیا وہ علم شریعت ہے نہ کہ دنیاوی علوم۔ چنانچہ اللہ فرماتا ہے:

یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ

"تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم بخشا گیا ہے، اللہ ان کے درجات بلند کرے گا۔" (المجادلۃ: 11)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے آیت مذکورہ میں "العلم" کی تفسیر "العلم الشرعی" شرعی علم لکھا ہے۔ (روح المعانی جلد: 14)

☐ امام رازی رحمہ اللہ نے القاضی کے حوالے سے ذکر کیا کہ علم کی فضیلت یہ ہے، مذکورہ آیت کی رو سے کہ بے علم مومن کی اطاعت نہیں کی جائے گی، بلکہ صاحب علم مومن کی اطاعت کی جائے گی، کیونکہ وہ حرام ومشتبہات سے بچتا ہے، محاسبۂ نفس سے ڈرتا ہے، عبادت خشوع اور عاجزی سے کرتا ہے، توبہ کی کیفیات وصفات کا علم رکھتا ہے، حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال رکھتا ہے، گناہوں کی سزاؤں کو جانتا ہے اور ان سے بچتا ہے۔ (تفسیر رازی جلد 29)

☐ علامہ ابن جریر رحمہ اللہ اسی آیت کے تحت ابن زید رحمہ اللہ کا قول لائے ہیں:

(وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ) یعنی (فِیْ دِیْنِہِمْ اِذَا فَعَلُوْا مَا اُمِرُوْا بِہٖ) کہ

وہ اہل علم درجات میں بلند ہوتے ہیں، جو حکم ملنے پر اپنے دین کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

- سورہ طٰہٰ میں ارشاد ربانی ہے: اور دیکھو! قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیا کرو، جب تک کہ تمہاری طرف، اس کی وحی تکمیل کو نہ پہنچ جائے اور دعا کرو: (رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا) "اے رب! مجھے مزید علم عطا کر۔" (طٰہٰ: 114)

- علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری زندگی ترقی علم کی دعا کرتے رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے:
(اللّٰهُمَّ انْفَعْنِي بِمَا عَلَّمْتَنِي وَ عَلِّمْنِي مَا يَنْفَعُنِي وَزِدْنِي عِلْمًا) (ترمذی، ابن ماجہ)
"اے اللہ! جو تو نے مجھے علم دیا ہے اس سے مجھے فائدہ دے اور جو مجھے فائدہ دے، وہ علم عطا کر، اور میرے علم میں ترقی دے۔"

تشریح:

اس قرآنی حکم اور اس دعائے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کون سا علم مراد ہے؟ کیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدانخواستہ اپنے رب سے سائنس اور ٹیکنالوجی کا علم مانگ رہے تھے کہ میں ہوائی جہاز بنا کر اڑاؤں اور ٹینک، توپیں بناؤں، یا ایٹم بم بناؤں یا ڈاکٹر اور انجینئر پیدا کروں یا صنعتی انقلاب لا کر اپنی امت کو مالا مال کروں۔ آخر وہ کیا علم تھا جس کی دعائیں ہوتی رہیں، ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اسلام جو علم عطا کرتا ہے، وہ انسان کے باطن اور روح کے روگ اور بیماریاں دور کرتا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی انسان کے ظاہر کو تو بہتر بنانے مگر انسان کو انسان کا دشمن بنانے کے لئے ہے۔ جو قوم بھی ان علوم میں ماہر ہوئی اس نے دوسری اقوام پر ظلم کے پہاڑ توڑے۔ دنیاوی علوم انسان کو شقی القلب بناتے ہیں اور دینی علوم انسان کے دل کو موم کرتے ہیں۔ دنیاوی علوم انسان کو خودغرض (Selfish) بناتے ہیں اور اسلامی علوم انسان کو سخی اور فیاض بناتے ہیں۔ اسلامی علوم سے انسانیت کو راحت و

سکون ملتا ہے اور دنیاوی علوم سے فتنہ وفساد برپا ہوتا ہے۔ الٰہی علوم سے انسان، ہمدرد و غمگسار بنتا ہے اور دنیاوی علوم سے عیار ومکار بنتا ہے۔

1 قرآن کہتا ہے: وَلٰكِنْ كُوْنُوا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ (آل عمران:79)

''سچے ربانی بنو جیسا کہ اس کتاب کی تعلیم کا تقاضا ہے، جسے تم پڑھتے اور پڑھاتے ہو۔''

تشریح:

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ كُوْنُوا عُلَمَاءَ فُقَهَهَ

''عالم بنو اور فقیہ بنو۔'' (رواہ البخاری تعلیقاً)

2 امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علماء کو ربانی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ علم کو قائم رکھتے ہیں۔

3 یہ بھی کہا جاتا ہے کہ علماء کو ربانی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ طلبہ کو رفتہ رفتہ علمی تربیت دیتے ہیں یعنی آسان سے مشکل علم کی طرف، چھوٹے سے بڑے علم کی طرف۔

4 یہ بھی کہا گیا کہ ربانی دراصل وہ صاحبانِ علم ہیں جو حلال وحرام کی پہچان رکھتے ہیں۔

5 امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علم، حکمت اور نور ہے، جسے اللہ چاہے اسے عطا کرتا ہے۔ (شرح السنۃ: 1/284)

قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ پانی پتی نے لکھا (كُوْنُوا رَبّٰنِيّٖنَ اَيْ مُبَلِّغِيْنَ مَا اٰتَاكُمْ رَبُّكُمْ ''ربانی بنو یعنی جو تمہارے رب نے تمہیں دیا ہے اس کی تبلیغ کرو۔''

عطاء رحمہ اللہ نے کہا: عُلَمَاءُ حُلَمَاءُ نُصَحَاءُ لِلّٰهِ فِيْ خَلْقِهٖ

''عالم بنو جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر، اس کی مخلوق سے خیرخواہی کرے۔''

حاصل کلام یہ ہے ربانی وہ ہے جو اخلاص نیت اور علم وعمل میں کامل ہو۔

- جس روز عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فوت ہوئے، اس روز محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: مَاتَ رَبَّانِیُّ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اس امت کا ربانی آج رخصت ہوگیا۔
- قاضی رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں: علم کا فائدہ اپنی ذات کو پہنچتا ہے کہ آدمی اس کے مطابق عمل کرے اور اپنی اصلاح کرے، مگر تعلیم کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی ذات کے علاوہ دوسروں کی اصلاح ہوتی ہے۔ (تفسير مظهری: 79/2)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور محدثین، دینی علوم کے لئے دور دراز سفر کرتے رہے۔

- جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے معلوم ہوا کہ کسی آدمی کے پاس حدیث ہے جو اس نے براہ راست رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھی مجھے وہ حدیث حاصل کرنے کا شوق ہوا۔ میں نے اس مقصد کے لئے اونٹ خریدا۔ ساز وسامانِ سفر تیار کیا۔ ایک مہینہ سفر کرتا رہا۔ ملک شام میں پہنچا، معلوم ہوا وہ حامل حدیث عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے ان کے دربان سے کہا، اندر جا کر بتاؤ کہ دروازے پر جابر رضی اللہ عنہ کھڑا ہے۔ اس نے پوچھا ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! وہ جلدی سے اپنے کپڑے سنوارتے ہوئے باہر نکلے، کیونکہ دونوں صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے، نکلتے ہی ایک دوسرے سے گلے ملے۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے کہا: مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ کے پاس کوئی ایسی حدیث ہے، جو آپ نے خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے اور وہ قصاص کے بارے میں ہے۔ مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ یہ حدیث آپ سے حاصل کرنے سے پہلے کہیں آپ کو، یا مجھے موت نہ آ جائے۔ اور وہ حدیث امت تک پہنچ نہ پائے، اس لئے طویل سفر کر کے حاضر خدمت ہوا ہوں۔ (تفصیل مسند احمد میں ہے) (بحوالہ حاشیہ شرح السنہ: 280/1) اس واقعہ میں ہمارے لئے کتنے ہی سبق ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذہنوں میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کتنی اہمیت تھی؟ ایک حدیث کی خاطر، اونٹ خریدا، مہینے بھر کا سفر طے کیا، اہل وعیال کے اخراجات کا انتظام بھی کیا ہوگا، اپنے سفری اخراجات بھی مہیا کیے ہوں گے، اپنے دنیاوی کاموں کی ترتیب بھی

بدلی ہوگی، اپنی مصروفیات سے وقت، مہینہ بھر سے زیادہ نکالا ہوگا، کس مقصد کے لیے؟ صرف حدیث رسول ﷺ کیلیے، نہ کسی فنی ٹریننگ کے لئے، نہ کسی ریفریشر کورس کے لئے، بس کیا تھا، کہ حدیث رسول مل جائے ایک ہی حدیث کی خاطر اتنا لمبا سفر کیا۔ یہ تھا شوقِ حدیث ''یہ تھا عشق رسول ﷺ '' یہ تھی دین سے محبت، یہ تھا علمی ذوق۔

☐ کثیر بن قیس کہتے ہیں کہ میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے ساتھ جامع مسجد دمشق میں تھا، ایک آدمی آیا اور اس نے کہا:

(اِنِّي جِئْتُكَ مِنْ مَّدِيْنَةِ الرَّسُوْلِ ﷺ فِيْ حَدِيْثٍ)

''کہ میں آپ کے پاس مدینہ شریف سے سفر کر کے ایک حدیث کی خاطر پہنچا ہوں۔'' یاد رہے مدینہ اور دمشق کا فاصلہ ایک ہزار (1000) میل کے قریب ہے، وہ شخص نہ جہاز پر گیا، نہ ریل یا کار پر۔ ظاہر ہے گھوڑے یا اونٹ پر سفر کیا ہوگا۔ پھر اس روایت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ مدینہ شریف میں جو احادیث، حضور ﷺ نے بیان فرمائی تھیں، وہ تمام احادیث یکجا مدینہ میں موجود ہی نہ تھیں، بلکہ جس صحابی نے جو حدیث نبی ﷺ کی زبان مبارک سے سنی، یا اس نے حضور کو اپنی آنکھوں سے کوئی عمل کرتے دیکھا وہ اپنے علاقے میں جا کر لوگوں کو بتاتا رہا، بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ سے نکل کر، جہاد کرتے ہوئے مختلف ملکوں میں پھیل گئے، جن کے پاس جو حدیثیں تھیں وہ انہی علاقوں میں پھیل گئیں۔ اس لئے مذکورہ روایت میں وہ شخص مدینہ سے دمشق گیا۔ پھر وہ کہتا ہے کہ آپ حضور ﷺ کی یہ حدیث بیان کرتے ہیں۔ ابودرداء رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں کہ صرف اسی حدیث کی خاطر تو نے سفر کیا ہے یا کوئی اور کام بھی تھا؟ اس شخص نے جواب دیا: مجھے اور کوئی کام نہ تھا، ابودرداء رضی اللہ عنہ نے مزید پوچھا: کوئی تجارتی سفر ہے؟ کہا: نہیں۔ پھر پوچھا: صرف اسی حدیث کی خاطر آیا ہے؟ کہا: جی ہاں۔ پھر ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اپنے کانوں سے حضور ﷺ کی زبانی یہ حدیث سنی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص علم کے راستے پر چلا، اللہ اس کے لئے جنت کی راہ آسان کردے گا۔ بے شک فرشتے اس طالب علم کے لئے خوشی سے اپنے

پر بچھا دیتے ہیں، اہل زمین و آسمان اور پانی میں مچھلیاں اس کے لئے دعا کرتی ہیں، عالم کی فضیلت عبادت کرنے والے پر اتنی زیادہ ہے کہ جیسے سارے ستاروں پر چاند کی برتری ہے اور وہ چاند بھی چودھویں رات کا۔ علماء نبیوں کے وارث ہیں۔ نبی اپنی وراثت میں دنیاوی مال نہیں چھوڑا کرتے، بلکہ علم کی میراث چھوڑا کرتے ہیں جس نے یہ وراثت پائی، اس نے نبیوں کی وراثت پالی۔" (سنن ابوداود، کتاب العلم)

تشریح: امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فرشتے جو پر بچھاتے ہیں وہ علم کے مرتبے اور وقار کی خاطر بچھاتے ہیں کہ اس علم دین کی قدر و قیمت بہت ہے۔ یہ بھی بتایا گیا کہ فرشتے اس طالب علم کو اپنے پروں پر بٹھا کر لے اڑتے ہیں تا کہ اسے ان علاقوں تک پہنچا دیں، جہاں اس نے علم حاصل کرنا ہے، اللہ کی طرف سے طالب علم کے لئے سہولت مہیا ہوتی ہے۔

- بعض روایات میں ہے، عالم کے لئے اہل زمین و آسمان اور پانی میں مچھلیاں بخشش کی دعا کرتی ہیں۔
- یہ بھی ذکر ہوا کہ اللہ نے مچھلیوں اور دیگر جانوروں کو علماء کے لئے استغفار کرنے کا الہام کیا ہے۔ کیونکہ علماء وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو حلال و حرام کی تمیز اور شعور بخشتے ہیں۔
- بغوی رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں: علم کی فضیلت و برتری عبادت پر اس حیثیت سے ہے کہ علم سے دوسرے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ دین اسلام زندہ ہوتا ہے۔ یہ نبوت کے تابع ہے۔
- ابن وھب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا مسائل سیکھ رہا تھا، میں نے اپنے لکھے ہوئے رجسٹر جمع کر کے اٹھنا چاہا۔ مجھے امام صاحب نے پوچھا! کدھر کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: میں نفل نماز کی خاطر جلدی سمیٹ رہا ہوں، امام صاحب نے فرمایا: جب تیری نیت درست ہے تو نفل نماز سے علم زیادہ بہتر ہے۔
- امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: علم کا درجہ قول و عمل سے پہلے ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (محمد:19) جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس

آیت کریمہ میں، اللہ نے علم کا لفظ پہلے استعمال کیا اور اپنی توحید کا بعد میں ذکر کیا۔
(شرح السنۃ للبغوی رحمۃ اللہ علیہ، الجزء الاول)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور علم حدیث

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ایک حدیث لائے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عنقریب وہ زمانہ آئے گا جب لوگ علم کی تلاش میں اونٹوں کو ہنکائیں گے، لیکن مدینہ کے عالم سے زیادہ کسی کو نہ پائیں گے۔ (کتاب العلم)

محدثین کی اکثریت نے اس پیش گوئی کا مصداق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو قرار دیا ہے۔

- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جہادی میدانوں میں دور دور تک پھیل جانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مدینہ شریف علم سے خالی ہو گیا تھا، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک سے لیکر علی رضی اللہ عنہ کے ابتدائی عہد خلافت تک، مدینہ منورہ ساری دنیائے اسلام کا مرکز ومحور رہا۔ مدینہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بعد نافع مولیٰ (غلام) ابن عمر رضی اللہ عنہ ان کی جگہ علمی درس گاہ کے جانشین ہوئے۔ نافع نے اپنے آقا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تیس (30) برس گزارے تھے۔ اسی طرح نافع کے درس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بارہ (12) برس تک حاضری دی۔ پھر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، نافع رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین ہوئے۔ باسٹھ (62) سال تک علم دین کی خدمت، مسجد نبوی میں انجام دی۔ پوری دنیائے اسلام میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت پھیل گئی، ایشیاء، یورپ، افریقہ، تینوں براعظموں سے مسافرانِ علم کے کاروان مسلسل مدینہ کا رخ کرتے رہے۔ اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش گوئی پوری ہوئی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور علم حدیث

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جنہیں رئیس المحدثین، امیر المومنین فی الحدیث کہا گیا۔ علم حدیث کی خاطر، مکہ، مدینہ، شام، مصر، الجزیرہ، بغداد، بصرہ وغیرہ گئے۔ آٹھ (8) مرتبہ بغداد گئے۔ نیشاپور بھی گئے۔ آپ کے استادوں کی تعداد ایک ہزار اسی (1080) کے قریب ہے جن سے چھان پھٹک کر کے حدیثیں لیں، وہ سب استاد محدث تھے۔ علم حدیث میں ان

کا مقام اتنا بلند ہو گیا کہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا! فَذٰلِكَ بَحْرٌ لَا سَاحِلَ لَهُ ''وہ ایسا سمندر ہیں جس کا کوئی کنارہ ہی نہیں ہے۔''

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور علم حدیث

امام مسلم قشیری رحمۃ اللہ علیہ خراسان کے مشہور شہر نیشاپور میں پیدا ہوئے، یہ شہر ان دنوں علم وفن کا مرکز تھا، کتنے ہی محدثین کرام وہاں پیدا ہوئے، بلکہ مسلمانوں کی علمی دنیا میں بغداد کے بعد، اسی شہر نیشاپور کا شہرہ تھا۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے مقامی اہل علم سے بھرپور استفادہ کیا، پھر علم کی پیاس بجھانے کے لئے عراق کا سفر کیا، حجاز گئے، شام پہنچے، مصر کے اہل علم تک رسائی کی۔ یوں تو تفسیر، فقہ، اصول فقہ، ادب، نحو وغیرہ، یہ سب مسلمانوں کے مذہبی علوم تھے، ان سب میں ماہرین فن نے کمالات دکھائے، تاہم علم حدیث، چونکہ مذہب کا سب سے زیادہ ضروری عنصر تھا، اس لیے یہ مقدس فن ایک مدت تک مسلمانوں کے دل ودماغ کی جولان گاہ بنا رہا۔ مگر نااہل اور خود غرض لوگوں کی ایک جماعت نے اس فن کو نام ونمود کا ذریعہ بنایا۔ من گھڑت (موضوع) اور غیر معتبر روایات کا طوفان کھڑا کر دیا۔ اس خطرناک مرحلے پر اللہ نے محدثین کرام کو پیدا کیا۔ انہوں نے اس سلسلے میں بہت محنت کی اور من گھڑت اور غیر معتبر روایات کو احادیث کے صحیح گلشن میں خلط ملط نہ ہونے دیا۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم کے مقدمہ میں فن حدیث پر بہترین اصولوں کی وضاحت کی۔ صحیح مسلم کی بہت سی شرحیں اور تعلیقات لکھی گئیں، سب سے زیادہ مشہور شرح امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ وہ خود لکھتے ہیں کہ اگر پڑھنے والوں کی ہمتیں پست نہ ہوتیں تو میں اس شرح کی سو (100) جلدیں مکمل کرتا، لیکن صرف چند جلدوں پر ختم کرتا ہوں۔ مقدمہ مسلم میں، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے فن حدیث کے علاوہ اصول وشرح حدیث فقہ واحکام، تفسیر وتاریخ، کلام وعقائد، سیر وتراجم رجال وانساب، لغت وادب، صرف ونحو، اعراب وآمالی اور قرأت وتجوید کے مسائل بھی تحریر کیے۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور علم حدیث

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ بجستان میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علم کے لئے عراق، خراسان، شام، الجزیرہ کا سفر کیا۔ ہر جگہ پہنچ کر چشمہ علم سے استفادہ کیا۔ آخری چار (4) برس بصرہ میں گزارے وہیں وفات پائی، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث نبویہ کی حفاظت واشاعت میں اس قدر محنت فرمائی کہ ان کی خدمتوں کو دیکھ کر ائمہ حدیث اور اہل علم معاصرین یہ کہتے تھے: ''امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ دنیا میں گویا صرف حدیث کیلئے پیدا کئے گئے تھے اور آخرت میں صرف جنت کے لئے۔'' امام صاحب اہل مکہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں: ''میں نے سنن میں صرف احکامی روایات جمع کی ہیں، زہد و فضائل اعمال وغیرہ کی حدیث اس میں شامل نہیں، اس کی جملہ چار ہزار (4,000) احادیث اسی سے متعلق ہیں۔''

- امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان چار ہزار (4,000) سے زائد مجموعے میں سے انسان کو دین پر عمل کرنے کے لئے صرف چار (4) احادیث کافی ہیں جو کہ یہ ہیں:

1. (اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ)
''تمام اعمال کی مقبولیت کا دارومدار صرف نیتوں پر ہے۔''

2. (مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَا يَعْنِيهِ)
''انسان کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ فضول باتوں کو چھوڑ دے۔''

3. (لَا يَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ مُؤْمِنًا حَتّٰى يَرْضٰى لِاَخِيْهِ مَا يَرْضٰى لِنَفْسِهِ)
''کوئی شخص حقیقی مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی بات پسند نہ کرے، جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

4. (اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ، فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اِسْتَبْرَءَ لِدِيْنِهِ)

"حلال وحرام واضح ہیں، مگر ان کے درمیان بعض مشتبہ و مشکوک چیزیں بھی ہیں، جو ان سے بچ جائے گا وہ اپنے دین کو محفوظ کر سکے گا۔"

- شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

1. پہلی حدیث، عبادات کی صحت و درستی کے لئے بنیاد ہے۔
2. دوسری حدیث، عمر عزیز کے قیمتی اوقات کی حفاظت کے لئے ہے۔
3. تیسری حدیث، پڑوسیوں، قرابتداروں، واقف کاروں اور تعلق داروں کے حقوق ادا کرنے کے لئے ہے۔
4. چوتھی حدیث، تمام شکوک وشبہات کو دور کرنے کے لئے کافی ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور علمِ حدیث

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ترمذ شہر میں پیدا ہوئے جو دریائے جیحون (آمو) کے کنارے آباد ہے۔ علم دین حاصل کرنے کے لئے، خراسان اور حجاز کے سفر کیے۔ علم حدیث کی خاطر، بصرہ، کوفہ، واسط، رے بھی گئے اور برسوں عمر انہی سفروں میں گزار دی۔ امام ترمذی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے قابل ترین شاگردوں میں سے ہیں، ان پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فخر کرتے تھے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جب ترمذی شریف مکمل کی تو اسے علمائے حجاز کے سامنے پیش کیا، انہوں نے اسے پسند کیا اور دادِ تحسین دی۔ علماء کا کہنا ہے کہ جس گھر میں سنن ترمذی ہو، گویا اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود گفتگو فرما رہے ہیں۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور علم حدیث

امام نسائی، نساء شہر میں پیدا ہوئے، جو خراسان کا مشہور شہر ہے، وہاں بہت سے ارباب علم وفن پیدا ہوئے۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے جس دور میں آنکھ کھولی، وہ علم حدیث کا دور تھا، علم حدیث حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کا والہانہ شوق تھا کہ وہ اس علم کی خاطر گھر بار چھوڑ کر دور دراز کے سفر کرتے اور ملک ملک پھرتے تھے۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلا سفر بلخ کا کیا، وہاں امام

قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ سے تحصیل علم کیا، اس وقت ان کی عمر پندرہ (15) برس تھی، پھر خراسان گئے، عراق، حجاز، الجزیرہ، شام اور مصر کے سفر کیے وہاں سے ماہرین علم سے فیض حاصل کیا۔ مصر کو مستقل ٹھکانہ بنایا۔ آخری عمر میں حاسدین کے حسد کا شکار ہوئے تو دمشق چلے گئے۔ اور وہیں وفات پائی۔

مؤرخ ابن خلکان نے لکھا ہے: (كَانَ اِمَامُ عَصْرِهٖ فِي الْحَدِيْثِ)

''امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے امام حدیث تھے۔''

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور علمِ حدیث

ایران کے مشہور شہر قزوین میں پیدا ہوئے، اپنے شہر کے معروف علماء سے علم حاصل کیا۔ پھر عراق، بصرہ، کوفہ، بغداد، مکہ مکرمہ، شام، مصر اور رے کے سفر کیے۔ خراسان بھی گئے۔ (اقتباسات از عبدالرشید عراقی)

☐ ان اماموں کے شوق علمِ حدیث کا اندازہ ان کے طویل سفروں سے ہوتا ہے۔ یہ سفر اس زمانے میں ریلوں، گاڑیوں، ہوائی جہازوں کے نہیں تھے، بلکہ پیدل، گھوڑوں یا اونٹوں پر تھے۔ مواصلاتی رابطے بھی نہ تھے، نہ تار برقی، نہ ٹیلیفون، نہ فیکس، نہ انٹرنیٹ وغیرہ کہ ان ذرائع سے اپنے اہل وعیال اور دیگر ملکوں میں رابطے کرتے۔ پھر ساری کی ساری زندگی اس فن حدیث پر قربان کر دی، تب جا کے گلشنِ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بہار آئی ہے، ورنہ دور دراز پھیلی ہوئی احادیث بکھری رہتیں اور دشمنانِ دین، ان میں من مانی تبدیلیاں کرتے رہتے۔ اللہ نے مسلم امت پر یہ احسان کیا کہ ماہرین حدیث پیدا کر کے اپنے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری زندگی، محفوظ ومعتبر طریقے سے قلم بند کروادی۔ آج ہم حیات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پوری تفصیل کے ساتھ ان کتب حدیث میں دیکھ سکتے ہیں۔

مغربی علوم اور انسان

کہا جاتا ہے کہ اگر ہم نے سائنسی اور مغربی علوم حاصل نہ کیے تو پیچھے رہ جائیں گے۔

1 اب ذرا غور کریں مغربی دنیا کے ڈاکٹر، اس لیے درست کام کرتے ہیں کہ قانون

کے ڈنڈے کا ڈر ہوتا ہے، معمولی غفلت پر ان کے خلاف عدالت میں کیس ہو جاتا ہے، یہ دیانتداری ان میں خوفِ خدا کی وجہ سے نہیں بلکہ ملکی قانون کی بالاتری سے ہے۔

2 کہا جاتا ہے کہ ہمیں قانون دان (Lawyer) بننا چاہیے وہاں دنیا کی نظر میں بہت بڑا وکیل وہ ہے جو قاتل کو بچالے جو ظالم کو بچالے، اب قاتل و ظالم کو بچانا کونسی نیکی ہے؟ وہ تو بری ہونے کے بعد اور زیادہ انسانیت کیلئے مصیبت بنے گا۔ اس کے برعکس اسلامی قانون مقتول اور مظلوم کی حمایت کرتا ہے، اس سے انسانیت کی فلاح ہے۔

3 ماہرین معیشت، جو مغرب سے علم پائیں گے، وہ دنیا کی جیبوں سے پیسہ بٹور کر، غریب کو غریب تر اور امیر کو امیر تر بنائیں گے۔ جبکہ اسلامی معیشت یہ ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں سمٹنے کے بجائے، سب لوگوں میں گردش کرتی رہے۔

4 ماہرین سیاستِ دنیا، یہ کہتے ہیں کہ سیاست اور محبت میں کوئی اصول نہیں ہے، جبکہ اسلامی سیاست، حکمرانوں کو دونوں طرف سے باندھ کر رکھتی ہے۔ اوپر سے اللہ کا خوف اور سامنے قوم کو جواب دہی کا احساس ہے۔

5 دنیاوی ٹیکنالوجی، انسانیت کی بربادی کا سبب ہے۔ اور دینی ٹیکنالوجی، انسانیت کی آبادی ہے۔

6 مغربی علوم، انسان کو بے خدا بناتے ہیں اور الحاد و دہریت کی طرف لے جاتے ہیں، جبکہ دینی علوم انسان کو اپنے خالق و مالک کی پہچان اور رازق و رحیم کا قدردان بناتے ہیں۔

مدّعائے کلام

حاصل کلام یہ نکلا کہ چین جا کے کونسا علم حاصل کرنا مقصود ہو سکتا ہے؟ پھر حیرت کی بات یہ ہے کہ اس من گھڑت حدیث کو جواز بنا کر، مغربی دنیا میں سائنسی علوم پڑھنے کے دلائل دیے جاتے ہیں۔ نیز یہ کہا جاتا ہے کہ محدثین نے دیکھئے کہاں کہاں سفر کیے۔ کیا محدثین کا علم اور مغربی علوم یکساں ہیں؟ کیا ماہرین حدیث ان مغربی علوم کے دلدادہ تھے؟ جن کی خاطر وہ دربدر ہوئے۔ آج کون ہے جس نے سائنسی علوم پا کر علمائے اسلام اور

فقہائے عظام کا سا مرتبہ پایا ہے؟ ہمیں دکھایا جائے کہ ان علوم کو حاصل کرنے والا، کوئی ایک، امام ابوحنیفہ، امام بخاری، امام غزالی، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، صلاح الدین ایوبی، سلطان ٹیپو رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کے مرتبے پانے والا پیدا ہوا ہو، مذکورہ عظیم الشان شخصیات جیسی شخصیت کا پیدا ہونا تب ممکن ہے جب دین اسلام کی تعلیم سے آراستہ ہوں۔ کتنی چالاکی سے مغربی علوم کے حق میں وہ حدیث پیش کی جاتی ہے اور کس مکاری سے محدثین کرام کے سفروں کے حوالے دیے جاتے ہیں، جبکہ نیت میں اسلام کی سربلندی کا نام ونشان تک نہیں ہوتا۔ اور صرف دنیاوی شان وشوکت اور ٹھاٹھ کی زندگی مقصود ہوتی ہے۔

علم، نگاہِ رسالت میں

صحیح مسلم کی ایک طویل حدیث میں سے ایک حصہ حدیث یہ ہے کہ (مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا، سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ)

''جو علم کی تلاش میں کسی راہ پہ چلا، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کی راہ آسان فرمائے گا۔''

(سنن الترمذی کتاب العلم حدیث: 2646)

اس حدیث کے تحت نواب صدیق حسن رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:

(فِيْهِ فَضْلُ الْمَشْيِ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ ، وَيَلْزَمُ بِذٰلِكَ الْاِشْتِغَالُ بِالْعِلْمِ الشَّرْعِيِّ)

''اس حدیث میں جستجوئے علم میں چل کر جانے کی فضیلت ہے اور اس سے شرعی علم میں مشغول ہونا لازم ہوتا ہے''۔ (السراج الوھاج، شرح صحیح مسلم: 10/ 556)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چین کے بجائے ماہرین صحابہ کی طرف توجہ دلائی

☐ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (لَا اَدْرِیْ مَا بَقَائِیْ فِيْكُمْ فَاقْتَدُوْا بِالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِی، اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ)

''میں نہیں جانتا کہ میں کب تک تمہارے درمیان رہوں گا۔ تم میرے بعد ان دو (2) آدمیوں کی پیروی کرنا، ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ'' (ترمذی)

□ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: (اِنَّ اللّٰہَ وَضَعَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ یَقُوْلُ بِہٖ)

اللہ نے عمر کی زبان پر حق جاری کر دیا ہے، وہ اسی کے مطابق بات کرتا ہے۔"

(سنن ابوداؤد)

تشریح: ان دونوں احادیث میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کو اپنے بعد شیخین کی طرف متوجہ فرماتے ہیں۔ کیونکہ بعد نبوت، امت کے بیڑے کو سلامتی سے کنارے لگانے والے یہی دو (2) بزرگ ثابت ہوئے اسی لیے ان کی پیروی کا حکم فرمایا۔ دونوں نظام حکومت، نظامت امت، اسلامی نظامِ زندگی میں بہترین راہنما بنے۔ ان دونوں بزرگوں کے ہوتے ہوئے کسی کو چین و جاپان، کسی کو یورپ و امریکہ سے تعلیم و تربیت کی ضرورت باقی نہیں رہتی، حقائق اور سچائیاں سیکھنی ہیں تو ان بزرگوں کے دروازے سے لے لینا۔

□ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (مَعَاذُ بْنُ جَبَلٍ اَعْلَمُھُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ) یعنی معاذ حلال و حرام کے بڑے عالم ہیں۔ اگر کسی کو حلال و حرام میں علم چاہیے تو وہ معاذ رضی اللہ عنہ کے در سے حاصل کرے۔

□ آپ نے فرمایا: (زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ اَفْرَضُھُمْ) یعنی زید رضی اللہ عنہ میراث کے مسائل کے بڑے عالم ہیں، یہ علم تقسیم میراث ان سے حاصل کریں۔

الغرض علم نبوت کے سورج سے مختلف ستاروں نے اپنے اپنے مقدر کی روشنی اور علم پایا ہے۔ انہیں چھوڑ کر، کسی غیر کی طرف دھکے کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ خلفائے راشدین کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی غیر ملک اور غیر حکومت کے پاس جا کر، اسرارِ حکومت سیکھنے نہیں بھیجا تھا۔ آج وہ لوگ نہایت احمق ہیں جو حقائق اسلام کی موجودگی میں اغیار کے پاؤں میں گرتے ہیں اور ان کے تلوے چاٹتے ہیں اور اپنے آپ کو مسلم بھی کہلواتے ہیں۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ اسی بات پر نوحہ کناں ہیں۔

اغیار کے افکار و تخیل کی گدائی
کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک بھی رسائی

محمد ﷺ کی تعلیمات دیگر الہامی تعلیمات سے بھی افضل واکمل ہیں۔

- عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم یہودیوں سے خوش کن باتیں سنتے ہیں، کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ خاص باتیں ہم لکھ لیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا آپ لوگ بھی یہود ونصاریٰ کی طرح حیرانیوں میں پڑتے ہو؟ میں تمہارے پاس روشن اور چمکدار دین لے کر آیا ہوں۔ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کے بغیر چارہ نہ ہوتا'' (مسند احمد)

یعنی یہود ونصاریٰ تو اپنے مذاہب کے بارے میں حیرتوں میں ڈوب گئے۔ کیا تم صاف ستھرے دین اسلام کے بارے میں حیرت زدہ ہو۔ آخر کیا کمی رہ گئی ہے جو تم یہودیوں اور عیسائیوں سے سیکھنا چاہتے ہو؟ یہ عجیب بات نہیں کہ نامکمل سے مکمل سیکھے۔

- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تم اہل کتاب سے کیا پوچھتے ہو؟ جبکہ خالص قرآن کریم تمہارے پاس موجود ہے۔ یہ ہر آمیزش سے پاک ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے تازہ ترین خبریں لایا ہے اور اللہ نے ہمیں خبردار کر دیا ہے کہ اہل کتاب نے اپنے ہاتھوں سے کتابیں لکھ کر لوگوں کو دھوکہ دیا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہیں۔

(صحیح البخاری الاعتصام)

- ''حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ (سابق یہودی عالم) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک صحیفہ لائے اور کہا: اے امیر المؤمنین! اس میں تورات ہے کیا میں اسے پڑھ لیا کروں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اگر تو جانتا ہے کہ یہ واقعی وہی تورات ہے جو موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر عطا ہوئی، پھر تو پڑھ، ورنہ نہیں۔'' (شرح السنۃ: 271/1)

یعنی یہ بات یقینی ہے بحوالہ قرآن کہ تورات وانجیل بدلی ہوئی کتابیں ہیں۔ بلکہ انہیں ماننے والے خود اقراری ہیں کہ یہ تبدیل شدہ ہیں۔ بلکہ یہ کتابیں خود بول رہی ہیں کہ انسانی تحریر ہیں۔ اللہ نے ایسے نازل نہیں کی تھیں۔

▢ مذکورہ روایات سے ظاہر ہے کہ گزشتہ الہامی تعلیمات ناقص و نامکمل ہیں اور دین اسلامی کی تعلیمات ہی مکمل اور بے عیب ہیں۔ پھر غیر الہامی علوم کی قدر و قیمت، نگاہِ اسلام میں کیا باقی رہ جاتی ہے؟ جن علوم کے علمبردار عموماً مذہب بیزار اور ملحد و دہریے ہیں۔ جو انسان کو اپنے خالق و مالک سے دور اندھیروں میں لے جا کر پھینکتے ہیں۔ ایسے علوم کے پیچھے بھٹکنے والے، چاہے چین جائیں یا یورپ و امریکہ، وہ اس ہدایت سے محروم ہوتے جائیں گے، جو انسان کو دنیا و آخرت میں فلاح بخشنے والی ہے، اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ۔

مقصد تعلیم

دین اسلام کا مقصود صرف یہ ہے کہ بندہ مرضی مولا کے مطابق زندگی بسر کرے تاکہ دنیا کی فلاح نصیب ہو اور آخرت کی کامیابی سے بھی ہمکنار ہو۔ مسلمانوں کا نصب العین یہ ہوتا تھا کہ بچپن سے تعلیم حاصل کریں اور تعلیم کا مقصد ہوتا تھا کہ بچپن سے ہی تعلیم کے ذریعے اعلیٰ درجہ کا انسان بن سکے۔ اعلیٰ درجہ کا انسان جو بہترین اوصاف و کردار کا حامل ہو۔ بہترین اوصاف کیا ہیں؟ پاکستان کے پرائمری، مڈل اور ہائی سکولوں کے درودیوار پر وہ عمدہ فقرے لکھے ہوتے تھے۔ مثلاً قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے:

1. ایمان (Faith)
2. اتحاد (Unity)
3. نظم (Discipline)

یعنی مسلمان بچے ایمان سے مالا مال ہوتے ہیں۔ پھر متحد ہوتے ہیں۔ پھر قدم قدم پر نظم و نسق کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اسی طرح علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار کلاس رومز کے ماتھے کا جھومر ہیں۔ کہیں لکھا ہے۔ ''علم حاصل کرنا فرض ہے۔'' کہیں لکھا ہوتا ہے۔'' با ادب با مراد، بے ادب بے مراد'' کہیں تحریر ہے۔'' استاد کا احترام کرو۔'' کہیں لکھا ہے۔'' صفائی نصف ایمان ہے۔'' کلاس رومز کے اندر اپنے ذوق کے جملے چارٹوں پر درج ہوتے ہیں۔ ہر فقرہ معنی خیز ہوتا ہے۔ ہر جملہ بچوں کی اخلاقی تربیت کا سامان لئے ہوئے ہوتا ہے۔ نیک دل اساتذہ کرام بچوں کے کردار کو سنوارنے کے اسباق پڑھاتے ہیں۔ جھوٹ سے نفرت دلائی جاتی ہے۔ سچائی کا شوق پیدا کیا جاتا ہے۔ محنت کی تلقین ہوتی رہتی ہے۔ پڑھائی میں اول آنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ انہیں انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ استاد پڑھائی کا حق ادا کرنے والے تھے۔ بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ۔

تھے وہ بھی دن کہ خدمت استاد کے عوض
دل چاہتا تھا ہدیہ دل پیش کیجیے

ہزاروں طلبہ میں سے کوئی طالب علم صبح اسمبلی میں ہیڈ ماسٹر صاحب کو، کسی کی گمشدہ گھڑی جو اسے کہیں سے ملی تھی لا کے پیش کر دیتا تو اسے سارا اسکول شاباش دیتا۔ یعنی اخلاقی تربیت بچپن میں ذہن نشین ہو جاتی تھی۔ اس وقت مقصد تعلیم یہ ہوتا تھا کہ ایک بچہ اسکول سے فارغ ہو تو بہترین مسلمان اور بہترین انسان ہو۔ جیسا کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے فرمایا:

خِیَارُکُم اَحَاسِنُکم اخلاقاً۔ (رواہ البخاری)

''تم میں بہترین وہ ہیں جن کے اخلاق حسین ہوں۔''

صحیح بخاری بھی دنیا میں قرآن کریم کی طرح مظلوم کتاب ہے۔ جس کے دعویدار اپنی خواہش کی حدیثوں کو نمایاں ترین کر کے بس مدمقابل کو چیلنج دینے کے لئے ازبر کر لیتے ہیں۔ باقی ساری بخاری کی احادیث کو نظرانداز کر کے اپنی سیرت کو سیرت پیغمبر ﷺ کے مطابق بنانے سے گریزاں رہتے ہیں۔ حضور ﷺ کی آسان اور میٹھی سنتوں پر زور رہتا ہے۔ اس اسوۂ کامل کی طرح دنیا میں کفر و باطل سے ٹکرانے کا یارا نہیں۔ اس ہادی برحق ﷺ کی طرح اخلاقی خوبیوں سے واسطہ نہیں۔ اس رحمت للعالمین ﷺ کی طرح نرم دل ہونے کے بجائے سنگدل ہیں۔ اس تبسم آمیز مقدس لہجے کے بجائے چہروں کی ہوائیاں اڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ اس فراخ دل رسول ﷺ کی سنت کے خلاف دل و دماغ حسد و بغض سے کڑھ رہے ہوتے ہیں۔ بس مسلکوں کے خمار نے ذہن ایسے ماؤف کئے کہ اخلاق نبوی ﷺ ہاتھ سے جاتا رہا۔ انسانیت کی ہمدردی، صلہ رحمی، بڑوں کا ادب، استادوں کی عزت، علماء کی توقیر، معاشرے سے امن و سلامتی سب کچھ رخصت ہوا۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

لَا اِیمانَ لِمَن لا امانة له و لا دین لمن لا عهدله

''جو امانت دار نہیں اس کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں اور جو وعدے کا پاسدار نہیں اس کے دین کا کوئی اعتبار نہیں۔'' (مسند احمد حدیث جید قوی)

''مگر ہمارے ذہن کہتے ہیں کہ مجبوریوں میں خیانت جائز ہے۔ مجبوریوں

میں ایفائے عہد کی ضرورت نہیں۔ نعوذ باللہ!

قال عمر بن الخطاب لا يغرنك صلاة امرى ولا صيامه من شاء صلى ومن شاء صام ولكن لادين لمن لا امانة له۔ (شرح السنۃ)

''عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''آپ کو کسی آدمی کی نماز اور روزہ دھوکے میں نہ ڈال دے۔ جو بھی نماز پڑھے (چاہے کسی مسلک کے مطابق ہو) جو بھی روزہ رکھے اگر وہ امانتدار نہیں ہے تو اس کے دین کا کوئی اعتبار نہیں۔''

مگر ہماری ناقص سوچیں یہ ہیں کہ ہمارے مسلک کا آدمی چاہے خائن ہو، بددیانت ہو، پھر بھی وہ جنت کا ٹکٹ اپنی جیب میں لئے پھرتا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرَّاشِي وَالْمُرتشَى فِي النَّارِ

(رواہ الطبرانی ورواتہ ثقات معروفون)

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا جہنمی ہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔

(رواہ ابوداؤد، ترمذی حدیث حسن صحیح)

قال عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ الرشوۃ فی الحکم کفر وھی بین الناس سحت۔ (رواہ الطبرانی موقوفا باسناد صحیح)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا رشوت حکم شریعت میں کفر ہے اور لوگوں کے درمیان کسب حرام ہے۔''

مگر ہمارے دنیادار مفتی کہتے ہیں کہ مجبوری میں جائز ہے۔ نعوذباللہ من ذالك۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! سات (7) مہلک گناہوں سے بچ جاؤ۔

1. شرک
2. جادو
3. ناحق قتل
4. سودخوری

5 مال یتیم کھانا

6 میدان جہاد سے فرار

7 مومن پاکدامن عورتوں پر الزام تراشی۔ (رواہ البخاری ومسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''سود کے تہتر (73) دروازے ہیں۔ ان میں سے کم از کم گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے بدکاری کرے۔ (رواہ بیہقی ہذا اسناد صحیح)

مگر ہمارے بعض مفتی فرما دیتے ہیں کہ مجبوری میں سود جائز ہے۔ نعوذ باللہ من ذالك۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اجتَنِبُوا الخَمرَ فانها مفتاح كل شر۔ (رواہ الحاکم صحیح الاسناد)

''کہ شراب سے بچ جاؤ یہ ہر برائی کی چابی ہے۔''

مگر ہمارا ذہن نہیں مانتا۔ وہ کہتا ہے الکوحل تو دواؤں میں بھی استعمال ہوتی ہے۔ لہٰذا مجبوراً یہ بھی جائز ہے۔

لمحہ فکریہ:

ہم کتنی احادیث پیش کریں۔ ہمارے نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو مسلم معاشرے کو پاک صاف کرنے کے سنہرے اصول بتائے مگر ہمارے ذہنوں کی کجی اس طرف نہیں آنے دیتی۔ یعنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پڑھ سن کر بھی گم سم ہیں۔ ایسی احادیث کو نمایاں کرنا نصیب نہیں ہے۔ جن سے معاشرتی برائیوں سے نفرت ہو اور لوگ ان سے بچ جائیں۔ مگر ہر مسلک نے ان چند احادیث کو تو خوب اچھالا ہے جن سے مناظرے کے ڈنگل لگ سکیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں کہ جھوٹ دوزخ کو لے جانے والا ہے۔ ہم نے مجبوری میں جائز کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں، امانت جزو ایمان ہے۔ ہم مجبوری میں خیانت کو جائز کر لیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں عہد کی پاسداری دین ہے، ہم مجبوری میں وعدے توڑنا جائز کر دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رشوت کو نارِ جہنم کہیں ہم مجبوری میں اسے روا جانتے ہیں۔

آپ ﷺ سود کو لعنت قرار دیتے ہیں ہم مجبوری میں اسے جائز سمجھتے ہیں۔ آپ ﷺ شراب کو ہر برائی کی جڑ فرماتے ہیں ہم مجبوری میں اسے بھی جائز بنا لیتے ہیں۔

اب قارئین کرام! غور فرمالیں کہ ہم نے شریعت محمدی کا کیا حشر کر دیا ہے؟ جو حکم مسلمانوں کے اجتماع اور امت کی اصلاح کا خدا اور رسول ﷺ کی طرف سے آتا ہے ہم اس کی تاویلیں کر کے اپنے سر سے ٹال دیتے ہیں۔ ماننے والے نہیں بنتے۔ تاویلیں بھی ایسی کرتے ہیں کہ بقول علامہ اقبال:

زمن برصوفی وملا سلامے
کہ پیغامِ خدا گفتند مارا
ولے تاویل شان در حیرت انداخت
خدا و جبرائیل و مصطفیٰ را

''میری طرف سے صوفی و ملا کو دور سے ہی سلام ہے۔ (یعنی مجھے ان سے نفرت ہے) جو ہمیں خدا کا پیغام سناتے ہیں مگر اس پیغام کی من مانی تاویلیں کر کے خدا جبرائیل اور مصطفیٰ کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔

یعنی اللہ دیکھتا ہے کہ میں نے یہ پیغام اس معنی میں اتارا نہیں۔ جبرائیل حیران ہے کہ اس مفہوم میں میں یہ حکم لے کر نہیں اترا تھا۔ حضور ﷺ حیران ہیں کہ اس تشریح سے میں نے سمجھایا نہ تھا۔

حکایت:

کسی نے دعویٰ کیا کہ میں شیر سے مقابلہ کر سکتا ہوں۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہنے لگا میری چند شرائط ہیں وہ پوری کر دی جائیں تو مقابلہ دیکھنا کیسا کرتا ہوں؟

1. پہلی شرط کہ شیر کی آنکھیں نکال دی جائیں کہ مجھے دیکھ نہ سکے۔
2. دوسری شرط یہ ہے کہ شیر کے بازو کاٹ دیئے جائیں کہ مجھے پنجہ نہ مار سکے۔
3. تیسری شرط یہ ہے کہ اس کے دانت نکال دیئے جائیں کہ مجھے کاٹ نہ کھائے۔

④ چوتھی شرط یہ کہ اس کا منہ باندھ دیا جائے کہ وہ دھاڑ نہ سکے۔

بادشاہ نے جواب دیا کہ شیر والی ساری خوبیاں تو ختم ہو جائیں گی تو پھر کس شیر سے مقابلہ کرے گا؟

حضرات! اسی طرح ہم ذرا سوچیں کہ دین اسلام جو شیر تھا ہم نے اس کی شیر والی ساری خوبیاں کاٹ کاٹ کر پھینک دیں اور پھر بھی دعویٰ ہے کہ ہم پورے مسلمان ہیں۔ جنت تو صرف میرے ہی لئے ہی ہے۔ مگر جو حلیہ اسلام کا ہم نے بدلا ہے اس کا خمیازہ ہم سب مسلمان بھگت رہے ہیں۔ امن وانصاف، ہمدردی، رحم دلی، محبت، اتفاق سب سے محروم ہیں۔ جو تعلیم انسان کو انسان نہ بنا سکے۔ وہ تعلیم نہیں بلکہ جہالت ہے۔ ٹاٹ میں معمولی ریشم کا ٹکڑا کیا کرے گا؟

❁❁❁

حکمت وتبلیغ دین

- حکمت کا اردو زبان میں معنی ہے دانائی، عقل، ہر چیز کی حقیقت ودریافت کرنے کا علم، تدبیر، ترکیب، علاج معالجہ، مطلب (فیروز اللغات اردو)
- فارسی زبان میں حکمت کی تین (3) اقسام ذکر ہیں

1. حکمت طبیعی
2. حکمت ریاضی
3. حکمت الٰہی

ہمارے متعلق الٰہی حکمت ہے جس کا یوں ذکر ہے معرفت نبوت و بحث امامت واحوال معاد (ورنہ تفصیل بہت ہے)۔ (غیاث اللغات فارسی)

- انگریزی زبان میں حکمت کو فلسفہ Wisdom, Philosophy وغیرہ کہا جاتا ہے۔ وزڈم کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ مقرر شدہ راستہ، پوزیشن یا کردار (Webster Dictionary)
- عربی زبان میں حکمت کا معنی انصاف، حلم، بردباری، حق کے موافق کلام، کام کی درستی، فلسفہ وغیرہ ہے۔ (المنجد عربی اردو) یہی معانی عربی المنجد میں ذکر ہیں۔
- علامہ محمد بن یعقوب فیروز آبادی (المتوفی 812) رقمطراز ہیں۔

والحكمة، العدل، والعلم، الحلم، والنبوة و القرآن، والانجيل، وطاعة الله، والفقه في الدين، والعمل به، او الخشية، او الفهم، اوالورع، اوالعقل، اوالاصابة في القول و الفعل، والتفكر في امر الله، اتباعه (بصائر ذوی التمیز جلد دوم)

یعنی حکمت نام ہے، عدل وانصاف، علم، بردباری، نبوت، قرآن، انجیل، اللہ کی اطاعت، دین کی سمجھ، اس پر عمل، اللہ کا خوف، سمجھ بوجھ، پرہیزگاری، عقل وتمیز، قول وفعل میں درستی، اللہ کے احکام میں غور وفکر اور اس کی پیروی کرنا۔

حکمت پر قرآنی آیات

1 دعائے خلیل (علیہ السلام) رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ (البقرة:129)

''اے ہمارے رب! ان لوگوں میں خود انہی کی قوم میں سے ایک رسول مبعوث فرما' جو انہیں تیری آیات سنائے' ان لوگوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوار دے۔''

2 وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

''اور وہ تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے'' (البقرة151)

3 وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَ الْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ (البقرة231)

''اور تم یاد کرو کہ اللہ نے کس نعمت عظمیٰ سے تمہیں سرفراز کیا ہے' وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے اس سے جو کتاب اور حکمت اس نے تم پر نازل کی ہے''

4 وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ (البقرة251)

''اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے اسے سلطنت اور حکمت سے نوازا''۔

5 يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (البقرة:269)

''وہ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت ملی اسے حقیقت میں بڑی کثرت سے خیر کی دولت مل گئی ان باتوں سے صرف وہی لوگ سبق لیتے ہیں جو عقل مند ہیں''۔

6 وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

''اور وہ (اللہ) اسے (عیسیٰ علیہ السلام کو) کتاب اور حکمت کی تعلیم دے گا۔ (آل عمران:129)

7 وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ (آل عمران 81)

''اور یاد کرو، جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ (آج) میں نے تمہیں کتاب اور حکمت و دانش سے نوازا ہے''۔

8 لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (آل عمران 164)

”درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر مبعوث کیا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے ان کی زندگیوں کو سنوارتا اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے“۔

9 فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (النساء 52)

”کہ یقیناً ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطا کی“۔

10 وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (النساء 113)

”اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے“۔

11 وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (المائدہ 110)

”اور جب میں نے تجھ کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دی“ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو)

12 اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (النحل 125)

”اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ“

13 ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ (بنی اسرائیل 39)

”یہ وہ حکمت کی باتیں ہیں، جو تیرے رب نے تجھ پر وحی کی ہیں“۔

14 وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ (لقمان 12)

”اور یقیناً ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تھی، کہ اللہ کا شکر گزار رہو“۔

15 وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ (الاحزاب 34)

”(نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویو) تم یاد رکھو اللہ کی آیات اور حکمت کی ان باتوں کو، جو تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں“۔

16 وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ (ص 20)

”ہم نے اس (داؤد علیہ السلام) کی سلطنت مضبوط کر دی تھی اور اس کو حکمت عطا کی تھی اور فیصلہ کن بات کہنے کی صلاحیت بخشی تھی“۔

17 وَلَمَّا جَآءَ عِيسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ (الزخرف 63)

''اور جب عیسی علیہ السلام صریح نشانیاں لئے ہوئے آیا تھا تو اس نے کہا تھا کہ میں تم لوگوں کے پاس حکمت لے کر آیا ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ تم پر بعض ان باتوں کی حقیقت کھول دوں جن میں تم اختلاف کررہے ہو''۔

18 حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ (القمر 5)

''ایسی حکمت جو نصیحت کے مقصد کو بدرجہ اتم پورا کرتی ہے۔

19 وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (الجمعۃ 2)

''اور وہ (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے''۔

گذشتہ آیات قرآنی میں حکمت کے لفظ کو اللہ نے بار بار دہرایا ہے اس لئے حکمت کی اہمیت کو جاننا بہت ضروری ہے۔ اللہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے۔

- فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا (النساء 63)

''ان سے تعرض (مزاحمت) مت کرو' انہیں سمجھاؤ اور انہیں ایسی نصیحت کرو جو ان کے دلوں میں اتر جائے یعنی قول بلیغ، دل نشین پیرائے میں بات کریں''۔

- قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ (الانعام 90)

''کہہ دو کہ میں (اس تبلیغ و ہدایت کے) کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں یہ تو ایک نصیحت ہے تمام دنیا والوں کے لئے''۔

حکمت کا جاننا بہت ضروری ہے

صاحب حکمت وہ ہے جو عمدہ عقل اور بہتر تدبیر سے کام لے۔ خداوند عالم چونکہ خود حکیم ہے' دانا ہے' اللہ کا یہ صفاتی نام نوے (90) سے زائد مرتبہ قرآن کریم میں دہرایا گیا ہے یعنی حکمت ودانائی اللہ کی صفت ہے جو اللہ نے نبیوں کو عطا کی اور سمجھدار انسانوں کو عطا کی۔ آج دین کے معاملے میں' اکثر حکمت کی بجائے حماقت سے کام لیا جاتا ہے۔ جیسے کوئی

طاقتور نابینا زور سے لاٹھی گھمانا شروع کر دے اور اس کے ارد گرد کھڑے کتنے ہی بے گناہ لوگوں کے سر پھٹ جائیں۔

ہماری اصطلاح میں حکیم طبیب کو بھی کہتے ہیں کوئی طبیب اگر دل کے مریض کا علاج کرتے وقت اسے بے تحاشا روغنیات (Fats) کھلاتا پلاتا جائے اور یہ سمجھے کہ میں اعلیٰ غذا اس کے اندر پہنچا رہا ہوں تو ایسا حکیم وطبیب اپنے مریض کو بہت جلد موت کے کنارے پہنچا دے گا۔کوئی شدید دردسر میں مبتلا ہو' مگر طبیب اس کے پاؤں پر مرہم پٹی کرتا رہے جس طرح نیم حکیم خطرہ جان ہیں اسی طرح نیم ملا خطرہ ایمان ہیں۔

☐ حکایت ہے کہ ایک کشتی میں ایک دینی مدرسہ کا طالب علم سوار ہوا وہ ملاح سے پوچھتا ہے کہ کیا آپ نے صرف ونحو پڑھی ہے؟ ملاح جواب دیتا ہے کہ میں نے نہیں پڑھی وہ طالب علم کہتا ہے افسوس کہ تیری آدھی زندگی برباد ہوئی۔تھوڑی دیر بعد دریا میں طوفان آتا ہے' کشتی ڈوبنے لگتی ہے۔ملاح طالب علم سے پوچھتا ہے ہاں بھئی! کیا تمہیں تیرا کی آتی ہے؟ طالب علم کہتا ہے نہیں جی۔ملاح کہتا ہے کہ میں نے صرف ونحو نہیں پڑھی تو میری آدھی زندگی برباد ہوئی مگر تو نے تیراکی نہیں سیکھی تو تیری ساری زندگی برباد ہوئی۔کیونکہ کشتی کے ڈوبنے سے طالب علم غرق ہوگا اور ملاح تیرتا ہوا' بچ کر کنارے جا پہنچے گا' یہ ہے ناقص نظام تعلیم کا نتیجہ، مدرسہ میں ایک بچے کو جو ڈھائی مسئلے سکھائے گئے وہی اس کی کل کائنات ہے۔ مدرسہ کے باہر کی دنیا سے یکسر بے خبر وہ جہاں جائے گا' وہ وہی مسئلہ پوچھے گا جو بچپن میں ازبر کروایا گیا۔اسے نہیں معلوم کہ ملاح کے ساتھ صرف ونحو کا کیا جوڑ ہے؟ ایک رشوت خور کا قرآن خوانی سے کیا تعلق ہے؟ ایک سود خور کا حب رسول ﷺ سے کیا واسطہ ہے؟ ایک بے نماز کا مسجد سے کیا لگاؤ ہے؟ بس اسی طرح سوچتے جایئے اور ادھورے مبلغوں کے بے ہنگم مسائل پر ماتم کرتے جایئے۔

کتاب الٰہی سے اکثریت غافل اور احادیث صرف مناظروں والی مرغوب' فقہی مسائل میں الجھنے کی دلچسپی مدارس کے فارغ التحصیل عملی زندگی میں غیر موزوں (Misfit) نہ ذاتی کردار

بنانے کی فکر' نہ دوسروں کے اخلاق سنوارنے کی لگن، مسلمانوں کی اکثریت مذہب سے بیزار ہو رہی ہے اور وہ اپنے ہی فقہی و اختلافی مسائل کی بانسری بجا رہے ہیں روم جل رہا تھا اور شہزادہ بانسری بجا رہا تھا کے مصداق' انسانیت تباہی کے کنارے پر پہنچ چکی ہے مگر وارثان منبر و محراب اہل کوفہ کی طرح مچھر کے خون پر بحثیں کرنے میں مشغول ہیں۔

ترک وطن کس بنیاد پر؟

جو لوگ مسلم ممالک سے ہجرت کر کے امریکہ اور یورپ میں پہنچ رہے ہیں' کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ پاکستان میں دین پر چلنے میں مشکلات درپیش تھیں۔ تب ترک وطن کیا ہے یا وہاں دین پر عمل نہ کرنے سے پھانسی دی جاتی تھی تب وطن چھوڑا ہے' ہے کوئی ایسی بات؟ جو لوگ وطن سے فرار ہوئے وہ کامیاب ہو گئے جو باقی بچے ہیں وہ بھی تیار بیٹھے ہیں۔ آخر کیوں؟ کہ مسلم ممالک میں اندھیر ہے، ظلم ہے، کرپشن ہے، باطل ہے، شیطان کے وارے نیارے ہیں، بے روزگاری ہے، مہنگائی ہے، ملاوٹ ہے، بدکاری ہے، زندگی خطرات میں ہے، امن و امان نہیں ہے، جان و مال، عزت و آبرو کے لالے پڑے ہوئے ہیں، بیمار سسک رہے ہیں علاج نہیں، جہالت عام ہے، تعلیم نہیں، وسائل رزق ڈاکو اور لٹیرے حکمرانوں کے ہاتھ میں ہیں، پبلک کو بھکاری بنا دیا گیا ہے، کیا وارثان انبیاء اپنے روایتی مشاغل سے باز آ کر ان مذکورہ مسائل پر تحقیقات کر سکتے ہیں؟ کیا ان مسائل حیات کو سلجھانے کے طریقے بتا سکتے ہیں؟ ان مسائل پر مضامین، کتابچے تیار کر کے تقاریر کر سکتے ہیں؟ عوام الناس کو چند غنڈوں نے بھیڑ بکریاں بنا رکھا ہے، اور اپنی لاٹھی سے جدھر چاہتے ہیں ہانکتے ہیں ان بیماریوں کا بھی کوئی علاج، اسلام نے بتایا ہے؟

ان مسائل کے حل کے لئے فقہی مسائل حرکت میں کیوں نہیں آتے؟ ان مصیبتوں سے نجات کے لئے احادیث رسول ﷺ کیوں سجھائی نہیں دیتیں؟ ان مشکلات سے چھٹکارے کے لئے آیات قرآنی کیوں نہیں پیش کی جاتیں؟ اس عذاب سے بچانے کے لئے' فن خطابت کے جوہر کیوں نہیں دکھائے جاتے؟ رسول ﷺ اور خلفائے راشدین کے قائم

کئے ہوئے نظام میں دنیا سکھ کی نیند سوئی تھی۔ عدل وانصاف حقدار کے دروازے پر دستک دیتا تھا۔ کوئی کسی پر دست درازی نہ کرتا تھا۔ دنیا عدل وامن سے سرشار تھی۔ رزق کی فروانی تھی۔ وہ روزی کی خاطر ترک وطن نہیں کرتے تھے۔ ہر ایک میں پیار اور محبت تھا جاہلی رسمیں مٹ گئی تھیں۔ نفرتیں بھاگ نکلی تھیں۔

کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والا نظام برپا کرنا اسلام نہیں ہے؟ کیا وہ سنت نہیں ہے؟ کیا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نظام زندگی کی بجائے نظام باطل کے تحت جینا شرک و بدعت نہیں ہے؟ اس شرک و بدعت سے نفرت کیوں نہیں؟ اندر خانے کہیں اس سے سمجھوتا تو نہیں؟ اگر نظام باطل سے ساز باز نہیں ہے اگر نظام حق سے مخلص ہیں تو اسے برپا کرنے کی فکر کی جائے۔ یہی مقصد بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے یہی حکمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، یہی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، یہی سنت خلفائے نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ حکمت یہ ہے کہ اھمّ فالاھمّ کے مطابق' ترتیب وار مسائل کو چھیڑا جائے نہ کہ بے تدبیری سے لوگوں کو دین سے بیزار کر دیا جائے۔

زبردستی منوانا تبلیغ ہے، نہ اس کا حکم دیا گیا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْشَاۤءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكُوْا وَمَاجَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ (6، الانعام 106، 107)

"ان مشرکوں کے پیچھے نہ پڑو۔ اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو (وہ خود ایسا بندوبست کر سکتا تھا کہ) یہ لوگ شرک نہ کرتے۔ آپ کو ہم نے ان پر پاسبان مقرر نہیں کیا ہے اور نہ تم ان پر حوالدار ہو"۔

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ آپ کو داعی اور مبلغ بنایا گیا ہے، کوتوال نہیں بنایا گیا۔ آپ کا کام صرف یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے اس روشنی کو پیش کر دیں اور اظہار حق کا حق ادا کرنے میں اپنی حد تک کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں۔ اب اگر کوئی اس حق کو قبول نہیں کرتا تو نہ کرے۔ آپ کو نہ اس کام پر مامور کیا گیا ہے کہ لوگوں کو حق پرست بنا کر ہی رہو، اور نہ آپ کی ذمہ داری و

جواب دہی میں یہ بات شامل ہے کہ آپ کے حلقہ نبوت میں کوئی شخص باطل پرست نہ رہ جائے۔ لہٰذا اس فکر میں خواہ مخواہ اپنے ذہن کو پریشان نہ کریں کہ اندھوں کو کس طرح بینا بنایا جائے اور جو آنکھیں کھول کر نہیں دیکھنا چاہتے انہیں کیسے دکھایا جائے۔ اگر فی الواقع حکمت الٰہی کا تقاضا یہی ہوتا کہ دنیا میں کوئی شخص باطل پرست نہ رہنے دیا جائے تو اللہ کو یہ کام آپ سے لینے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا اس کا ایک ہی تکوینی اشارہ تمام انسانوں کو حق پرست نہ بنا سکتا تھا؟ مگر وہاں تو مقصود سرے سے یہ ہے ہی نہیں۔ مقصود تو یہ ہے کہ انسان کے لئے حق اور باطل کے انتخاب کی آزادی باقی رہے اور پھر حق کی روشنی اس کے سامنے پیش کر کے اس کی آزمائش کی جائے کہ وہ دونوں چیزوں میں سے کس کو انتخاب کرتا ہے۔ پس آپ کے لئے صحیح طرز عمل یہ ہے کہ جو روشنی آپ کو دکھائی گئی ہے اس کے اجالے میں سیدھی راہ پر خود چلتے رہو اور دوسروں کو اس کی دعوت دیتے رہو۔ جو لوگ اس دعوت کو قبول کر لیں انہیں سینے سے لگاؤ اور ان کا ساتھ نہ چھوڑو، خواہ وہ دنیا کی نگاہ میں کیسے ہی حقیر ہوں۔ اور جو اسے قبول نہ کریں ان کے پیچھے نہ پڑو۔ جس انجام بد کیطرف وہ خود جانا چاہتے ہیں اور جانے پر مصر ہیں اس کی طرف جانے کے لئے انہیں چھوڑ دو۔

وَ اُمْلِیْ لَهُمْ، اِنَّ كَيْدِیْ مَتِيْنٌ

''میں ان کی رسی دراز کر رہا ہوں، میری چال بڑی زبردست ہے''۔ (القلم 45)

تبلیغ، حکمت سے ہو، حماقت سے نہ ہو

وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ، كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ (الانعام 108)

''اور (اے ایمان لانے والو) یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انہیں گالیاں نہ دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں ہم نے تو اسی طرح ہر گروہ کے لئے اس کے عمل کو خوشنما بنا دیا ہے''

تشریح:

یہ نصیحت نبی ﷺ کے پیروکاروں کو کی گئی ہے کہ اپنی تبلیغ کے جوش میں، وہ بھی اتنے بے قابو نہ ہو جائیں کہ مناظرے اور بحث و تکرار سے معاملہ بڑھتے بڑھتے، غیر مسلموں کے عقائد پر سخت حملہ کرنے، اور ان کے پیشواؤں اور معبودوں کو گالیاں دینے تک نوبت پہنچ جائے، کیونکہ یہ چیز ان کو حق سے قریب لانے کے بجائے اور زیادہ دور پھینک دے گی۔ (تفہیم القرآن جلد اول)

مبلغ کی خوبیاں

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (الاعراف 199)

”اے نبی ﷺ نرمی و درگذر کا طریقہ اختیار کرو، معروف کی تلقین کئے جاؤ اور جاہلوں سے نہ الجھو۔ اگر کبھی شیطان تمہیں اکسائے تو اللہ کی پناہ مانگو، وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ حقیقت میں جو لوگ متقی ہیں ان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال اگر انہیں چھو بھی جاتا ہے تو وہ فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر صاف نظر آنے لگتا ہے کہ ان کے لئے صحیح طریق کار کیا ہے“۔

تشریح:

ان آیات میں نبی ﷺ کو دعوت و تبلیغ اور ہدایت و اصلاح کی حکمت کے چند اہم نکات بتائے گئے ہیں اور مقصود صرف رسول پاک ﷺ ہی کو تعلیم دینا نہیں ہے، بلکہ آپ ﷺ کے ذریعے سے ان سب لوگوں کو یہی حکمت سکھانا ہے جو آپ ﷺ کے قائم مقام بن کر، دنیا کو سیدھی راہ دکھانے کے لئے اٹھیں۔ ان نکات کو سلسلہ وار دیکھنا چاہئے:

1. داعی حق کے لئے جو صفات سب سے زیادہ ضروری ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسے نرم خو، متحمل مزاج، اور عالی ظرف ہونا چاہئے۔ اس کو اپنے ساتھیوں کے لئے شفیق، عامۃ الناس کے لئے رحیم، اور اپنے مخالفوں کے لئے حلیم ہونا چاہئے۔ اس کو اپنے رفقاء کی کمزوریوں کو بھی برداشت کرنا چاہئے اور اپنے مخالفین کی سختیوں کو بھی۔ اسے شدید سے شدید اشتعال انگیز مواقع پر بھی اپنے مزاج کو ٹھنڈا رکھنا چاہئے۔ نہایت ناگوار باتوں کو بھی

اعلیٰ ظرفی کے ساتھ ٹال دینا چاہئے، مخالفوں کی طرف سے کیسی ہی سخت کلامی، بہتان تراشی، ایذا رسانی، اور شریرانہ مزاحمت کا اظہار ہو اس کو درگزر ہی سے کام لینا چاہئے۔ سخت گیری، درشت خوئی، تلخ گفتاری، منتقمانہ اشتعال طبع اس کار دعوت کے لئے زہر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سے کام بگڑتا ہے، بنتا نہیں ہے۔ اسی چیز کو نبی ﷺ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ میرے رب نے مجھے حکم دیا کہ

"غضب اور رضا دونوں حالتوں میں انصاف کی بات کہوں، جو مجھ سے کٹے، میں اس سے جڑوں، جو مجھے میرے حق سے محروم کرے، میں اسے اس کا حق دوں، جو میرے ساتھ ظلم کرے میں اس کو معاف کروں" (مسند احمد)

انہی چیزوں کی ہدایت آپ ﷺ ان لوگوں کو کرتے تھے، جنہیں آپ ﷺ دین کے کام پر اپنی طرف سے روانہ کرتے تھے۔

بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا ، يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا (بخاری)

یعنی جہاں تم جاؤ وہاں تمہاری آمد لوگوں کے لئے مژدۂ جانفزا ہو، نہ کہ باعث نفرت اور لوگوں کے لئے تم سہولت کے موجب بنو نہ کہ تنگی و سختی کے۔

اور اسی چیز کی تعریف اللہ نے نبی ﷺ کے حق میں فرمائی ہے کہ

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ

"یہ اللہ کی رحمت ہے کہ آپ ان لوگوں کے لئے نرم ہو، ورنہ اگر آپ درشت خو اور سنگدل ہوتے تو یہ سب لوگ آپ کے گرد و پیش سے چھٹ جاتے" (آل عمران 159)

2 دعوت حق کی کامیابی کا گر یہ ہے کہ آدمی فلسفہ طرازی اور دقیقہ سنجی کے بجائے لوگوں کو معروف یعنی ایسی سیدھی اور صاف بھلائیوں کی تلقین کرے، جنہیں بالعموم سارے ہی انسان بھلا جانتے ہیں، یا جن کی بھلائی کو سمجھنے کے لئے وہ عقل عام (common sense) کافی ہوتی ہے جو ہر انسان کو حاصل ہے۔ اس طرح داعی حق کی اپیل عوام و خواص سب کو متاثر کرتی ہے اور ہر سامع کے کان سے دل تک پہنچنے کی راہ نکال لیتی ہے۔

ایسی دعوت کے خلاف جو لوگ شورش برپا کرتے ہیں وہ خود اپنی ناکامی اور اس دعوت کی کامیابی کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ کیونکہ عام انسان خواہ وہ کتنے ہی تعصبات میں مبتلا ہوں جب یہ دیکھتے ہیں کہ ایک طرف ایک شریف النفس اور بلند اخلاق انسان ہے جو سیدھی سیدھی بھلائیوں کی دعوت دے رہا ہے اور دوسری طرف بہت سے لوگ اس کی مخالفت میں ہر قسم کی اخلاق و انسانیت سے گری ہوئی تدبیریں استعمال کر رہے ہیں تو رفتہ رفتہ ان کے دل خود بخود مخالفین حق سے پھرتے اور داعی حق کی طرف متوجہ ہوتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ آخر کار میدان مقابلہ میں صرف وہ لوگ رہ جاتے ہیں جن کے ذاتی مفاد نظام باطل کے قیام ہی سے وابستہ ہوں یا پھر جن کے دلوں میں تقلید اسلاف اور جاہلانہ تعصّبات نے کسی روشنی کے قبول کرنے کی صلاحیت باقی نہ چھوڑی ہو۔ یہی وہ حکمت تھی جس کی بدولت نبی ﷺ کو عرب میں کامیابی حاصل ہوئی اور پھر آپ ﷺ کے بعد تھوڑی ہی مدت میں اسلام کا پیغام قریب کے ملکوں پر اس طرح پھیل گیا کہ کہیں سو فی صدی اور کہیں (80) اسی فیصد اور کہیں نوے (90) فیصدی باشندے مسلمان ہو گئے۔

3 اس دعوت کے کام میں جہاں یہ بات ضروری ہے کہ طالبین خیر کو معروف کی تلقین کی جائے، وہاں یہ بات بھی اتنی ہی ضروری ہے کہ جاہلوں سے نہ الجھا جائے خواہ وہ الجھنے الجھانے کی کوشش کریں۔ داعی کو اس معاملہ میں سخت محتاط ہونا چاہئے کہ اس کا خطاب صرف ان لوگوں سے رہے جو معقولیت کے ساتھ بات کو سمجھنے کے لئے تیار ہوں اور جب کوئی شخص جہالت پر اتر آئے اور حجت بازی، جھگڑالو پن اور طعن و تشنیع شروع کر دے تو داعی کو اس کا حریف بننے سے انکار کر دینا چاہئے۔ اس لئے کہ اس جھگڑے میں الجھنے کا حاصل کچھ نہیں ہے اور نقصان یہ ہے کہ داعی کی جس قوت کو اشاعتِ دعوت اور اصلاحِ نفوس میں خرچ ہونا چاہئے، وہ اس فضول کام میں ضائع ہو جاتی ہے۔

4 نمبر 3 میں جو ہدایت کی گئی ہے اسی سلسلے میں مزید ہدایت یہ ہے کہ جب کبھی داعی حق مخالفین کے ظلم، اور ان کی شرارتوں اور ان کے جاہلانہ اعتراضات والزامات پر اپنی طبیعت

میں اشتعال محسوس کرے، تو اسے فوراً سمجھ لینا چاہئے کہ یہ نزغ شیطانی (یعنی شیطان کی اکساہٹ) ہے اور اسی وقت اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے کہ وہ اپنے بندے کو اس جوش میں بہہ نکلنے سے بچائے اور ایسا بے قابو نہ ہونے دے کہ اس سے دعوت حق کو نقصان پہنچانے والی کوئی حرکت سرزد ہو جائے۔ دعوت حق کا کام بہر حال ٹھنڈے دل سے ہی ہو سکتا ہے اور وہی قدم صحیح اٹھ سکتا ہے جو جذبات سے مغلوب ہو کر نہیں، بلکہ موقع ومحل کو دیکھ کر خوب سوچ سمجھ کر اٹھایا جائے۔ لیکن شیطان، جو اس کام کو فروغ پاتے ہوئے کبھی نہیں دیکھ سکتا، ہمیشہ اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ اپنے بھائی بندوں سے داعی حق پر طرح طرح کے حملے کرائے اور پھر ہر حملے پر داعی حق کو اکسائے کہ اس حملے کا جواب تو ضرور ہونا چاہئے۔ یہ اپیل جو شیطان داعی کے نفس سے کرتا ہے اکثر بڑی بڑی پرفریب تاویلوں اور مذہبی اصلاحات کے غلاف میں لپٹی ہوئی ہوتی ہے لیکن اس کی تہہ میں بجز نفسانیت کے اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اسی لئے آخری دو آیتوں میں فرمایا کہ جو لوگ متقی (یعنی اللہ سے ڈرنے اور بدی سے بچنے کے خواہشمند) ہیں وہ تو اپنے نفس میں کسی شیطانی تحریک کا اثر اور برے خیال کی کھٹک محسوس کرتے ہی فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر انہیں صاف نظر آ جاتا ہے کہ اس موقع پر دعوت دین کا مفاد کس طرز عمل کے اختیار کرنے میں ہے اور حق پرستی کا تقاضا کیا ہے۔ رہے وہ لوگ جن کے کام میں نفسانیت کی لاگ لگی ہوئی ہے اور اس وجہ سے جن کا شیاطین کے ساتھ بھائی چارے کا تعلق ہے تو وہ شیطانی تحریک کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتے اور اس سے مغلوب ہو کر غلط راہ پر چل نکلتے ہیں پھر جس جس وادی میں شیطان چاہتا ہے انہیں لئے پھرتا ہے اور کہیں جا کر ان کے قدم نہیں رکتے۔ مخالف کی ہر گالی کے جواب میں ان کے پاس گالی اور ہر چال کے جواب میں اس سے بڑھ کر چال موجود ہوتی ہے۔

اس ارشاد کا ایک عمومی محل بھی ہے اور وہ یہ کہ اہل تقویٰ کا طریقہ بالعموم اپنی زندگی میں غیر متقی لوگوں سے مختلف ہوتا ہے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں اور دل سے چاہتے ہیں کہ برائی سے بچیں ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ برے خیال کا ایک ذرا سا غبار بھی اگر ان کے دل کو چھو

جاتا ہے تو انہیں ویسی ہی کھٹک محسوس ہونے لگتی ہے جیسی کھٹک انگلی میں پھانس چبھ جانے یا آنکھ میں کسی ذرے کے گر جانے سے محسوس ہوتی ہے۔ چونکہ وہ برے خیالات بری خواہشات اور بری نیتوں کے خوگر نہیں ہوتے اس وجہ سے یہ چیزیں ان کے لئے اسی طرح خلاف مزاج ہوتی ہیں جس طرح انگلی کے لئے پھانس یا آنکھ کے لئے ذرہ یا ایک نفیس طبع اور صفائی پسند آدمی کے لئے کپڑوں پر سیاہی کا ایک داغ یا گندگی کی ایک چھینٹ۔ پھر جب یہ کھٹک انہیں محسوس ہو جاتی ہے تو ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور ان کا ضمیر بیدار ہو کر اس غبار شر کو اپنے اوپر سے جھاڑ دینے میں لگ جاتا ہے بخلاف اس کے جو لوگ نہ اللہ سے ڈرتے ہیں نہ بدی سے بچنا چاہتے ہیں اور جن کی شیطان سے لاگ لگی ہوئی ہے، ان کے نفس میں برے خیالات، برے ارادے، برے مقاصد پکتے رہتے ہیں اور وہ ان گندی چیزوں سے کوئی اُپراہت (نفرت) اپنے اندر محسوس نہیں کرتے بالکل اسی طرح جیسے کسی دیگچی میں سُور کا گوشت پک رہا ہو اور وہ بے خبر ہو کہ اس کے اندر کیا پک رہا ہے یا جیسے کسی بھنگی کا جسم اور اس کے کپڑے غلاظت سے لتھڑے ہوئے ہوں اور اسے کچھ احساس نہ ہو کہ وہ کن چیزوں میں آلودہ ہے۔ (تفہیم دوم)

حکیم مبلغ اور نادان مبلغ کا فرق

حکیم و نادان مبلغ میں بہت فرق ہے حکیم موقع شناسی سے بات کرتا ہے جب کہ نادان مبلغ اپنی بھونڈی تبلیغ میں جو موقع و محل کا لحاظ کئے بغیر لوگوں کے کانوں میں زبردستی اپنی دعوت ٹھونسنے کی کوشش کرتا ہے اور پھر لیچڑپن اور جھگڑالو پن سے انہیں الٹا متنفر کرتا ہے۔ حکیم مبلغ علوم اسلامیہ پر گہری نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ حالات حاضرہ کا واقف ہوتا ہے یعنی وہ زمانے کا بدھو نہیں ہوتا اسے معلوم ہوتا ہے کہ سامع کا مرض کیا ہے اور کونسا نسخہ اس کے مزاج کے موافق ہو سکتا ہے اور آب و ہوا کیسی ہے؟ حاذق طبیب اپنے مریض کے مرض کی پہلے تشخیص کرتا ہے، پھر مزاج کے موافق دوا تجویز کرتا ہے، پھر دوا کے استعمال کی ترکیب بتاتا ہے۔ نیم حکیم کو مرض کی تشخیص آتی ہے نہ ٹھیک دوا کا انتخاب کر پاتا ہے، نہ اسے یہ خبر ہے کہ دوا

کی مقدار خوراک کیا ہے؟ بس اسے یہ دعویٰ چین نہیں لینے دیتا کہ میرے پاس خالص دوا ہے چاہے وہ خلاف مزاج مریض ہو، چاہے دوا کچھ اور ہو مرض کچھ اور۔ فارمیسی کی ہر دوا ہر مریض کے لئے شفا کا باعث نہیں ہوتی۔ کلاس میں نری کتاب کافی نہیں ہوتی بلکہ اسے سمجھانے والا ٹیچر ضروری ہے۔ اس کی مثالیں سیرت پیغمبر ﷺ سے ملتی ہیں۔

- کسی کے شرم وحیا کے معیار کو بلند کرنا ضروری سمجھا تو فرمایا۔

اُوْصِيْكَ اَنْ تَسْتَحْيِ مِنَ اللّٰهِ كَمَا تَسْتَحِي مِنَ الرَّجُلِ الصَّالِحِ مِنْ قَوْمِكَ

''میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ تو اللہ سے یوں حیا کر، جیسے تو اپنی قوم کے نیک اور بزرگ آدمی سے حیا کرتا ہے''۔

- کسی کو استقامت علی الحق کا علمبردار بنانا تھا اور اس کی کو پورا کرنا تھا تو فرمایا۔

اُوْصِيْكَ اَنْ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَاِنْ قُطِعْتَ اَوْ حُرِّقْتَ بِالنَّارِ

''میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ تو اللہ کے ساتھ ذرا شریک نہ ٹھہرانا، اگرچہ تیرے جسم کے ٹکڑے کر دیئے جائیں یا تجھے آگ میں جلا دیا جائے''۔

- کسی کی زبان کو طاہر بنانا مقصود ٹھہرا تو فرمایا۔

اُوْصِيْكَ اَنْ لَّا تَكُوْنَ لَعَّانًا

''میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ زبان کو لعنت کرنے سے بچانا''۔

- کسی میں اللہ کے خوف کی کمی پائی تو فرمایا۔

اُوْصِيْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ ، فَاِنَّهٗ رَاْسُ الْاَمْرِ كُلِّهٖ

''میں تجھے وصیت کرتا ہوں اللہ کے خوف کی، کہ یہ سارے امور کی جڑ ہے''

- کسی میں حسن اخلاق کی کمی دیکھی تو فرمایا۔

اُوْصِيْكَ بِحُسْنِ الْخُلُقِ وَالصَّمْتِ

''میں تجھے حسن اخلاق اور خاموش رہنے کی وصیت کرتا ہوں''

- کسی میں سچائی کی کمی پائی تو فرمایا۔

اُوْصِيْكَ بِصِدْقِ الْحَدِيْثِ

''میں تجھے سچی بات کرنے کی وصیت کرتا ہوں''۔

☐ کچھ لوگوں کو ہمسائے کے حقوق میں کمزور پایا تو فرمایا۔

اُوْصِیْکُمْ بِالْجَار

''میں تمہیں حق ہمسائیگی کی وصیت کرتا ہوں''۔

☐ کسی کو وعدے کی خلاف ورزی کرتے دیکھا تو فرمایا۔

اُوْفِ بِعَهْدِ اللّٰه

''اللہ کے وعدے کو ایفا کر''۔

☐ کسی نے شادی کر کے ولیمہ نہ کیا تو فرمایا۔

اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ

''ولیمہ کر، چاہے ایک بکری کا ہو''۔

☐ کسی کو موت کی یاد کا سبق دینا تھا تو فرمایا۔

أیُّ النَّاسِ اَکْیَسُ ؟ لوگوں میں زیادہ عقلمند کون ہے؟ پھر فرمایا۔

اِنَّ اَکْیَسَ النَّاسِ اَکْثَرُ هُمْ لِلْمَوْتِ ذِکْرًا

''لوگوں میں زیادہ عقلمند وہ ہے، جو موت کو کثرت سے یاد رکھتا ہے''۔

☐ اخلاص عمل کی یوں ترغیب دلائی۔

اَیُّهَا النَّاسِ اَخْلِصُوْ اَعْمَالَکُمْ لِلّٰه

''لوگو! اپنے عملوں کو اللہ کے لئے خالص کرلو''

☐ دین میں مشکلات نہ تلاش کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا۔

اَیُّهَا النَّاسِ اِنَّ دِیْنَ اللّٰه یُسْرٌ

''لوگو اللہ کا دین آسان ہے''۔

☐ اَیُّهَا النَّاسِ اِنَّمَا الْعِلْم بِالتَّعَلُّمْ

''لوگو! علم سیکھنے سے آتا ہے''۔

- أَيُّهَا النَّاسِ إِنَّهُ لَا غَشَّ بَيْنَ الْمُسْلِمِينْ

"لوگو!" "آپس میں مسلمانوں کو دھوکہ دینا، یا ملاوٹ کرنا جائز نہیں ہے"۔

أَيُّهَا النَّاسِ اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ

"لوگو! حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح"

- أَيُّهَا النَّاسِ سَلُوا اللّٰه الْمُعَافَاةَ

"لوگو! اللہ سے معافی کا سوال کرلو"

- أَيُّهَا النَّاسِ عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَة

"لوگو! ہمیشہ جماعتی زندگی گزارنا۔ یعنی تنہا یا ٹکڑوں میں نہ بٹ جانا"

- أَيُّهَا النَّاسِ هَاجِرُوْا وَ تَمَسَّكُوْ بِالْإِسْلَام

"لوگو! ہجرت کرو اور اسلام کا دامن مضبوطی سے تھام لو"

- أَيُّهَا النَّاسِ اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى

"لوگو! اوپر والا ہاتھ، نیچے والے سے بہتر ہے"

الغرض اس طرح کے سینکڑوں، ہزاروں نسخے، ہر مریض کی ضرورت کے مطابق، حکیم حاذق جناب محمد ﷺ نے جدا جدا تجویز فرمائے۔ اللہ کی طرف سے جو حکم ملا تھا کہ

"اے نبی ﷺ اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو، حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ" (النحل 125)

آپ ﷺ نے اس حکم کی تعمیل، عمدہ طریقے سے کر کے دکھا دی، ایسی کہ اسوۂ حسنہ اور اسوۂ کامل بن گئی۔ دعوت دین میں دونوں چیزیں: ① ایک حکمت، ② دوسرے عمدہ نصیحت، مثال بن گئی رہتی دنیا تک کے لئے۔ خود مذکورہ آیات کا مصداق بنے، عمل سے ثابت کر دکھایا۔ آپ ﷺ دانائی کے ساتھ مخاطب کی ذہنیت، قابلیت اور حالات کو سمجھ کر، نیز موقع و محل کو دیکھ کر ارشاد فرماتے، سب کو ایک ہی لاٹھی سے نہ ہانکتے جس شخص یا گروہ سے سابقہ پیش آتا پہلے اس کے مرض کی تشخیص کرتے پھر ایسے دلائل سے اس کا علاج فرماتے، کہ اس

کے دل و دماغ کی گہرائیوں سے، اس کے مرض کو جڑ سے نکال باہر کرتے۔ موعظہ حسنہ کا نمونہ پیش فرمایا۔ مخاطب کو صرف دلائل سے مطمئن کرنے پر اکتفا نہ کرتے، بلکہ اس کے جذبات کو بھی اپیل فرماتے، برائیوں اور گمراہیوں کا محض عقلی حیثیت سے ابطال نہ فرماتے، بلکہ انسان کی فطرت میں ان کے لئے جو پیدائشی نفرت پائی جاتی ہے اسے بھی ابھارتے، اس کے برے نتائج کا خوف دلاتے۔ ہدایت اور عمل صالح کی محض صحت اور خوبی ہی عقلاً ثابت نہ کرتے، بلکہ اس کی طرف رغبت اور شوق بھی پیدا کرتے۔ آپ ﷺ کی تبلیغ سے دل سوزی اور خیر خواہی ٹپکتی تھی سننے والا کبھی یہ محسوس نہ کرتا کہ مجھے حقیر سمجھ کر بات کر رہے ہیں بلکہ وہ سمجھتا کہ دل میں اصلاح کی تڑپ لئے ہوئے گفتگو فرما رہے ہیں جس میں سراسر اس کی بھلائی ہے۔

افہام وتفہیم نہ کہ مناظرہ بازی

اللہ ﷻ فرماتا ہے۔

وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (النحل 125)

"اور لوگوں سے مباحثہ کرو، ایسے طریقے سے جو بہتر ہو"

تشریح:

یعنی اس کی نوعیت مناظرہ بازی اور عقلی کشتی اور ذہنی دنگل کی نہ ہو۔ اس میں کج بحثیاں، الزام تراشیاں، چوٹیں اور پھبتیاں نہ ہوں اس کا مقصود حریف مقابل کو خاموش کر دینا اور اپنی زبان آوری کے ڈنکے بجانا نہ ہو بلکہ اس میں شیریں کلامی ہو اعلیٰ درجہ کا شریفانہ اخلاق ہو۔ معقول اور دل لگتے دلائل ہوں۔ مخاطب کے اندر ضد اور بات کی پچ اور ہٹ دھرمی پیدا نہ ہونے دی جائے۔ سیدھے سیدھے طریقے سے اس بات کو سمجھانے کی کوشش کی جائے اور جب محسوس ہو کہ وہ کج بحثی پر اتر آیا ہے تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

مخالف کو کس طرح نصیحت کریں؟

اللہ نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو حکم دیا۔

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى

”جاؤ تم دونوں فرعون کے پاس، کہ وہ سرکش ہو گیا ہے اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا، شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے“۔ (طٰہٰ 44,43)

تشریح:

آدمی کے راہ راست پر آنے کی دو ہی شکلیں ہیں یا تو تفہیم و تلقین سے مطمئن ہو کر صحیح راستہ اختیار کر لیتا ہے یا پھر برے انجام سے ڈر کر سیدھا ہو جاتا ہے۔ اس حکم ربی میں کتنی عظیم بات، داعی کو بتائی گئی ہے کہ بڑے سے بڑے دشمن حق کو دعوت دیتے وقت نرم لہجہ استعمال کرنا ہے، قول لین سے کام لینا ہے، تند و تیز جملوں سے مخاطب نہیں کرنا، یعنی تبلیغ کو ایسی بھاری گٹھڑی سمجھ کر اپنے سر سے اٹھا کر دوسرے کے سر پر زور سے نہیں دے مارنا ہے کہ اس کی گردن ہی ٹوٹ جائے بلکہ شفقت آمیز لہجے سے بات ہو کہ سامع کے دل میں اتر جائے، ساتھ ساتھ اللہ سے دعا کریں کہ ایسا مؤثر سلیقہ نصیب ہو کہ سننے والا سوچنے پر مجبور ہو جائے۔ سنانے سے پہلے، دعویٰ پیش کرنے سے پہلے، اپنا صاف ستھرا کردار بھی منوانا ہے یعنی داعی کے کردار میں کوئی نمایاں اور غیر شرعی خامیاں نہ ہوں۔ داعی کا کردارِ اعلیٰ، مخالفین کو رام کرنے میں بہت مددگار ثابت ہوتا ہے۔

تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے (اقبال)

اللہ سے شیریں زبانی و اثر آفرینی کی دعا کرتا رہے، خیر فرعون و کلیم کا مکالمہ جاری رہا اور بالآخر فرعون پوچھتا ہے۔

فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى

”کہ پہلے جو نسلیں گزر چکی ہیں ان کی پھر کیا حالت تھی“؟ (طٰہٰ 51)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کمال جواب دیا۔

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ کِتٰبٍ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسَی

''موسیٰ علیہ السلام نے کہا اس کا علم میرے رب کے پاس ایک نوشتے میں محفوظ ہے، میرا رب نہ چوکتا ہے نہ بھولتا ہے''۔(20، طٰحٰہ، 52)

تشریح:

فرعون نے بہت عیارانہ سوال کیا کہ گزشتہ لوگوں کو موسیٰ علیہ السلام جاہل اور گمراہ کہیں گے تو اس سے سارے سامعین کے دل میں تعصب کی آگ بھڑک اٹھے گی اور کوئی موسیٰ علیہ السلام کی بات نہ سنے گا مگر آپ علیہ السلام نے کمال عقلمندی سے جواب دیا کہ اس کا علم میرے رب کے پاس ہے، فرعون کی وہ شرارت کامیاب نہ ہو سکی۔ اسی طرح داعی کو طرح طرح کے لوگوں سے سابقہ پیش آتا ہے تو حکمت کے ساتھ جوابات دیئے جائیں تاکہ دعوت دین کا راستہ کھل سکے، کوئی ایسی فتویٰ بازی نہ کی جائے کہ دعوت کا دروازہ بند ہو جائے۔ سیرت انبیاء سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ داعی کو بہت حوصلہ مند اور ہوشمند ہونا چاہیے۔ اسی طرح اللہ اپنے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَۃَ ، نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ

''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم: برائی کو اس طریقہ سے دفع کرو جو بہترین ہو، جو کچھ باتیں وہ آپ پر بناتے ہیں وہ ہمیں خوب معلوم ہیں''۔(المومنون 96)

اس حکم میں یہ بات واضح ہوئی کہ داعی حق، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نمائندہ ہوتا ہے، دعوت میں برائی کا جواب برائی سے نہ دے کر اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ اپنانا ہے اور یہ یقین کر کے مشن پر قائم رہنا ہے کہ میری پشت پر خالق کائنات کی تائید و نصرت ہے، دنیا چاہے کچھ پروپیگنڈا کرے، خفیہ سازشیں کرے، ان سب کو جاننے والا میرا اللہ اوپر سے دیکھ رہا ہے اور وہی مخالفین کی تدبیروں کو پلٹ کے رکھنے والا ہے، لہٰذا داعی فکرمند کیوں ہو؟ پریشان تو وہ ہو جس کا اللہ نہ ہو۔

بحث عمدہ طریقے سے کریں

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (العنکبوت 46)

''اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو، مگر عمدہ طریقے سے۔''

تشریح :

یعنی مباحثہ کی اگر ضرورت پیش آ جائے تو معقول دلائل کے ساتھ، مہذب وشائستہ زبان میں، اور افہام وتفہیم کی اسپرٹ سے ہونا چاہئے۔ تاکہ جس شخص سے بحث کی جارہی ہو اس کے خیالات کی اصلاح ہو سکے مبلغ کو فکر اس بات کی ہونی چاہئے کہ وہ مخاطب کے دل کا دروازہ کھول کر، حق بات اس میں اتار دے اور اسے راہ راست پر لائے۔ اس کو ایک پہلوان کی طرح نہیں لڑنا چاہئے جس کا مقصد اپنے مدمقابل کو نیچا دکھانا ہوتا ہے۔ بلکہ اس کو حکیم کی طرح، چارہ گری کرنی چاہئے جو مریض کا علاج کرتے ہوئے ہر وقت یہ بات ملحوظ رکھتا ہے کہ اس کی اپنی کسی غلطی سے مریض کا مرض اور زیادہ بڑھ نہ جائے اور اس امر کی پوری کوشش کرتا ہے کہ کم سے کم تکلیف کے ساتھ مریض شفایاب ہو جائے۔ مریض کو جب یقین ہو جاتا ہے کہ ڈاکٹر میرا ہمدرد ہے تو دل کا آپریشن کروانے کے لئے، خود اس کے سامنے لیٹ جاتا ہے، اور اپنا سینہ کاٹنے کیلئے پیش کر دیتا ہے۔ بعض دفعہ ایسا مریض قلب اپنی موت کے کاغذ پر دستخط بھی کر دیتا ہے کہ دوران آپریشن میں مر بھی جاؤں تو ڈاکٹر پر کوئی گلہ نہیں ہوگا، کیونکہ وہ ہمدردانہ اور مخلصانہ کوشش کرے گا۔ وہ جان بوجھ کر مجھے موت کے منہ میں نہیں دھکیلے گا۔

اسی طرح جہالت کے مریض کو اگر یقین آ جائے کہ داعی حق میرا دلی ہمدرد ہے، یہ مجھے نار جہنم سے بچانے میں مخلصانہ کوشش کر رہا ہے تو وہ مریض جہالت بھی اپنی جہالت کا آپریشن کروانے کے لئے خود کو پیش کر سکتا ہے۔ بس شرط ہے داعی کے حکیم ہونے کی۔ لیکن جب مریض کو یہ خبر ہو جائے کہ میرا مرض ڈاکٹر کی غفلت سے اور بڑھ گیا ہے تو ایسے ڈاکٹر پر عدالت میں کیس ہو جاتا ہے۔ اگر معاملہ زیادہ نازک ہو تو اس ڈاکٹر کا لائسنس بھی منسوخ ہو

جاتا ہے، کہ ایسے غفلت شعار ڈاکٹر کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ انسانوں کی جانوں سے کھیلتا پھرے۔ پھر اسے مزید ڈاکٹری کی پریکٹس کی اجازت نہیں دی جاتی۔ مگر حیف ہے ایسے مبلغین پر، جو لوگوں کے ایمان سے کھیلتے ہیں، اور ان کی تبلیغ کا لائسنس منسوخ نہیں ہوتا۔ نیم حکیم لوگوں کی صرف جان سے کھیلتا ہے مگر نیم عالم لوگوں کی جان اور ایمان، دونوں سے کھیلتا ہے جب وہ مسلمانوں میں تعصّبات کی آگ بھڑکا کر قتل و غارت تک کروا دیتا ہے۔ یعنی یہ ظالم ڈاکٹر سے بھی بڑا ظالم ہے۔

مسلکوں کی لڑائیاں کیوں ہوتی ہیں؟

یہ لسانی مذہبی و مسلکی منافرات اس لئے پھیلی ہیں کہ مدتوں سے مسلمانوں کا شیرازہ بکھر گیا، کوئی ان کا اسلامی و سیاسی مرکز نہ رہا، اسلام کا عالمگیر نظام نظروں سے اوجھل ہو گیا، ہر فرقے کی بنیاد چند مسائل ٹھہری۔ پیغمبرانہ آفاقی پیغام، کسی کے پاس نہ رہا، گھسے پٹے چند غیر بنیادی مسائل کو اختلافات و تعصّبات کے کونڈے میں ڈال کر اتنا رگڑ رہے ہیں کہ کپڑ چھان کرنے کی بھی ضرورت باقی نہ رہی۔ تعصّبات کی بوٹی گھوٹ گھوٹ کر اپنے اپنے حلقہ اثر کے لوگوں کو پلاتے جا رہے ہیں اور نشے میں مدہوش کر رہے ہیں۔ جب اس بوٹی کا خمار چڑھتا ہے تو اول فول منہ سے نکلنے لگتا ہے پھر ہر مسلک کا نشے باز دوسرے کے مسلک پر حملہ آور ہوتا ہے۔ صدیوں سے یہ سلسلہ جاری ہے کہیں ختم ہونے کا نام نہیں لیتا۔ امت مسلمہ کو شکست دینے کے لئے نہ دشمنان اسلام کی ضرورت رہی، نہ باطل فوجوں کی حاجت رہی، نہ شیطان کو زیادہ زور لگانا پڑا، سارا دنگا فساد اور ابتری خود بخود مسلمانوں کے اندر ہی سے پیدا ہو رہی ہے۔ اسلام جو سب انبیاء کرام کا سنہری مشن تھا، جو انسانیت کی فلاح کا دین تھا، جس سے دکھی انسانیت نے سکھ پایا تھا وہ عالی شان پیغام (Message) گم ہو کے رہ گیا ہے۔ اسلام کی دعوت کا باب بند ہوا، مسلکوں کی پٹاریاں کھلی ہوئی ہیں۔ رسول پاک ﷺ کی امت مرحومہ پر آج کوئی نوحہ خواں نہیں ہے، کوئی پریشان نہیں ہے، اکثر مذہبی کاریگروں نے اپنی اپنی دکان سجا رکھی ہے، گاہک پھانسے جا رہے ہیں، کیونکہ اکثر عوام دین سے بے خبر ہیں، وہ

سادگی میں مذہب کے نام پر لٹتے رہتے ہیں کیونکہ لوٹنے والے بشارتوں کے ہار لئے ہوئے ہوتے ہیں بلا عمل جنتوں کے سبز باغ دکھاتے رہتے ہیں اور سادہ لوح عوام ان کے جھانسے میں آتے رہتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے عقیدہ مضبوط ہونا چاہئے عمل کی کمزوری قابل معافی ہے۔ کوئی کہتا ہے عشق رسول ﷺ ہی بیڑا پار لگا دے گا چاہے عمل صفر ہو۔ کوئی کہتا ہے حب اہل بیت سے سفینہ پار لگ جائے گا عمل کی پرواہ نہیں ہے۔ نجات کے ایسے آسان نسخے پیش کرنے والے بہت سیانے ہیں کیونکہ لوگ تو پہلے ہی جنت کا مختصر راستہ (Short Cut) ڈھونڈتے ہیں انہیں ایسے سہل نسخے بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں۔

پیغام حقیقت کیا ہے؟ جس کی تبلیغ ضروری ہے

سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ انسانیت کے لئے وہ پیغام ہے کیا، جس کی تبلیغ کی ضرورت ہے اور پھر اس کے راستے میں حکمت کی ضرورت ہے پھر صبر و تحمل کی ضرورت ہے۔

تمام انبیاء کی دعوت کی قدر مشترک (اُعبدُوا الله)

قرآن کریم میں تمام انبیاء کی دعوت کی قدر مشترک یہ ہے "اُعبدُو الله" کہ ایک اللہ کی بندگی کرو، یہ چھوٹا سا جملہ ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ایک اللہ کی بندگی ہے کیا؟ حالانکہ یہی مدار تبلیغ انبیاء ہے۔ "اُعبدُوا الله" یہ وہ ابدی پیغام حقیقت ہے جسے سب نبیوں نے، اپنی اپنی قوموں کو دیا۔ عموماً ان قوموں نے اس پیغام کو رد کر دیا کیونکہ وہ اس پیغام کی حقیقت کو جان گئے تھے کہ اس پیغام کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے من مانے نظام زندگی سے دستبردار ہو جائیں۔ اس پیغام کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح ساری کائنات میں اللہ کا قانون اور حکم چلتا ہے اسی طرح انسانوں کو اختیار و ارادہ کی قوت دیکر امتحان گاہ میں کھڑا کر دیا گیا کہ اللہ کے احکام اور قوانین کو اپنی انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی تک لاگو کر لو، جاری و ساری کر لو۔ انسان بھی اللہ کی مخلوق ہے، جیسے پہاڑ اور درخت وغیرہ مخلوق ہیں۔ اگر پہاڑ اور درخت اپنے خالق کے حکم کی ذرا بھی نافرمانی نہیں کرتے تو انسان کو بھی ویسا ہی فرمانبردار بن جانا چاہئے، اپنے خالق کی منشا اور مرضی کے مطابق زندگی بسر

کرے، اطاعت الٰہی سے مالا مال ہو کر اس دنیا سے رخصت ہو اور موت کے اس پار حیات جاوداں پائے۔

''اُعبُدُوا اللّٰہ'' کے پیغام پر خود ساری زندگی عمل کرنا، انبیاء کرام کی طرح ساری انسانیت کو اس کی دعوت دینا، پھر اس دعوت کے راستے میں جو مشکلات آئیں، ان کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا، ہر انسان کی پیدائش کا مقصد ٹھہرا۔ ''اُعبُدُوا اللّٰہ'' کی عملی تفسیر نبیوں کے سردار ﷺ کی پوری زندگی نمونہ بنادی گئی ہے۔ وہ فخر انبیاء ﷺ اعلان نبوت سے پہلے غار حرا کی تنہائیوں میں پرسکون عبادت میں مصروف تھے مگر اللہ کو یہ منظور نہ ہوا بلکہ تمام انسانیت کی فلاح کے لئے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کو خلوت سے نکال کر جلوت میں لا کھڑا کیا۔ گوشہ عافیت کے بجائے اسے اللہ کے باغیوں میں اعلان حق کے لئے مقرر کیا، بگڑی ہوئی انسانیت کو درست کرنے پر مامور کیا۔ آپ ﷺ کا پیغام کیا تھا؟ قُولُو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہ لوگو! لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ لو، یہ سن کر لوگ سیخ پا ہو گئے مزاحمتیں شروع ہو گئیں خیر و شر کا معرکہ برپا ہوا، نگاہ ظاہر بین کو صرف اتنا نظر آتا ہے کہ آپ ﷺ نے بتوں کی نفی کی مگر جھگڑا صرف اتنا نہ تھا بلکہ پوری زندگی کا جو نظام چل رہا تھا اسے یکسر بدل کر، ساری زندگی کی لگام اللہ کے ہاتھ میں دینا تھی۔ کہ آپ جس کے اصل بندے ہیں اس کی بندگی و غلامی کا پٹہ اپنے گلے میں ڈال لیں۔ باقی سب اطاعتوں کے طوق گلے سے کاٹ پھینکیں ''لَآ اِلٰہَ'' پڑھنے کے بعد تمہاری مرضی نہیں چلے گی اب تم اپنے خالق کے شعوری غلام بن گئے ہو، غلام کی کیا مجال کہ اپنے آقا کے کسی حکم کی خلاف ورزی کرے؟ جس طرح پتھر کے بتوں کی پرستش حرام ہے اور شرک ہے۔ اسی طرح غیر اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کو چلانا، انہیں نافذ کرنا حرام اور شرک ہے قوانین خالق کو چھوڑ کر خود قوانین بنانا حرام اور شرک ہے۔ غیر اللہ کے قوانین کے تحت آرام کی زندگی گزارنا حرام اور شرک ہے۔ قوانین غیر اللہ کو مٹانے کے لئے جدو جہد نہ کرنا بھی شرک ہے۔

اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (سورۃ لقمان 13)

''یقیناً کائنات کا سب سے بڑا جرم شرک باللہ ہے''

صرف پتھر کے صنم نظر آتے ہیں ان کے خلاف غصہ نکال لیا جاتا ہے، جو زندہ نمرود و فرعون اللہ کی بغاوت پر مبنی نظام چلا رہے ہیں، جو زبردستی لوگوں کی گردنوں پر مسلط ہیں، جو اللہ کی مخلوق کو خالق کے نظام پر نہیں چلنے دیتے، انہی طاغوتوں کے درباروں میں ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام بھیجے گئے۔ اسی نظام باطل کی تباہی کے لئے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے کہ اس کو جڑوں سے اکھاڑ کر اس کی جگہ نظام حق قائم کریں۔ آپ کی بعثت کا آغاز اُعبدُو اللّٰہَ اور قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ سے ہوا اور بعثت کی تکمیل خطبہ حجۃ الوداع کی شکل میں ہوئی۔

خطبہ حجۃ الوداع

یہ خطبہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور کار نبوت کا نچوڑ ہے۔ یہ خطبہ ایک دائمی انسانی منشور (Human Charter) کی حیثیت رکھتا ہے۔ چودہ صدیاں بیت چکی ہیں، حقوق انسانی کے اس عالمی و آفاقی منشور میں کوئی مہذب سے مہذب قوم اضافہ نہ کر سکی اور نہ قیامت تک کوئی اضافہ کر سکے گی۔ جہاں آج میدان عرفات میں مسجد نمرہ ہے اس مقام پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر یہ خطبہ ارشاد فرمایا، سننے والے جان نثار ایک لاکھ (100,000) سے زیادہ تھے۔

1. اللہ کی حمد و ثناء کی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔۔۔۔۔الخ کہتے ہوئے فرمایا۔
2. لوگو! میری بات غور سے سنو! میں نہیں سمجھتا کہ اس سال کے بعد کبھی حج کے اس اجتماع میں، میں اور تم سب یکجا یہاں جمع ہو سکیں گے۔

لوگو! اللہ کا ارشاد ہے کہ انسانو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا کہ تم الگ الگ پہچانے جا سکو۔ تم میں زیادہ عزت والا اللہ کی نظروں میں وہ ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ (الحجرات 13)

اب نہ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل ہے نہ کسی عجمی کو عربی پر، نہ کالا گورے سے افضل ہے نہ گورا کالے سے، ہاں بزرگی اور فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ صرف تقویٰ ہے۔

3. سارے انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ

مٹی سے بنائے گئے۔ اب فضیلت و برتری کے سارے دعوے، خون و مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں۔ بس بیت اللہ شریف کے انتظام اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمات علیٰ حالہا باقی رہیں گی۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا قریش کے لوگو! ایسا نہ ہو کہ اللہ کے حضور تم اس طرح آؤ کہ تمہاری گردنوں پر تو دنیا کا بوجھ لدا ہوا ہو اور دوسرے لوگ سامان آخرت لے کر پہنچیں۔ دیکھو! اگر ایسا ہوا تو میں اللہ کے سامنے تمہارے لئے کچھ بھی کام نہ آسکوں گا۔

4 قریش کے لوگو! اللہ نے تمہاری جھوٹی نخوت کو ختم کر ڈالا اور باپ دادا کے کارناموں پر تمہارے فخر و مباہات کی اب کوئی گنجائش نہیں۔

5 لوگو! تمہارے خون اور تمہارے مال اور عزتیں ایک دوسرے پر قطعاً حرام کر دی گئیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تمہاری جان و مال اور آبرو کی اہمیت ایک دوسرے کے لئے ایسی ہی ہے جیسے تمہارے اس دن، یعنی یوم حج کی اور اس ماہ مبارک یعنی ذی الحجہ کی، خاص کر اس شہر یعنی مکہ مکرمہ میں کی ہے۔ تم سب اللہ کے ہاں پیش کئے جاؤ گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس فرمائے گا۔ دیکھو! کہیں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس میں ہی ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔ اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو اس بات کا پابند ہے کہ امانت اس کے حقدار تک بحفاظت پہنچا دے۔

6 لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، اپنے غلاموں کا خیال رکھنا، ہاں غلاموں کا خاص خیال رکھنا، انہیں وہی کھلانا جو تم خود کھاؤ، انہیں ویسا ہی لباس پہناتے رہنا جیسا تم پہنتے ہو۔

7 دور جاہلیت کا سب کچھ میں نے اپنے پاؤں تلے روند دیا ہے۔ زمانہ جاہلیت کے خونی انتقام اب کالعدم (Void) کر دیئے گئے ہیں، پہلا انتقام جسے میں کالعدم (Void) قرار دیتا ہوں میرے اپنے خاندان کا ہے۔ یعنی ربیعہ بن الحارث کے (بنو سعد کے ہاں) دودھ پیتے بیٹے کا خون، جسے بنو ہذیل نے مار ڈالا تھا اب میں معاف کرتا ہوں۔ دور جاہلیت کا سود اب کوئی

حیثیت نہیں رکھتا، پہلا سود جسے میں چھوڑتا ہوں، عباس بن عبدالمطلب کے خاندان کا سود (Usurious Dues) ہے اب یہ ختم ہو گیا۔

8 لوگو! اللہ نے ہر وارث (حقدار) کو اس کا حق (ورثہ) خود دے دیا اب کوئی کسی وارث کے حق میں وصیت نہ کرے۔ بچہ اس کی طرف منسوب ہو گا جس کے بستر پر وہ پیدا ہو گا، جس پر حرام کاری ثابت ہو اس کی سزا رجم (سنگساری) ہے۔ حساب کتاب اللہ کے ہاں ہو گا۔

9 جو کوئی اپنا نسب بدلے گا یا کوئی غلام، جو اپنے آقا کے مقابل میں کسی اور کو اپنا آقا ظاہر کرے گا اس پر اللہ کی لعنت۔

10 قرض واجب الادا ہے۔ عاریۃً لی ہوئی چیز واپس کرنی ہو گی۔ تحفہ کا بدلہ دینا چاہئے اور جو کوئی کسی مسلمان کا ضامن بنے وہ تاوان ادا کرنے کا پابند ہے۔

11 کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ کسی مسلمان بھائی کی رضا مندی کے بغیر کوئی چیز لے، اپنے آپ پر اور دوسروں پر ظلم نہ کرنا۔

12 بیوی کو جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے مال سے کچھ دے۔

13 لوگو! تمہارے اوپر تمہاری عورتوں کے حق ہیں اسی طرح ان پر بھی تمہارے حقوق واجب ہیں۔ عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ اپنے گھروں میں کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جسے تم پسند نہیں کرتے اور وہ خیانت کا کوئی کام نہ کریں، کوئی کام کھلی بے حیائی کا نہ کریں اور اگر وہ ایسا کریں تو اللہ کی جانب سے اس کی اجازت ہے کہ تم انہیں معمولی جسمانی سزا دو اور وہ باز آ جائیں تو انہیں دستور کے مطابق کھلاؤ پہناؤ۔

14 عورتوں سے اچھا سلوک کرو کیونکہ وہ تو تمہاری پابند ہو کے رہ گئی ہیں اور خود اپنے لئے کچھ نہیں کر سکتیں ان کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا کہ تم نے انہیں اللہ کے نام پر حاصل کیا ہے اور اس کے نام پر وہ تمہارے لئے حلال ہوئیں۔

15 لوگو! میری بات سمجھ لو، میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا۔ میں تمہارے درمیان دو ایسے امر چھوڑے جا رہا ہوں کہ تم کبھی گمراہ نہ ہو گے اگر اس پر قائم رہے اور وہ اللہ کی کتاب ہے اور

اس کے رسول کی سنت۔ ہاں دیکھو، دین کے بارے میں غُلو (Exaggeration) سے بچنا کہ تم سے پہلے کے لوگ ایسی باتوں کے سبب ہلاک کر دیئے گئے۔

16 بے شک شیطان مکمل طور پر مایوس ہو چکا ہے کہ اب اس سرزمین میں اس کی عبادت نہ ہو سکے گی۔ لیکن اس بات کا امکان ہے کہ جن معاملات کو تم کم اہمیت دیتے ہو اس میں اس کی بات مان لی جائے گی اور وہ اسی پر راضی ہے اس لئے تم اس سے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کرتے رہنا۔

17 لوگو! اپنے رب کی عبادت کرتے رہنا، پانچ وقت کی نماز ادا کرتے رہنا، رمضان کے روزے رکھتے رہنا، اپنے مالوں کی زکوٰۃ، خوش دلی سے ادا کرتے رہنا، اپنے خدا کے گھر کا حج کرتے رہنا، اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرتے رہنا، تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ (یعنی جو حکمران اللہ اور رسول ﷺ کا فرمانبردار ہو)

18 سنو! اب مجرم خود ہی اپنے جرم کا ذمہ دار ہوگا۔ نہ باپ کے بدلے میں بیٹا پکڑا جائے گا نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا۔

19 سنو! جو لوگ آج یہاں موجود ہیں انہیں چاہئے کہ یہ ہدایات اور یہ باتیں ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی غیر موجود تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہو۔

20 لوگو! تم سے میرے بارے میں اللہ کے ہاں سوال کیا جائے گا بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟

21 لوگوں نے جواب دیا ہم اس بات کی گواہی دیں گے کہ آپ ﷺ نے دین کی امانت ہم تک پہنچا دی، حقِ رسالت ادا فرما دیا، ہماری خیر خواہی فرمائی۔

22 یہ سن کر رسول پاک ﷺ نے اپنی انگلی مبارک آسمان کی جانب اٹھائی اور لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین (3) مرتبہ ارشاد فرمایا۔

''اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ! گواہ رہنا!''

خطبہ حجۃ الوداع کے مأخذ

مذکورہ تمام جملے کسی ایک حدیث میں یکجا نہیں ملتے آپ ﷺ کا یہ خطبہ بہت طویل تھا ہر شخص کو جو فقرہ یاد رہ گیا اسی کی اس نے روایت کردی۔ بہر حال، صحاح ستہ اور مسانید کی تمام روایات کو جمع کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس حج میں تین دفعہ خطبہ دیا 9 ذی الحجہ سے 12 ذی الحجہ کے درمیان۔ (سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ)

خطبہ حجۃ الوداع کی عظمت

یہ خطبہ اسلام کے انفرادی اور اجتماعی نظام اخلاقیات اور اصول شریعت کا ایک جامع ضابطہ ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حقوق انسانی کے ایک عالمی منشور کی حیثیت رکھتا ہے جسے جاری کیے ہوئے اب چودہ سو سال سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا ہے مگر اس خطبے میں دی ہوئی ہدایات پر تمام اقوام عالم کی ترقیاں اس پر کوئی اضافہ نہ کرسکیں اور نہ آئندہ کبھی کرسکیں گی۔ یہ خطبہ نبوی ﷺ بار بار پڑھنے کے قابل ہے، سمجھنے کے قابل ہے، سمجھانے کے قابل ہے۔

1. رسول اکرم ﷺ نے قرآن وسنت پر عمل کی تاکید فرمائی اور اس بات کی حتمی ضمانت دے دی کہ قرآن وسنت پر عمل کرتے ہوئے ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔
2. مسلمانوں کے باہمی حقوق مقرر فرمادیئے ہر ایک کی جان ومال اور عزت کو تحفظ دیا۔
3. بیویوں کے حقوق پر نہایت مستحکم الفاظ میں توجہ دلائی۔
4. ہر مسلمان کو تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کا ذمہ دار وجواب دہ قرار دیا۔

- ان ابدی وعالمی اصولوں پر عمل کرنے سے امت مسلمہ کو دین ودنیا کی سربلندی نصیب ہوتی ہے ان سنہری اصولوں کو ترک کرکے دنیا اور آخرت کا خسارہ ہوتا ہے۔

الوداعی خطبہ کے خاص خاص نکات

- عرفات کے میدان میں جب رسول اکرم ﷺ اپنی نبوت کا خلاصہ بیان فرمانے لگے تو یہ وہ دن تھا جب اسلام اپنے جاہ وجلال کے ساتھ نمودار ہوا اور جاہلیت کے تمام بے ہودہ مراسم مٹادیئے گئے۔

- تکمیل انسانی کی منزل میں، سب سے بڑا کوہ گراں، امتیاز مراتب تھا، جو دنیا کی قوموں نے، تمام ممالک نے مختلف صورتوں میں قائم کر رکھا تھا، سلاطین دنیا اپنے کو ظل اللہ سمجھتے تھے، جن کے آگے کسی کو چون وچرا کی مجال نہ تھی، مذاہب کے پیشواؤں کے ساتھ کوئی شخص مسائل مذہبی میں گفتگو کا مجاز نہ تھا، شرفاء کا طبقہ عام لوگوں سے بالاتر تصور ہوتا تھا۔ غلام آقا کے ہمسر نہیں ہو سکتے تھے، آج یہ تمام تفرقے، امتیازات، مصنوعی حد بندیاں دفعتہً ٹوٹ گئیں۔

- بعض محدثین نے تصریح کی ہے کہ چونکہ مجمع بہت بڑا تھا اور آپ ﷺ جو پیغام (Message) اپنی امت کو پہنچانا چاہتے تھے وہ نہایت اہم تھا اس لئے بعض بعض فقرے آپ ﷺ نے بار بار دہرائے۔

- عرب کی زمین ہمیشہ خون سے رنگین رہتی تھی۔ آج یہ سب سے قدیم رسم، عرب کا سب سے مقدم فخر، خاندان کا پر فخر مشغلہ، برباد کر دیا جاتا ہے اور اس کے لئے نبوت کا منادی، سب سے پہلے خود اپنا نمونہ پیش کرتا ہے۔ اپنے خاندان کا خون باطل قرار دیتا ہے۔

- تمام عرب میں سودی کاروبار کا ایک جال پھیلا ہوا تھا جس سے غرباء کا ریشہ ریشہ جکڑا ہوا تھا اور ہمیشہ کے لئے وہ اپنے قرض خواہوں کے غلام بن چکے تھے۔ آج وہ دن ہے کہ اس سودی جال کا تار تار الگ ہوتا ہے اس فرض کی تکمیل کے لئے بھی معلم حق سب سے پہلے اپنے خاندان کو پیش کرتے ہیں کہ اپنے چچا س عباس رضی اللہ عنہ کا سود باطل قرار دیتا ہوں۔

- آج تک عورتیں منقولہ جائیداد سمجھی جاتی تھیں، قمار بازیوں میں جوئے پر لگا دی جاتی تھیں، آج پہلا دن ہے کہ یہ گروہ مظلوم، یہ صنف نازک، قدردانی کا تاج پہنتی ہے۔

- عرب میں جان ومال کا کوئی تحفظ نہ تھا، جو چاہتا قتل کر دیتا، جو چاہتا کسی کا مال لوٹ لیتا آج امن وسلامتی کا بادشاہ تمام دنیا کو صلح کا پیغام سناتا ہے۔

- ابدی مذہب کا پیغمبر ﷺ اپنی زندگی کے عملی نمونے (سنت) کے ساتھ، ہدایات ربانی کا مجموعہ، قرآن کریم، اپنی امت کے سپرد کرتا ہے اور اس پر سختی سے عمل کی تاکید کرتا اور اس

پر عمل کرنے سے گمراہ نہ ہونے کا مژدہ سناتا ہے اس کی ضمانت مہیا کرتا ہے۔

- نہایت حیرت انگیز اور عبرت خیز منظر یہ تھا کہ رحمت اللعالمین اسلامی مملکت کا سربراہ، جس وقت لاکھوں کے مجمع میں یہ فرمان الٰہی سنا رہا تھا (کہ آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام پر راضی ہو گیا (المائدۃ 3) اس کے تحت شہنشاہی کی مسند و بالیں (کجاوہ اور عرق گیر) چند روپوں سے زیادہ قیمت کا نہ تھا۔

- قوموں کی بربادی ہمیشہ آپس کے جنگ و جدال اور باہمی خوں ریزیوں کا نتیجہ رہی ہے۔ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جو ایک لازوال قومیت کا بانی بن کر آیا تھا اس نے اپنے پیرووں سے با آواز بلند فرمایا۔ میرے بعد گمراہ نہ ہونا، ایک دوسرے کی گردنیں نہ مارنا۔۔۔ الخ

- عرب کی بدامنی اور نظام ملک کی بے ترتیبی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ ہر شخص اپنی خداوندی کا آپ ہی مدعی تھا اور دوسرے کسی کی ماتحتی و فرمانبرداری کو اپنے لئے ننگ و عار جانتا تھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر کوئی حبشی، بنی بریدہ (ناک کٹا) غلام بھی تمہارا امیر ہو اور وہ تم کو اللہ ﷻ کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنا۔ (صحیح مسلم)

یوں ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ اس وقت اسلام کے نور سے منور ہو چکا تھا۔ خانہ کعبہ عالم اسلام کا مرکز بن چکا تھا اور فتنہ انگیز قوتیں پامال ہو چکی تھیں۔

الوداعی خطبہ اور اس کا حاصل:

جس نبوت کا ابتدائی کلمہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تھا اور اُعبدُوا اللّٰه'' کا اعلان تھا آج نبوت کا دروازہ بند کرتے وقت بھی یہی فرمایا۔ ''اُعبدُوا رَبَّكُمْ'' اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہنا، عبادت کی تفصیل گزر چکی ہے۔ یعنی آغاز و انجام نبوت، عبادت الٰہی قرار پائی۔ جیسے یہ خطبہ سارے کار نبوت کی جان ہے، ویسے ہی اس کی روح یعنی تبلیغ کا حکم دیا۔ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ: جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ ان کو جا کر سنائیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔

قابل تبلیغ کیا کیا چیزیں ہیں؟ جنہیں پھیلانے کا حکم ہوا

1. قبیلہ برادریاں صرف پہچان ہیں اور ان کی کوئی حقیقت و حیثیت نہیں۔
2. عرب وعجم میں کوئی امتیاز نہیں۔
3. جھوٹی انا اور نخوت کا خاتمہ۔
4. جان، مال، عزت، حج اور مکہ کی طرح محترم ہیں۔
5. قتل ناحق پر پابندی عائد ہوئی۔
6. امانتوں کی حفاظت ضروری ہے انہیں ادا کرنا لازم ہے۔
7. سارے مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔ اللہ کی نگاہ میں ادنیٰ واعلیٰ سب برابر ہیں۔
8. جاہلیت کی رسمیں باطل ہوئیں۔
9. سود کا خاتمہ۔
10. وراثت کا حق ادا کرنا۔
11. حرام کاری کی ممانعت۔
12. قرض واپس کرنا ضروری۔
13. بیوی کے حقوق، خاوند کے حقوق، خاندانی نظام کا استحکام۔
14. کتاب الٰہی پر عمل کی سختی۔
15. دین میں مبالغے اور غلو سے پرہیز۔
16. اللہ واحد کی عبادت۔
17. پنج وقتہ نماز کی پابندی۔
18. رمضان کے روزے۔
19. زکوٰۃ ادا کرنا۔
20. حج کرنا جب طاقت ہو۔
21. نیک حکمرانوں کی اطاعت۔
22. صرف مجرم کو سزا ملے گی دوسرے کو نہیں۔
23. آخرت میں حساب دینے کا احساس بیدار کرنا۔

مسلمانوں کی بے نصیبی اور کوتاہ اندیشی

یہ تھے مذکورہ احکام، موٹے موٹے اسلام کے اصول جن کو اجاگر (Highlight) کرنا ضروری تھا، جن کی تبلیغ کا آپ ﷺ نے بصیغہ امر حکم دیا تھا۔ مگر اسے مسلمانوں کی بدنصیبی کہیے یا کم ظرفی کہیے کہ آج جن مسائل کی بنیاد پر الگ الگ فرقے بن گئے ان مسائل کا تذکرہ، خطبہ حجۃ الوداع میں نہیں ہے۔ جن مسائل کو اچھال اچھال کر، مذہبی کشتیاں اور مناظرے بازیاں ہوتی ہیں ان کا نام ونشان اس عظیم خطبے میں نہیں ہے۔ جن فقہی مسائل پر معرکہ آرائیاں ہوتی ہیں اور تعصبات پھیلائے جاتے ہیں اور ذہنوں میں ایک دوسرے مسلمانوں کے خلاف گندگی بھری جاتی ہے ان باتوں کا ذکر اللہ کے محبوب ﷺ کے آخری عظیم الشان خطبے میں کہیں نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے جن باتوں پر اس خطبے میں زور دیا، آج کے مبلغ ان پر زور کیوں نہیں دیتے؟ جن باتوں کو آپ ﷺ نے زور دے کر نہیں فرمایا، انہیں پرزور طریقے سے کیوں پیش کیا جاتا ہے؟ کیا یہ مقصد نبوت سے دجل وفریب نہیں ہے؟ کیا یہی کارنبوت ہے؟

☐ اگر یہ علمائے سوء کے مصنوعی اور پیدا کردہ مسائل اتنے اہم ہوتے تو پیغمبر ﷺ اسلام ان کا ذکر اس خطبے میں ضرور کرتے، ضرور انہیں اجاگر کرتے، مگر نگاہ نبوت ایسے مسائل کو امت کے لئے زہر قاتل سمجھتی تھی۔ تبھی انہیں اس عظیم خطبے میں نظر انداز فرمایا، صرف ان باتوں پر زور دیا جو امت کے لئے رحمت وشفقت کی تھیں، اور مفید تھیں۔ امت احمد مرسل ﷺ میں مذہبی منافرت کی آگ بھڑکانے والے شریروں نے دنیا کو مسلمانوں کے لئے جہنم زار بنادیا، کاش کوئی اس آتش نمرود کو گل وگلزار میں بدلنے کا کردار ادا کرے۔

اسلام میں قومیت اور وطنیت

اللہ قرآن حکیم میں فرماتا ہے۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ۔ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ (العنکبوت 57)

"اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو میری زمین وسیع ہے پس تم میری ہی بندگی بجالاؤ، ہر متنفس کو موت کا مزا چکھنا ہے، پھر تم سب ہماری طرف ہی پلٹا کر لائے جاؤ گے۔"

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ اگر مکہ شہر میں اللہ کی بندگی کرنی مشکل ہو رہی ہے تو ملک چھوڑ کر نکل جاؤ، اللہ کی زمین تنگ نہیں ہے جہاں بھی تم اللہ کے بندے بن کر رہ سکتے ہو، وہاں چلے جاؤ، تم کو قوم و وطن کی نہیں بلکہ اپنے خدا کی بندگی کرنی چاہیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل چیز قوم، وطن اور ملک نہیں ہے بلکہ اللہ کی بندگی ہے۔ اگر کسی وقت قوم وطن اور ملک کی محبت کے تقاضے، اللہ کی بندگی کے تقاضوں سے ٹکرا جائیں تو وہی وقت مومن کے ایمان کی آزمائش کا ہوتا ہے۔ جو سچا مومن ہے وہ اللہ کی بندگی کرے گا اور قوم، وطن، ملک کو لات مار دے گا۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے اپنی قوم قریش کے وطن، مکہ مکرمہ کو چھوڑ دیا تھا کہ وہاں خدا کی بندگی کے تقاضے پورے نہیں ہو رہے تھے۔ خانہ کعبہ کو اشکبار نگاہوں سے دیکھا کہ تجھے چھوڑ کر جانے کو جی نہیں چاہتا، مگر بندگی رب کی مجبوری سے تیرا فراق سہہ رہا ہوں اور تجھے چھوڑ کے جا رہا ہوں۔ لیکن جو جھوٹا مدعی ایمان ہوتا ہے وہ ایمان کو چھوڑ دے گا اور اپنی قوم اپنے وطن سے چمٹا رہے گا۔ یعنی یہ بالکل واضح ہو گیا کہ ایک سچا رب پرست، محبِ قوم و وطن تو ہو سکتا ہے مگر قوم پرست اور وطن پرست نہیں ہو سکتا، اس کے لئے اللہ کی بندگی ہر چیز سے بڑھ کر پیاری ہے، جس پر دنیا کی ہر چیز کو وہ قربان کر دے گا مگر اسے دنیا کی کسی چیز پر بھی قربان نہ کرے گا۔

☐ پھر اللہ موت کا تذکرہ کرتا ہے کہ ہر جاندار کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ یعنی جان کی فکر نہ کرو، یہ تو کبھی نہ کبھی جانی ہی ہے۔ ہمیشہ رہنے کے لئے تو کوئی بھی دنیا میں نہیں آیا ہے۔ لہٰذا تمہارے لئے لائق فکر مسئلہ یہ نہیں ہے کہ اس دنیا میں جان کیسے بچائی جائے؟ بلکہ اصل مسئلہ قابل غور یہ ہے کہ ایمان کیسے بچایا جائے اور خدا پرستی کے تقاضے کس طرح پورے

کیے جائیں؟ آخر کار تمہیں پلٹ کر ہماری طرف ہی آنا ہے اگر دنیا میں جان بچانے کے لئے ایمان کھو کر آئے تو اس کا نتیجہ کچھ اور ہوگا اور ایمان بچانے کے لئے جان کھو آئے تو اس کا انجام کچھ دوسرا ہوگا، پس فکر جو کچھ بھی کرنی ہے اس بات کی کرو کہ ہماری طرف جب پلٹو گے تو کیا لے کر پلٹو گے؟ جان پر قربان کیا ہوا ایمان؟ یا ایمان پر قربان کی ہوئی جان؟

☐ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۝ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا

جنہوں نے صبر کیا ہے جو اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں، نعمتوں بھری جنتیں ان کے لئے ہیں، کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے۔ (العنکبوت60,59)

تشریح:

صبر کیا ہے یعنی جو ہر طرح کی مشکلات اور مصائب اور نقصانات اور اذیتوں کے مقابلے میں ایمان پر قائم رہے ہیں جنہوں نے ایمان لانے کے خطرات کو اپنی جان پر جھیلا ہے اور منہ نہیں موڑا ہے، ترک ایمان کے فائدوں اور منفعتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور ان کی طرف ذرہ برابر التفات نہیں کیا ہے۔ کفار و فساق کو اپنے سامنے پھلتے پھولتے دیکھا ہے اور ان کی دولت و حشمت پر ایک نگاہ غلط انداز بھی نہیں ڈالی ہے۔ اپنے رب پر بھروسہ کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے بھروسہ اپنی جائیدادوں اور اپنے کاروبار اور اپنے کنبے قبیلے پر نہیں کیا، بلکہ اپنے رب پر توکل کیا۔ جو اسباب دنیوی میں نہ ڈوبے، بلکہ ایمان کی خاطر ہر خطر سہنے اور طاقت باطل سے ٹکرا جانے کے لئے تیار ہو گئے، وقت آیا تو گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے، جنہوں نے اپنے رب پر اعتماد کیا کہ ایمان اور نیکی پر قائم رہنے کا اجر اس کے ہاں کبھی ضائع نہ ہوگا، یقین رکھا کہ وہ اپنے مومن و صالح بندوں کی اس دنیا میں بھی دستگیری فرمائے گا اور آخرت میں بھی ان کے حسن عمل کا بہترین بدلہ دے گا۔

جانور اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے، یعنی ہجرت اور ترک وطن کرنے میں تمہیں فکر جان کی

طرح، فکر روزگار سے بھی پریشان نہ ہونا چاہئے آخر یہ بے شمار چرند پرند، آبی حیوانات جو تمہاری آنکھوں کے سامنے، ہوا، خشکی، پانی میں پھر رہے ہیں ان میں سے کون اپنا رزق اٹھائے پھرتا ہے؟ اللہ ہی تو ان سب کو پال رہا ہے، جہاں جاتے ہیں اللہ کے فضل سے ان کو کسی نہ کسی طرح رزق مل ہی جاتا ہے، لہذا تم یہ سوچ سوچ کر ہمت نہ ہارو کہ اگر ایمان کی خاطر گھر بار چھوڑ کر نکل گئے تو کھائیں گے کیا؟ اللہ جہاں سے اپنی بے شمار مخلوق کو رزق دے رہا ہے، تمہیں بھی دے گا۔

جناب عیسیٰ علیہ السلام کی حکمت تبلیغ

جناب عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کرسکتا، کیونکہ یا تو ایک سے عداوت رکھے گا اور دوسرے سے محبت، یا ایک سے ملا رہے گا اور دوسرے کو ناچیز جانے گا، تم اللہ اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کرسکتے اس لئے میں کہتا ہوں کہ اپنی جان کی فکر نہ کرنا، کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے اور نہ اپنے بدن کی، کہ کیا پہنیں گے، کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر نہیں؟

ہوا کے پرندوں کو دیکھو نہ بوتے (کاشت کرتے) ہیں، نہ کاٹتے ہیں، نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں ''پھر بھی تمہارا آسمانی رب ان کو کھلاتا ہے'' کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے؟ تم میں سے ایسا کون ہے جو فکر کر کے اپنی عمر میں ایک گھڑی (پل) بھی بڑھا سکے؟ اور پوشاک کے لئے کیوں فکر کرتے ہو؟ جنگلی سوسن کے درختوں کو غور سے دیکھو کہ وہ کس طرح بڑھتے ہیں، نہ وہ محنت کرتے ہیں، نہ کاتتے ہیں، پھر بھی میں تم سے کہتا ہوں کہ سلیمان علیہ السلام بھی باوجود اپنی ساری شان وشوکت کے، ان میں سے کسی کے مانند ملبوس نہ تھا پس جب اللہ میدان کی گھاس کو جو آج ہے اور کل تنور میں جھونکی جائے گی ایسی پوشاک پہناتا ہے، تو اے کم اعتقادو! تم کو کیوں نہ پہنائے گا۔ اس لئے فکر مند نہ ہو کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے یا کیا پہنیں گے؟ ان سب چیزوں کی تلاش میں تو غیر قومیں رہتی ہیں، تمہارا آسمانی رب جانتا ہے کہ تم ان سب چیزوں کے محتاج ہو، تم پہلے اس کی بادشاہی اور اس کی راست بازی

کی تلاش کرو یہ سب چیزیں بھی تمہیں مل جائیں گی کل کے لئے فکر نہ کر۔ کل کا دن اپنی فکر آپ کرے گا، آج کے لئے آج ہی کا دکھ کافی ہے۔ (Mathew, Chap. 6/24-34)

قرآن اور بائبل کے ارشادات کا پس منظر ایک ہی ہے دعوت حق کی راہ میں ایک مرحلہ ایسا آ جاتا ہے جس میں ایک حق پرست آدمی کے لئے اس کے سوا چارہ کار نہیں رہتا کہ عالم اسباب کے تمام سہاروں سے قطع نظر کرکے، محض اللہ کے بھروسے پر جان جوکھوں کی بازی لگا دے، ان حالات میں وہ لوگ کچھ نہیں کر سکتے جو حساب لگا لگا کر، مستقبل کے امکانات کا جائزہ لیتے ہیں اور قدم اٹھانے سے پہلے، جان کے تحفظ اور رزق کے تحفظ کی ضمانتیں تلاش کرتے ہیں، درحقیقت اس طرح کے حالات بدلتے ہی ان لوگوں کی طاقت سے ہیں جو سر ہتھیلی پر لے کر اٹھ کھڑے ہوں اور ہر خطرے کو انگیز کرنے کے لئے بے دھڑک تیار ہو جائیں۔ انہی کی قربانیاں آخرکار وہ وقت لاتی ہیں جب اللہ کا کلمہ بلند ہوتا اور اس کے مقابلے میں سارے کلمے پست ہو کر رہ جاتے ہیں۔

دعوت، عدل پر مبنی ہو

وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُم (الشوریٰ 15)

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں"۔

تشریح:

1 مطلب یہ ہے کہ میں ان ساری گروہ بندیوں سے الگ رہ کر، بے لاگ انصاف پسندی اختیار کرنے پر مامور ہوں۔ میرا کام یہ نہیں ہے کہ کسی گروہ کے حق میں، اور کسی کے خلاف تعصب برتوں۔ میرا تعلق سب انسانوں سے یکساں ہے، اور وہ ہے سراسر عدل وانصاف کا تعلق۔ جس کی جو بات حق ہے میں اسی کا ساتھی ہوں، خواہ وہ غیروں کا غیر ہی کیوں نہ ہو اور جس کی جو بات حق کے خلاف ہے میں اس کا مخالف ہوں۔ خواہ میرا وہ قریب ترین رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

2 دوسرا مطلب یہ ہے کہ میں جس حق کو تمہارے سامنے پیش کرنے پر مامور ہوں اس

میں کسی کے لئے بھی کوئی امتیاز نہیں، بلکہ وہ سب کے لئے یکساں ہے، اس میں اپنے اور غیر، بڑے اور چھوٹے، غریب اور امیر، شریف اور کمین کے لئے الگ الگ حقوق نہیں ہیں بلکہ جو حق ہے وہ سب کے لئے حق ہے، جو گناہ ہے وہ سب کے لئے گناہ ہے، جو حرام ہے وہ سب کے لئے حرام ہے، جو جرم ہے وہ سب کے لئے جرم ہے، اس بے لاگ ضابطے میں میری اپنی ذات کے لئے بھی کوئی استثناء (Exception) نہیں ہے۔

3 تیسرا مطلب یہ ہے کہ میں دنیا میں عدل قائم کرنے پر مامور ہوں میرے سپرد یہ کام کیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے درمیان انصاف کروں اور ان بے اعتدالیوں اور بے انصافیوں کا خاتمہ کردوں جو تمہاری زندگیوں میں اور تمہارے معاشرے میں پائی جاتی ہیں۔

4 ان تین مطالب کے علاوہ، اس فقرے کا چوتھا مطلب بھی ہے جو مکہ معظّمہ میں نہ کھلا تھا، مگر ہجرت کے بعد کھل گیا اور وہ یہ کہ میں خدا کا مقرر کیا ہوا قاضی اور جج ہوں، تمہارے درمیان انصاف کرنا میری ذمہ داری ہے۔

☐ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: اِذَا رَاَیْتَ مِثْلَ الشَّمْسِ فَاشْهَدْ وَاِلَّا فَدَعْ

"اگر تو نے واقعہ کو خود اپنی آنکھوں سے اس طرح دیکھا جیسے تو سورج کو دیکھ رہا ہے تو گواہی دے، ورنہ رہنے دے"۔ (احکام القرآن للجصاص)

اسلام وہم و گمان پر گواہی بھی قبول نہیں کرتا مگر ہمارے فرقوں کے اختلافات میں بدگمانیوں کا بڑا ہاتھ اکثر عدل و انصاف کا دامن چھوٹا رہتا ہے۔ تبھی "بَغْیًا بَیْنَهُمْ" کے مظاہرے ہوتے رہتے ہیں۔

دعوت، پکار ہی نہیں، غالب نظامِ زندگی ہے

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ

"وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے (پوری جنس) دین پر غالب کردے"۔ (التوبہ 33، الفتح 28 الصف 9)

تشریح:

پوری جنس دین سے مراد، زندگی کے وہ تمام نظام ہیں جو دین کی نوعیت رکھتے ہیں۔

یہاں اللہ اپنے پیارے پیغمبر ﷺ کی بعثت کا مقصد یہ بتاتا ہے کہ رسول ﷺ کا کام محض دین کی تبلیغ ہی نہیں تھا بلکہ اسے دین کی نوعیت رکھنے والے، تمام نظام ہائے زندگی پر غالب کر دینا تھا۔ دوسرے الفاظ میں آپ ﷺ یہ دین اس لئے نہیں لائے تھے کہ زندگی کے سارے شعبوں پر غلبہ تو ہو کسی دین باطل کا اور اس کی قہرمانی کے تحت یہ دین ان حدود کے اندر سکڑ کر رہے جن میں دین غالب اسے جینے کی اجازت دے دے، بلکہ اسے آپ ﷺ اس لئے لائے تھے کہ زندگی کا غالب دین یہ ہو اور دوسرا کوئی دین، اگر جیئے بھی تو ان حدود کے اندر جیئے جن میں یہ اسے جینے کی اجازت دے۔

لفظ دین کا مفہوم

عام طور پر لفظ دین کا مفہوم سمجھنے میں، مسلمان خطا کرتے ہیں اسے محض عبادات تک محدود سمجھتے ہیں حالانکہ یہ لفظ قرآن کریم میں کئی معنوں میں مستعمل ہے۔

1. حاکمیت اعلیٰ:

Sovereignty and Supreme authority

2. حاکمیت کے مقابلے میں تسلیم واطاعت

Obedience and submission to such authority

3. وہ نظام فکر وعمل جو اس حاکمیت کے زیر اثر بنے۔

The system of thought and action established through the exercise of that authority.

4. مکافات، جو اقتدار اعلیٰ کی طرف سے اس نظام کی وفاداری واطاعت کے صلے میں یا سرکشی وبغاوت کی پاداش میں دی جائے۔

Retribution meted out by the authority in consideration of loyalty and obedience to it, or rebellion and transgression against it.

باطل نظامِ زندگی کو دین کہا گیا

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰی وَلْیَدْعُ رَبَّہٗ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَکُمْ اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ (المومن 26)

''فرعون نے کہا: چھوڑو مجھے میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کیے دیتا ہوں اور اب وہ پکارے اپنے رب کو، مجھے خوف ہے کہ کہیں یہ تمہارا دین نہ بدل دے، یا ملک میں فساد نہ کھڑا کر دے''

یعنی فرعونی نظام حکومت و سیاست کو بھی دین کہا گیا۔ اس لئے دین صرف نماز روزے کا نام ہی نہیں، بلکہ پورے نظام زندگی کو دین کہتے ہیں۔ اگر یہ نظام اللہ کی حاکمیت کے تحت چلے تو دین حق ہوگا اگر یہ نظام غیر الٰہی حاکمیت میں چلے، تو دین باطل ہوگا۔ ایسے ہی ادیان باطلہ پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین حق کو غالب کر کے دنیا سے رخصت ہوئے، جسے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے آگے بڑھایا اور بعد والوں نے رفتہ رفتہ، عیسائیوں کی طرح، دین و سیاست کو جدا جدا کر کے ظلم عظیم کیا۔ طاقتور اقتدار پر قابض ہوئے اور اہل مذہب اقتدار سے دور بھاگ گئے، صدیوں سے امت مسلمہ اس کا خمیازہ بھگت رہی ہے۔ صدیوں سے مذہبی پیشواؤں نے مساجد و مدارس میں گوشہ نشینی، یعنی چلتی پھرتی رہبانیت اپنا رکھی ہے۔ دین فرعون سے موسیٰ علیہ السلام کی طرح تصادم سے گریزاں ہیں۔ دین فرعون و ابوجہل پٹواریوں سے لیکر وزارتوں تک، پولیس کے سپاہیوں سے لے کر حکمرانوں تک دندناتا پھرتا ہے، بہت منہ زور اور سینہ زور ہے، اندھی طاقت ہے، ظلم و بربریت ہے اور ربانی نظام کا باغی ہے۔ مگر حیف ہے دین اسلام کے مبلغوں پر کہ ان کی اس نظام باطل سے کوئی مزاحمت ہی نہیں ہے۔ بعض دفعہ تو گمان ہونے لگتا ہے کہ یا تو یہ لوگ غلبہ اسلام کے جذبے سے اس قدر بے خبر ہیں یا جان بوجھ کر چپ سادھ گئے ہیں کہ کون ٹکراؤ کی صورت میں بلال حبشی رضی اللہ عنہ بنے، خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ بنے، خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بنے؟ عافیت کوشی، مسند نشینی کا چسکا لگ گیا ہے جیسے باطل حکمرانوں کو کرسی کا نشہ ہوتا ہے۔ اگر کوئی انہیں یاد دلاتا ہے کہ دین فرعون و نمرود کو گوارا کرنا، نہ شیوہ ابراہیمی ہے نہ سلیقہ کلیمی۔ وقت کے ابوجاہلوں اور ابولہبوں کے نظام کے تحت، آرام و سکون سے جینا، طریق مصطفوی نہیں ہے تو یہ کہہ کر ٹال جاتے ہیں، ہمارا

سیاست سے کوئی تعلق نہیں، کوئی جمہوریت کو کفر کہہ کر مسلمانوں کو جھوٹی تسلی دے دیتا ہے۔ کیونکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جیسے اولوالعزموں کا سا حوصلہ ہی نہیں ہے۔ بلکہ عزیمت کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے والے پر فتووں کی توپیں چلنا شروع ہو جاتی ہیں۔ چند رٹے رٹائے، اختلافی و فروعی مسائل میں پوری پوری زندگی برباد کر گئے، بوڑھے ہو گئے اور اسلام کی حقانیت کے بجائے، مسلکوں کے بھنور میں پھنس کے رہ گئے۔ نہ آفاقی نظر خود کو نصیب ہوئی، نہ شاگردوں میں روحِ اسلام پھونک سکے۔ سارا زمانہ باطل کے دھارے پر بہتا جا رہا ہے اور کوئی اس کے آگے بند باندھنے والا نہیں ہے۔

❑ مولانا حالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس انتشارِ فکر پر شعروں کی شکل میں یوں لکھا ہے:

بڑھے جس سے نفرت وہ تقریر کرنی جگر جس سے شق ہوں وہ تحریر کرنی
گنہگار بندوں کی تحقیر کرنی مسلمان بھائی کی ـــــ تکفیر کرنی
کبھی وہ گلے کی رگیں ہیں پھلاتے کبھی جھاگ پر جھاگ ہیں منہ پر لاتے
کبھی خوک اور سگ ہیں اس کو بتاتے کبھی مارنے کو عصا ہیں اٹھاتے
ستوں چشم بد دور ہیں آپ دیں کے نمونہ ہیں خلق رسول ﷺ امیں کے

❑ ایسی اندھیر نگری میں نورِ اسلامی کی شمع روشن کرنا، پھر ایک قندیل سے دوسری قندیل جلانا، انہی حوصلہ مندوں کا کام ہے جو بقول علامہ اقبال:

ہوا ہو گو تندو تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

❑ ایسے بلند ہمت مردان کار ہمیشہ تھوڑے ہوتے ہیں کبھی ان کی تعداد اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی میں پوری دنیا کے مقابلے میں، ایک سو سے بھی کم ہوتی ہے، کبھی ابراہیم علیہ السلام کی طرح ایک، ساری دنیا میں ہوتی ہے۔ کبھی میدان بدر کی طرح ایک تہائی ہوتی ہے کبھی ہزاروں میں چند سینکڑے، کبھی لاکھوں میں چند ہزار، کبھی کروڑوں میں لاکھ، کبھی اربوں میں چند لاکھ، لیکن ساری دنیا میں یہی ہیرے ہوتے ہیں جو اللہ کی نگاہ میں مقبول و منظور ہو جاتے ہیں۔ تمام دنیا کے صحرا سے ان ہیروں کی تلاش ہے۔

اسلامی اخلاق وآداب

جس طرح ہر قوم وملت کے اخلاق وآداب ہوتے ہیں، اسی طرح دین اسلام بھی اخلاق وآداب زندگی سے مالا مال ہے۔ بلکہ اقوام وملت عالم سے اگر موازنہ کیا جائے تو اتنے نفیس اور بلند اخلاق اسلام کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہیں، حقیقت یہ ہے کہ مذہب اسلام جہاں خالق کی عبادت پر زور دیتا ہے وہیں زندگی گزارنے کا پورا نقشہ عطا کرتا ہے، ایسا مکمل نقشہ کہ جس میں کہیں جھول نہیں۔ خداوند کریم نے اپنے فضل وکرم سے اخلاقیات کا بہترین نمونہ ہمیں اپنے پیارے نبی محمد ﷺ کی شکل میں عطا کیا۔ ہمارے رب نے اپنی کتاب ہدایت میں اس کا خاص طور پر ذکر فرمایا۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

"درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے، ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔" (3، آل عمران، 164)

اللہ نے قرآن کے بارے میں منکرین کو چیلنج دے کر آج تک انہیں بے بس کیا ہوا ہے۔ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ اس قرآن جیسی ایک سورت ہی بنا کر دکھا دو۔" ایسے ہی لَقَدْ کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ فرما کر چیلنج دیا کہ انسانیت کا بہترین جیتا جاگتا نمونہ ہم نے اپنے آخری نبی ﷺ کو بنایا ہے۔ اس جیسی ایک ہی صورت پیش کر کے دکھاؤ۔ بوعلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

مصحفے را ورق ورق دیدم
ہیچ سورت نہ مثل صورت اوست

میں نے قرآن کا ایک ایک ورق دیکھا ہے۔کوئی سورت بھی تو ان کی صورت جیسی نہیں۔یعنی کوئی سورت بھی تو تنہا ان کی تصویر نہیں کھینچتی۔تیس پارے جوڑنے سے ان کی خوبصورت تصویر بنتی ہے۔جن کا نام مبارک محمد ﷺ ہے۔

قرآن مجید حضور اقدس ﷺ کی سیرت طیبہ پر سب سے مستند کتاب ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا

(كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنْ) (بخاری شریف)

''آپ ﷺ کا کردار قرآن مجید ہے۔''

قرآن کریم میں جن باتوں کے کرنے کا حکم ہے، ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ حضور ﷺ یہ کام کرتے رہے اور قرآن نے جن برائیوں سے بچنے کی تلقین کی ہے، ہم یقین اور قطعیت سے کہہ سکتے ہیں کہ حضور ﷺ ان کاموں سے اجتناب کرتے رہے۔پس نگاہ معرفت سے دیکھئے تو بسم اللہ سے لے کر والناس تک تمام محمد رسول ﷺ کے کردار کی حکایت ہے۔

عبادات اور اخلاق

اب ہمیں عبادات اور آداب معاشرت کا تعلق شریعت میں تلاش کرنا ہے۔ آیا یہ دونوں چیزیں جدا جدا ہیں یا دونوں ایک دوسرے کے لئے ضروری ہیں؟ ایک مثال سے یہ بات طے ہو جاتی ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں مدعی کے پاس دو گواہ تھے،ایک گواہ کے بارے میں تو انہیں علم تھا کہ وہ قابل اعتماد ہے، لیکن دوسرے گواہ کی ثقاہت کا حال انہیں معلوم نہیں تھا۔آپ رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے پوچھا: تم میں سے کوئی شخص گواہی دیتا ہے کہ یہ شخص قابل اعتماد ہے؟ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ ثقہ آدمی ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تمہیں کیسے

معلوم ہوا کہ یہ قابل اعتماد ہے؟

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، هَلْ جَاوَرْتَهٗ اَم صحبتَ مَعَهٗ فی السفر الذی یسفر عن الحقیقة ام عقدت معه عقدا

''کیا تو اس کے پڑوس میں رہا ہے یا اس کے ساتھ سفر کیا ہے جو انسان کی قلعی کھول دیتا ہے، یا اس کے ساتھ کوئی کاروباری معاملہ ہے؟''

اس نے کہا ان میں سے تو کوئی بات نہیں ہوئی، عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا لعلك رایته خارجا من المسجد بعد الصلوۃ فانت لا تعرفه (ازالۃ الخفاء)

''شاید تم نے اسے نماز کے بعد مسجد سے باہر آتے دیکھا ہے پس تم تو اسے (کردار کے لحاظ سے) نہیں جانتے ہو۔''

یہ واقعہ ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے کہ انسان عبادت گزار ہوتے ہوئے بھی نامقبول ہے۔ جب تک اس کے کردار کی سچائی، اس کی عبادت پر گواہی نہ دے۔ قرآن کریم منصب نبوت کی ذمہ داری یہ بھی بتاتا ہے کہ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ بلکہ يُزَكِّيهِمْ کو قرآن بار بار دہراتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے تم پر اللہ کی رحمت وارد ہوتی ہے، جس سے جذبات دھلتے ہیں، روحوں کی سیاہیاں دور ہوتی ہیں، جذبات دھلنے کے بعد تمہاری عقل و ذہن میں کتاب اللہ ڈالتے ہیں، اگر کردار کا برتن ہی گندہ ہو اور اس میں قرآن ڈال دیں تو قرآن جب باہر آئے گا تو گندگی سے آلودہ ہوگا۔ وہ آلودگی قرآن کی نہیں بلکہ اپنے نفس کی خباثت ہوگی، اس آیت میں یہ بہت بڑی حقیقت بتائی گئی ہے کہ جذبات کی تطہیر کے بغیر تعلیم کتاب و حکمت ناقص ہے، يُعَلِّمُهُمْ سے پہلے يُزَكِّيهِمْ کہا کہ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہاری تطہیر کرتے ہیں، تمہارے دل کا برتن مانجھتے ہیں۔ پھر اس میں قرآن کا نور ڈالتے ہیں۔

ایک مغالطے کا ازالہ

ذکر وعبادت میں ہمیں عجیب وغریب طریقے دیکھنے میں آتے ہیں، غیر فطری چلہ کشی، مراقبے، لمبی چوڑی غیر مسنون دعائیں، بے ہنگم وظائف، اپنے جی سے گھڑے ہوئے طریقے، کیا اس ہستی کی تعلیم ناکافی ہے جو اللہ کے محبوب ہیں؟ جن کا فرمان اقدس یہ ہے:

عَلّمنِی رَبّی فاحسن تعلیمی و ادبنی ربی فاحسن تادیبی

(الجامع الصغیر للسیوطی)

"میرے رب نے مجھے علم عطا کیا اور بہت اچھا علم دیا، میرے رب نے مجھے تہذیب سکھائی اور بہت اچھی تہذیب سکھائی"

تصوف وعشق کے نام پر غیر اسلامی حرکات سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اگر کوئی صاحب علم شریعت، اصلاح احوال کی کوشش کرتا ہے تو اندھی تقلید کے گرویدہ تڑپ اٹھتے ہیں کہ ہمیں مت چھیڑو ہم اپنے آبائی طریقوں سے ہٹنے کے نہیں، سید ابوبکر غزنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ کہتے ہیں یہ جراحی نہیں ہونی چاہیے، ٹھیک ہے پھر آپ ڈاکٹری میں سے بھی سرجری (Surgery) نکال دیں۔ اگر جسمانی طب کے لئے سرجری شفا کا باعث ہے تو روحانی طب کے لئے اس سے بھی زیادہ فائدہ مند ہے۔ یہی کام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور مزکی (تزکیہ کرنے والا) کیئے۔ چن چن کر عیب دور کیئے، ربانی ہدایت کے مطابق حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے "حزب البحر" کی شرح میں بہت عمدہ بات لکھی ہے، ذکر بھی دواؤں کی طرح ہے، تریاق کی طرح اس کی بھی ایک خاص مقدار خوراک (Dossage) ہوتی ہے۔ اگر کوئی نادان کسی کیمسٹ کی دوکان پر جائے اور بے تحاشا بوتلیں اٹھا اٹھا کر منہ میں انڈیلنے لگے، بے حساب دوائیں پیتا جائے تو اسے شفا کی بجائے سخت نقصان کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا طبیب اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کی رہنمائی میں جتنی مقدار بتائی ہے، اس حد سے گزرنے میں ہلاکت ہے۔ دوسری ضروری بات یہ

ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں آج تک کوئی مرد کامل نہیں ملا، یہ بھی شیطان کا دھوکہ ہے یہ زمانہ تخصص (Specialization) کا ہے، جس صاحب فن سے کوئی چیز ملتی ہے اس سے لے لینی چاہیے، کوئی مربی و مزکی ہے، کوئی مفسر ہے، کوئی محدث ہے، کوئی مورخ ہے، کوئی ماہر تجوید القرآن ہے، کوئی زبان و ادب میں طاق ہے، ہر ایک کے درِ نیاز پر بڑے ادب سے حاضری دینی چاہیے اور جہاں تک ممکن ہو سیکھنا چاہیے۔ یہ سب خوبیاں کسی میں موجود ہوں تو کیا ہی بات ہے، ورنہ ہر چمن سے شہد کی مکھی کی طرح گل ہائے رنگا رنگ کا رس چوسیں تا کہ شہد تیار ہو سکے۔

ان تمہیدی کلمات کے بعد اب ہم اپنے نفس مضمون ''اسلامی اخلاق و آداب'' کی طرف آتے ہیں۔

☐ عن جابر بن سمرة ﷺ قال: کُنتُ فی مجلس فیه النبی ﷺ و سمرة و ابو امامة فقال ان الفحش و التفحش لیسا من الاسلام فی شیئی و ان احسن الناس اسلاماً احسنهم خلقا۔

(رواه احمد والطبرانی و اسناد احمد جید و رواته ثقات)

جابر ﷺ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک مجلس میں تھا جہاں حضور اکرم ﷺ ، میرے والد سمرہ اور ابو امامہ بیٹھے تھے، وہاں حضور ﷺ نے فرمایا تھا بدگوئی اور بے تکلف بدکلامی ان دونوں کا اسلام سے ذرا بھی تعلق نہیں ہے، بہترین کردار کے لوگ ہی بہترین مسلمان ہو سکتے ہیں۔

اس حدیث پاک میں زبان کی پاکیزگی پر زور دیا گیا ہے۔ یعنی مومن ہمیشہ پاک زبان اور خوش کلام ہوتا ہے، اس کی زبان سے گالیاں، بے ہودہ باتیں، بے حیائی کی گفتگو سرزد نہیں ہوتی، مومن کی زبان سے کسی کو دکھ نہیں پہنچتا بلکہ زبان کی حفاظت میں یہاں تک محتاط ہوتا ہے کہ ہر لفظ تول تول کر بولتا ہے۔ علامہ ابن کثیر ﷫ نے سورہ

ق کی آیت نمبر 18 کے تحت حیرت انگیز واقعہ لکھا ہے۔ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ''کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لئے ایک حاضر باش نگران موجود نہ ہو، ابن کثیر لکھتے ہیں۔ ذکر عن الامام احمد انه كان يئن في مرضه فبلغه عن طاؤس انه قال: يكتب الملك كل شيئى حتى الانين فلم يئن احمد حتى مات رحمه الله۔ اولوالعزم امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بارے میں ذکر ہوا۔ انہیں بیماری نے آلیا۔ بے بسی میں زبان سے کراہنے کی آواز ہائے ہائے نکلی تو امام طاؤس رحمہ اللہ نے انہیں بتایا کہ کراما کاتبین فرشتے بندے کی ہر چیز لکھ رہے ہیں حتیٰ کہ آپ کا کراہنا بھی لکھا جارہا ہے۔ یہ سن کر امام احمد رحمہ اللہ ایسے محتاط ہوئے کے مرتے دم تک کبھی بیماری میں بھی ہائے نہ کیا۔ ہم اپنی زبان کا قینچی کی طرح چلنا اور بے لگام چلنا دیکھ لیں کہ نوبت کہاں پہنچے گی؟

☐ عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قال كان آخر ما اوصانى به رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حين و ضعت رجلى فى الغرز ان قال يا معاذ احسن خلقك للناس۔

''معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے جو آخری وصیت فرمائی تھی جب کہ میں اپنا پاؤں رکاب میں رکھ چکا تھا کہ اے معاذ لوگوں سے خوش اخلاقی سے پیش آنا۔''

کسی بھی ہمدرد کے دنیا سے رخصت ہوتے وقت جو خیر خواہی کے کلمات کہے جاتے ہیں انہیں وصیت کہا جاتا ہے، اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر مقرر کر کے الوداع کرتے وقت جو نصیحتیں کیں وہ وصیت کا درجہ رکھتی تھیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاذ کو رخصت کرتے وقت کہہ دیا تھا کہ اے معاذ رضی اللہ عنہ ممکن ہے آئندہ میری اور تمہاری ملاقات نہ ہو سکے۔ یہ فراق اور جدائی ہمیشہ کے لئے تھی کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ انور دیکھنا نصیب نہیں ہوگا۔ سب نصیحتیں پلے باندھیں اور زخمی دل کے ساتھ روتے ہوئے سوئے یمن جارہے تھے۔ معاذ رضی اللہ عنہ کا اس حدیث کو بیان

کرنا خود واضح کر رہا ہے کہ کیسے فرامین پیغمبر ﷺ کو حافظہ میں شوق و محبت کے ساتھ محفوظ کیا کہ میں اپنا پاؤں رکاب میں رکھ چکا تھا اور آخری نصیحت یہ فرمائی تھی۔ ادھر کمال شفقت تھی حضور ﷺ کی کہ معاذ رضی اللہ عنہ کو رخصت کرنے کے لئے مدینہ شہر کے باہر دور تک آپ ﷺ معاذ کی سواری کے ساتھ ساتھ پیدل جا رہے تھے اور دل کی باتیں کر رہے تھے، دونوں کا ایک دوسرے سے جدا ہونے کو جی نہیں چاہ رہا تھا، مگر غلبہ اسلام کے لیے یہ جدائیاں کڑوا گھونٹ سمجھ کر پی گئے۔

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

ہمارے جیسا نام نہاد عاشق رسول ﷺ ہوتا تو کہہ دیتا: میں صدقے میں واری! میں جدائی کا غم نہیں سہہ سکتا۔ چاہے اسلام کے غالب ہونے کے راستے بند ہو جائیں، میں یہاں سے نہیں جا سکتا، لیکن اس سچے عاشق رسول ﷺ کا حال دیکھیں، حضور ﷺ کے دیدار چھوٹے، حضور کی مسجد کی نمازیں چھوٹیں، حضور ﷺ کا پیارا شہر مدینہ چھوٹا۔ بس حکم پیغمبر پر لبیک کہتے ہوئے سب فراق کی چوٹیں برداشت کر گئے۔ آخری نصیحت کیا تھی کہ لوگوں سے حسن اخلاق سے پیش آنا، یہ نصیحت زندگی کی تمام نصیحتوں کا نچوڑ ہے۔ ان لوگوں کے لئے خاص کر جو معمولی گھریلو ذمہ داریوں پر فائز ہوتے ہیں، حتیٰ کہ ملکوں کی زمام کاران کے ہاتھ میں آتی ہے، ہر سطح کے ذمہ داروں پر اس حکم نبی ﷺ کا اطلاق ہوتا ہے گھر کے ماحول سے لے کر مملکت کے ماحول تک حسن اخلاق کی بہار دکھائی دے یہ چہرہ مسکراتا نظر آئے۔ ہر کوئی دوسروں کے لئے جذبات محبت و ایثار دل میں رکھے اور انہیں عملی جامہ پہنانے کے لئے موقع کی تلاش میں رہے۔ معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت موطا امام مالک میں ہے۔

- عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ اِن احبکم الیَّ احاسنکم اخلاقاً المؤطؤن اکنافاً الذین یالفون و یولفون۔

”تم میں سے زیادہ قریب مجھ سے نشست میں وہ لوگ ہیں جو خلق

میں اچھے ہیں جن کے پہلو دوسروں کے لئے نرم ہیں، لوگوں سے
محبت کرتے ہیں۔ اور لوگ ان سے محبت کرتے ہیں۔"

محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے

(علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معروف تصنیف احیاء العلوم میں ایک حدیث نقل کی ہے، سنداً "اگرچہ ثقہ نہیں ہے، مگر مفہوماً درست ہے۔ کہ دو دینی بھائی ملتے ہیں تو ان کی مثال ایسی ہے جیسے دو ہاتھ ہوتے ہیں۔ تو ایک ہاتھ دوسرے کو دھوتا ہے، غور فرمائیں ایک ہاتھ کا دوسرے ہاتھ کی مدد کے بغیر دھلنا کتنا مشکل کام ہے اور دوسرے ہاتھ یا دونوں ہاتھ ہی بہتر طور پر ایک دوسرے کو دھو سکتے ہیں، صاف کر سکتے ہیں، اس تمثیل میں حسن و خوبی کمال کو پہنچی ہوئی ہے، کہ تنہا نیک بننا مشکل ہے، جب تک کہ دوسرے لوگ نیکیوں کا سہارا نہ بنیں۔

- قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :انما المومن کالجمل الانف حیثما انقید انقاد (اسنادہ قوی وصححہ ابن حبان)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مومن نکیل دار اونٹ کی طرح ہوتا ہے، جہاں اسے جھکانا چاہیں وہ جھک جائے جہاں کھینچنا چاہیں کھینچتا چلا جائے۔"

اونٹ کی یہ خوبی کہ وہ اصیل ہو، مالک کے لئے خوشی اور فائدے کا سبب ہوتا ہے، اسی طرح ایک اور حدیث ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :المومن غر کریمٌ والفاجر خب لئیم۔

"مومن سادہ لوح اور شریف النفس ہوتا ہے۔ اور فاجر مکار کمینہ ہوتا ہے۔" (راوہ احمد، ابوداؤد)

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

والغر ھو الذی ینخدع لا نقیادہ و لینہ وضدہ الخب،

یقول: ان المومن المحمود من کان طبعه و شیمته الغباوة و قلة الفطنة للشر و ترك البحث عنه ولا یکون ذلك منه جهلا ولکنه کرم و حسن خلق۔

غــر وہ ہے جو اپنی نرمی اور سادگی کی وجہ سے دھوکہ کھاتا ہے۔ یہ خــب (عیار) کی ضد ہے۔ مومن کا یہ تساہل کہ کسی کو نقصان نہ دے۔ دراصل یہ اس کی قابل تعریف خوبی ہے، یہ جہالت کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ طبعاً وہ حسن اخلاق کا مالک ہوتا ہے۔

مسلمان دوسرے مسلمانوں سے شفقت کرنے والا محبت کا علمبردار ہوتا ہے۔ اگر کوئی دوسرا ایسے مسلمان پر زیادتی کر بیٹھے تو وہ نظر انداز کر جاتا ہے، اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں دیتا۔ بلکہ اچھا مسلمان دوسرے مسلمانوں سے محبت کی بناء پر عفوو درگزر کرنے والا ہوتا ہے جیسے ایک انگلش شاعر اپنی محبوبہ کے بارے میں کہتا ہے۔

Be to her virtues very kind,

Be to her faults a little blind.

اس کی خوبیوں کو خراج تحسین پیش کر اور اس کی خامیوں پر آنکھیں بند کر۔

شیکسپئر بھی یہی کہتا ہے: ''اس کی آنکھ، اس کا رخسار، اس کا ہونٹ کوئی زبان رکھتے ہیں بلکہ اس کے پاؤں بولتے ہیں، اس کی شوخ روح باہر جھانکتی ہے، ہر ہر جوڑ اور ہر ہر حرکت جسم پر یعنی ہر بند محبوبہ سے شاعر کو محبت ٹپکتی دکھائی دیتی ہے۔''

☐ قال النبی ﷺ: الخَلقَ الحسن یذیب الخطایا کما یذیب الماء الجلید و الخلق السوء یفسد العمل کما یفسد الخل العسل

'' حضور اکرم ﷺ نے فرمایا بہترین اخلاق خطاؤں کو یوں پگھلا دیتا ہے جیسے برف کو پانی اور برا اخلاق نیکیوں کو یوں خراب کر دیتا ہے جیسے سرکہ شہد کو۔'' (الترغیب والترہیب)

حسن اخلاق کی خوبی کس قدر موثر نسخہ ہے گناہوں کے دھلنے کا۔ لیکن اگر ٹی وی فلموں اور ڈراموں کے سین یہ دکھائے جائیں کہ دہشت گرد بن کر خوفناک شکل بنا کر بے ہنگم جھاڑیوں کی طرح بڑھے ہوئے بال، درندوں اور خون خواروں کی طرح دھاڑتے ہوئے کسی کمزور پر بندوق یا پستول تانے ہوئے، تو کیا انہی مناظر کے نقال بچے پروان نہیں چڑھیں گے۔ کب ان کے دلوں میں نرمی اور ہمدردی کے احساسات جنم لے سکتے ہیں؟ وہ تو آدم خور، آدم بیزار اور آدم آزار بن کے رہیں گے۔ حدیث کا دوسرا حصہ تنبیہ ہے ان بدخلق دینداروں کے لئے جو نیکیاں کر کے چُور ہو چکے ہوں، مگر سوئے خلق ان کی نیکیوں کو ساتھ ساتھ صاف کرتا جائے۔ بڑی محنت شاقہ سے نیک اعمال کمائے، مگر بداخلاقی ان اعمال کا کھاتہ صاف کرتی جائے، اس سے بڑی محرومی اور شقاوت کیا ہوگی؟ خداوند کریم نیکیوں کی بھرپور توفیق دے کہ حسن خلق سے وہ نیکیاں چمکدار اور آبدار ہوتی رہیں۔

□ قال النبی ﷺ :انکم لن تسعوا الناسَ باموالکم و لکن یسعھم منکم بسط الوجہ و حسن الخلق (ترغیب)

"حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تم اپنی دولت سے لوگوں کو رام نہیں کر سکتے البتہ اپنے مسکراتے چہرے سے لوگوں کے دل جیت سکتے ہیں۔"

کتنی بڑی چوٹ ہے سرمایہ داری پر۔ جو دولت کے بل بوتے پر لوگوں پر مسلط ہونے کی چالبازیاں کرتے ہیں، رعونت سے گردن اکڑا کے چلتے ہیں۔ حکایت ہے کہ کوئی سائل ہارون الرشید کے محافظوں سے تقاضہ کرتا ہے کہ میں نے بادشاہ سے ملنا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ بادشاہ میرا بھائی ہے، ہارون الرشید نے کہا اسے اندر آنے دو، سائل کہتا ہے جناب آپ بھی آدم کے بیٹے ہیں میں بھی آدم کا بیٹا ہوں لہٰذا آپ میرے بھائی ہوئے، تو سلطنت میں سے بطور بھائی میرا حصہ ادا کرو۔ خلیفہ نے ایک درہم اسے دیا کہ یہ آپ کا حصہ ہے لیجئے، سائل حیران تھا کہ یہ کیا مذاق ہے؟ خلیفہ نے کہا! یہ ساری نسل انسانی آپ کی طرح آدم کی اولاد اور میرے بھائی ہیں، اگر سب کو

ایک ایک درہم دوں تو تب بھی شاہی خزانہ پورا نہیں کر سکے گا۔ لہٰذا ایک درہم ہی آپ کا حصہ بنتا ہے، زیادہ نہیں۔ اس حکایت سے ہمارے نبی ﷺ کی بات کتنی درست ٹھہری کہ دولت سے دل جیتنا ناممکن ہے، لیکن خندہ پیشانی سے اللہ کی مخلوق کے دل نرم کر سکتے ہو، انہیں اپنا گرویدہ کر سکتے ہو۔

☐ قال النبی ﷺ :مامن شیئی الا له توبة الا صاحب سوء الخلق فانه لایتوب من ذنب الاعاد فی شرمنه (ترغیب)

"حضور ﷺ نے فرمایا ہر خطا کار کے لئے توبہ کی توفیق نصیب ہو سکتی ہے، مگر بداخلاق کو نصیب نہیں۔ بلکہ ایک خطا سے باز آتا ہے تو پھر اس سے بڑی خطا میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

یعنی بداطوار آدمی توبہ سے بھی محروم رہتا ہے، ہادی اعظم ﷺ اکثر اللہ سے یہ دعا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَ سُوْءِ الْاَخْلَاقِ

"اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں نفرتوں سے منافقت سے اور برے اخلاق سے۔" (رواہ ابوداؤد)

یعنی نفرتوں سے دل صاف ہو، نفاق کی بجائے حق پر استقامت ملے اور برے اخلاق نہ پیدا ہوں بلکہ حسن اخلاق نصیب کر۔ جس بری شے سے ہمارے پیغمبر ﷺ نے پناہ مانگی ہو، ہم اسی چیز کے اسیر ہوں تو نبی ﷺ سے وفا نہیں ہے، بلکہ بیوفائی ہے اور جو اپنے نبی ﷺ کا وفادار نہ ہو، اسے دربار الٰہی میں دھکے ہی نصیب ہوں گے، راحت میسر نہ ہوگی، زبانی عشق رسول کے دعوے اور عمل رسول کریم ﷺ کے خلاف، یہ کیسا عشق ومحبت ہے، ایک عربی شاعر کہتا ہے:

وکل یدعی لوصل لیلی
ولیلی لا تقر لهم بذاکا

"ہر ایک لیلیٰ سے ملنے کا دعویدار ہے لیکن لیلیٰ کسی کے وصل کو نہیں مانتی۔"

یہی حال ہم نام نہاد عاشقان رسول ﷺ کا ہے، روز محشر کہیں حضور ﷺ یہ نہ فرمادیں:

سُحْقاً سُحْقاً لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِي (مشکوٰۃ)

"ان لوگوں کو میری نگاہوں سے دور کرو جنہوں نے میرے بعد میرے دین کو بدل ڈالا۔"

پتہ تو اس روز چلے گا کہ ہمارا ایمان اور عشق رسول کتنے پانی میں تھے۔ خدائے برحق سب کلمہ گو مسلمانوں کو ان اعمال کی توفیق وافر دے جن کی بدولت میدان حشر میں سرخرو ہوسکیں، آمین۔ ہماری مذہبی عبادات کے اثرات بہت عمدہ کردار کی تشکیل کرتے ہیں، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور زمانہ کتاب، حجۃ اللہ البالغۃ، میں لکھتے ہیں، "آنحضرت ﷺ کی نظر میں نماز باجماعت پڑھنے کے تین (3) قسم کے فائدے تھے۔

1 ایک وہ جس کا اثر خود نمازی کے جسم پر ہوتا ہے، اس میں تہذیب آجاتی ہے، قوت ملکی کا ورود ہوتا ہے اور حیوانی اور بہیمی طاقت دب جاتی ہے۔

2 دوسرا فائدہ باجماعت نماز کا یہ کہ اس کا اثر لوگوں کی جماعت پر ہوتا ہے، مبارک روش ان میں پھیلتی ہے، لوگ اس میں ایک دوسرے سے زیادہ شوق کو ظاہر کرتے ہیں، اس سے ان میں تہذیب آتی ہے اور سب مل کر متفقہ برتاؤ کرتے ہیں۔

3 تیسرا فائدہ کہ جماعت سے نماز کا اثر، پوری ملت مصطفوی ﷺ پر پڑتا ہے، اس میں اصلی شادابی اور تروتازگی رہتی ہے، تحریف یا سستی اس میں نہیں مل سکتی۔

یہ تھے حضرت شاہ صاحب کے خیالات، آج ہماری ملت کے اکثر مذہبی لوگ مذکورہ صفات سے عاری نظر آتے ہیں، یہ بہت بڑی بدنصیبی کی بات ہے کوئی خوشی کی بات ہرگز نہیں ہے، جو شخص بھی تاریخ اسلامی میں اسلام کی رفعتوں اور عظمتوں سے واقف ہے، جو ملی سوچ رکھتا ہے، جو اسلام کو آفاقی اور عالمگیر مذہب جانتا ہے اس کا دل

یقیناً اس حالت زار پر خون کے آنسو روتا ہے، البتہ جو جنونی مذہبی لوگ فرقوں کے تعصبات میں اندھے ہو چکے ہیں جن کی فکر رسا، کنویں کے مینڈک سے زیادہ نہیں ہے، جنہیں عظمت اسلام کی بجائے اپنے اپنے من گھڑت فرقوں کا جنون ہے آج اسلام ان کے ہاتھوں میں کھلونا بن کے رہ گیا ہے۔

رکھیو غالب مجھے تلخ نوائی سے معاف
آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

خیر ہمارا موضوع اسلامی آداب واخلاق ہے، اگر مثبت طریقے سے بات کسی کے ذہن پر دستک دے سکے، کسی کی فکر جھنجوڑ سکے، کسی کا ضمیر جاگ اٹھے، کسی کی سوچ میں تغیر آئے، تو خالق حقیقی کا شکر واحسان ہمارے لئے سرمایہ آخرت ہے، بات شکر گزاری کی آئی تو اس کی ہلکی سی تفصیلی جھلک دلنوازی کے لئے عرض ہے، حقیقی شکریہ ہے کہ تمام تر کوشش اور دعا کے بعد بھی کامیابی حاصل ہو نہ ہو بندہ اپنے رب پر مطمئن رہے۔

وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ (سورہ النمل/ 40)

''اور جو کوئی شکر کرتا ہے۔ اس کا شکر اس کے اپنے ہی لئے مفید ہے۔''

دولتمندوں کا شکریہ ہے کہ غریبوں کی مدد کریں، طاقتوروں کا شکریہ ہے کہ کمزوروں کی مدد کریں، بااختیار کا شکریہ ہے کہ حقداروں کو حق دلوائے، آپ کی میز پر انواع واقسام کے کھانے موجود ہوں، لیکن آپ کا ہمسایہ بھوکا ہے، ایسی حالت میں آپ ہزار بار الحمدللہ کہتے رہیں مگر آپ حقیقتاً ناشکرے ہیں۔

آیئے ذرا عشق رسول ﷺ کا نظارہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول سے کریں۔ فرمایا!

اخشى ان تنزل عليكم حجارة من السماء اقول لكم قال رسول الله ﷺ و تقولون قال ابوبكر و عمر رضی اللہ عنہما

''مجھے اندیشہ ہے کہ آسمان پتھر برسائے جب میں حضور ﷺ کا

فرمان پیش کروں اور آپ کہیں کہ نہیں ابوبکر اور عمر کا یہ فرمان ہے۔'' (دارمی شریف)

کتنی سادگی ہے عشق رسول میں۔ بقول حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بے چارہ نہ ملا نہ زاہد نہ حکیم

کیا مفسر قرآن ابن عباس رضی اللہ عنہ ابوبکر و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے مقام و مرتبہ سے ناواقف تھے؟ ہرگز نہیں، دراصل وہ مقام نبوت سے بخوبی آگاہ تھے، جیسے قرآن نے سِرَاجًا مُّنِیْرًا کہا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو ستارے ہیں مگر ستاروں کے پاس اپنی کوئی روشنی نہیں ہوتی۔ وہ تو سورج سے اکتساب نور کرتے ہیں، لہٰذا جب سورج کی روشنی موجود ہو تو ستارے بے نور ہوتے ہیں۔ کسی پنجابی شاعر نے کیا خوب کہا:

دن ہوندیاں جو دیوا بالے احمق ایس نوں کہئے
احمد ہوندیاں جو مرشد ڈھونڈے اس دا ناں کیہ لئے

دوسری طرف عقل و مشاہدات پر ایمان لانے والے ہیں کہ جو ماوراء حقائق سے بے خبر ہیں، بلکہ منکر ہیں، ان کے نزدیک عقل ہی مقام و منزل ہے جو عقل میں آئے مانتے رہو جو عقل میں نہ آئے انکار کر دو۔ بس عینی مشاہدات پر سارا مدار ہے، کیا نظر جو کچھ دیکھتی ہے؟ وہ ہمیشہ سچ ہوتا ہے۔ نہیں بھئی! نظر دھوکے کھا جاتی ہے۔ شیخ علی طنطاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دوپہر کے وقت صحرا میں سفر کرتے وقت آنکھوں کو سراب بھی پانی دکھائی دیتا ہے۔ شیشے کے گلاس میں نصف پانی بھر لیں نصف خالی رکھیں پھر اس میں پنسل کھڑی کریں تو پنسل ٹوٹی ہوئی نظر آئے گی۔ جن بھوتوں کی کہانیاں رات کو سن کر، آدمی جب کسی ویرانے سے گزر کر جائے گا تو راستے میں اسے جن بھوت دکھائی دیں گے بوجہ دل کی کمزوری کے جب کہ وہاں کچھ بھی نہیں ہوتا، مداری کرتب دکھائے گا، نظر کچھ اور آئے گا حقیقت کچھ اور ہوگی۔ معلوم ہوا کہ انسانی حواس سے غلطی کا امکان ہے، عقل مشاہدے میں دھوکہ کھا سکتی ہے۔ لہٰذا عقل کو دلیل راہ اور نشان منزل سمجھا

جائے، اسے منزل قرار نہیں دیا جا سکتا۔عقل و مشاہدات سے ماورا حقیقتوں کو جاننے کے لئے وحی الٰہی اور دربار نبوت ﷺ کی چوکھٹ چومنا پڑتی ہے، ورنہ زندگی کے سمندر میں انسان یوں تھپیڑے کھاتا پھرے گا کہ ساحل نصیب نہ ہوگا اور موت آ دبوچے گی۔

نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب کوئی تیرے راستے میں کانٹے بچھائے تو تو انہیں اٹھا دے تاکہ کہیں جواب میں تیرے کانٹے رکھنے سے ہر جگہ کانٹے ہی کانٹے نہ ہو جائیں۔امت مسلمہ بستر علالت پر ہے، اس حوالہ سے کسی نے سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا۔مولانا صاحب! جس اسلامی انقلاب کی آپ بات کرتے ہیں یہی مولانا ابوالکلام کرتے کرتے تھک گئے اور یہ کٹھن راہ چھوڑ گئے، سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً فرمایا وہ ڈاکٹر تھے، ڈاکٹر نے جب دیکھا کہ امت مسلمہ ایک لا علاج مریض ہو گئی ہے تو ڈاکٹر نے صحت یابی سے مایوس ہو کر جواب دے دیا۔مگر میں ڈاکٹر نہیں ہوں تیمار دار ہوں، تیماردار اپنے مریض کے سرہانے سے نہیں اٹھ سکتا وہ چھوڑ کر کہاں جائے؟

اسلامی اخلاق کی یہ عظیم الشان مثالیں ہماری اس صدی کے گوہر نایاب پیش کر رہے ہیں۔جب کہ دنیا کی اکثریت حرص دنیا میں غرق ہو کے رہ گئی ہے، یہ بھی کردار ہیں، آداب ہیں جیتی جاگتی زندگی کے۔لہٰذا ہمیں بھی ایسے ہی عمدہ کردار پیش کرنے والے بننا چاہیے تاکہ لوگ اسلام کی طرف کھنچے چلے آئیں۔

حیاء

حیاء ایک ایسا بحر بیکراں ہے جس کی کوئی حد اور کوئی انتہا نہیں ہے، جس کی مثالیں حیات طیبہ کے دور میں بھری ہوئی ہیں، اللہ کے رسول ﷺ ایک انصاری کے پاس سے گزرے جو اپنے بھائی کو حیاء کے بارے میں سمجھا رہا تھا (یعنی اس کو شدت حیاء پر عتاب کر رہا تھا۔) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو اس لئے کہ حیاء ایمان میں سے ہے یعنی جس کے اندر حیاء جیسی گرانقدر دولت مفقود ہو اس سے خیر و بھلائی کی امید نہیں۔وہ لوگ زیادہ خوش رہتے ہیں جو سکون قلب کی دولت سے مالا

مال ہوتے ہیں اور سکون قلب احکام کے ماننے پر نصیب ہوتا ہے جو فطرت کے عین مطابق ہے۔ جو شخص بھی حضور ﷺ کی بتائی ہوئی راہ پر گامزن ہوگا وہ دین و دنیا میں کامیاب و کامران ہوگا۔ تو آیئے ہم سیرت نبوی ﷺ کو عام کریں، اس کا ہر پہلو روشن کریں، سرور کونین ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور سیرت جس کی خالص عملی تفسیر قرآن ہے، کے گلہائے رنگین کو اجاگر کریں۔

علم اور دولت

دس آدمیوں کی ایک جماعت نے علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا علم اور دولت دونوں میں سے کس کو برتری حاصل ہے: براہِ کرم سب کو الگ الگ جواب مرحمت فرمائیں، علی رضی اللہ عنہ کے دس (10) جوابات یہ تھے۔

1. دولت فرعونوں کا ورثہ ہے اور علم انبیاء کا عطیہ ہے۔
2. دولت کی حفاظت تم کرتے ہو جب کہ علم تمہاری حفاظت کرتا ہے۔
3. جس کے پاس دولت ہو اس کے بہت سے دشمن ہوتے ہیں اور جس کے پاس علم ہو اس کے بہت سے دوست ہوتے ہیں۔
4. دولت بانٹی جائے تو کم ہوتی ہے، علم بانٹا جائے تو بڑھ جاتا ہے۔
5. دولتمند کنجوسی کی طرف مائل رہتا اور عالم فیاضی کی طرف۔
6. دولت چرائی جاسکتی ہے، علم چرایا نہیں جاسکتا۔
7. دولت محدود ہے اس کا حساب رکھا جاسکتا ہے، علم لامحدود ہے اس کی کوئی انتہا نہیں۔
8. دولت وقت کے ساتھ گھٹتی رہتی ہے علم کبھی نہیں گھٹتا۔
9. دولت سے اکثر دل و دماغ پر سیاہی چھا جاتی ہے لیکن علم سے دل و دماغ روشن ہوتے ہیں۔
10. دولت نے فرعون اور نمرود جیسے خدائی دعویٰ کرنے والے پیدا کئے علم نے انسان کو سچے معبود سے متعارف کرایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

عالم کسے کہتے ہیں؟

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (سورۃ فاطر 28)

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں۔''

سید مودودی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن جلد چہارم میں بہت عمدہ فٹ نوٹ اس آیت کے تحت لکھا ہے'' جو شخص اللہ کی صفات سے جتنا زیادہ ناواقف ہوگا وہ اس سے اتنا ہی بے خوف ہوگا اور اس کے برعکس جس شخص کو اللہ کی قدرت، اس کے علم، اس کی حکمت، اس کی قہاری و جباری اور اس کی دوسری صفات کی جتنی معرفت حاصل ہوگی اتنا ہی وہ اس کی نافرمانی سے خوف کھائے گا، پس درحقیقت اس آیت میں علم سے مراد فلسفہ و سائنس اور تاریخ و ریاضی وغیرہ کے درسی علوم نہیں ہیں۔ بلکہ صفات الٰہی کا علم ہے۔ قطع نظر اس سے کہ آدمی ناخواندہ ہو یا خواندہ، جو شخص خدا سے بے خوف ہے وہ علامہ دہر بھی ہو تو اس علم کے لحاظ سے جاہل محض ہے اور جو شخص خدا کی صفات جانتا ہے اور اس کی خشیت اپنے دل میں رکھتا ہے وہ ان پڑھ بھی ہو تو ذی علم ہے۔''

علوم دنیوی کے بحر میں غوطے لگانے سے
زباں گو صاف ہو جاتی ہے دل طاہر نہیں ہوتا
حضور قلب اگر حاصل نہیں تجھ کو تعجب کیا
خدا جب دل سے غائب ہو تو دل حاضر نہیں ہوتا

(اکبر الہ آبادی)

غزالی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا علمائے بد کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پتھر نہر کے منہ پر رکھا جائے وہ نہ خود پانی پئے نہ پانی کو آگے بہنے دے کہ کھیتوں اور باغوں کو سیرابی نصیب ہو۔

سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "آدمی عالم کے سوا سب مردے ہیں اور عالم عمل کے بغیر مجنون ہیں۔ عامل اخلاص نیت والوں کے سوا سب مغالطہ میں ہیں۔ اخلاص والوں کو یہ ڈر ہے کہ ان کا انجام کیا ہوگا۔"

ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ بسند ضعیف یہ روایت لائے ہیں جو کہ مفہوم کے اعتبار سے دیگر احادیث کی روشنی میں درست ہے۔ جو لوگ عمل نہ کرنے کے لئے علم سیکھتے ہیں اور آخرت کے عمل سے دنیا کو طلب کرتے ہیں لوگوں کی نظروں میں بکروں کی کھال پہنتے ہیں اور ان کے دل بھیڑیوں کے سے ہیں۔ زبان ان کی شہد سے میٹھی اور دل ایلوا سے زیادہ کڑوے ہیں۔ مجھے فریب دیتے ہیں وہ مجھ سے مذاق کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر عالم کے پاس مت بیٹھو بلکہ اس عالم کے پاس بیٹھو جو پانچ (5) امور سے دیگر پانچ (5) چیزوں کی طرف بلائے۔

1. شک سے یقین کی طرف۔
2. ریا سے اخلاص کی طرف۔
3. تکبر سے تواضع کی طرف۔
4. عداوت سے خیر خواہی کی طرف۔
5. دنیا کے لالچ کی بجائے بے نیازی کی طرف۔

اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا۔ اے مریم کے بیٹے تو اپنے نفس کو نصیحت کر۔ اگر وہ نصیحت پذیر ہو جائے تو پھر لوگوں کو نصیحت کرو ورنہ مجھ سے حیا کر۔ (امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ)

قالَ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم مررتُ لیلةَ اُسرِیَ بِی باقوام کان تُقرض شِفاھم بِمقَاریضَ من نار فقلت من انتم فقالوا کنا نأمر بخیر ولا نأتیہ وننھٰی عن الشرو نأتیہ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "معراج کی رات میرا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے بھی ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ میں نے پوچھا تم کون ہو؟ کہنے لگے ہم لوگوں کو نیکی کی باتیں بتاتے تھے مگر ان پر خود

عمل نہ کرتے تھے۔ ہم دوسروں کو برائیوں سے منع کرتے تھے مگر خود ان برائیوں میں ملوث تھے۔"

معاذ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ عالم کی لغزش سے ڈرو اس لئے کہ لوگوں کی نگاہ میں اس کی بڑی قدر ہے۔ لغزش میں بھی لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں۔ (امام غزالی)

یعنی علماء کی بات بھی قرآن وسنت پر پرکھیں کیونکہ علماء بھی انسان ہیں ان سے خطا ہو جاتی ہے۔ خطا سے مبرا صرف خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ بے عمل عالم کی مثال ایسی ہے جیسے بیمار شخص دوا کی خصوصیات پر بات کرے مگر دوا نصیب نہ ہو۔ یا بھوکا شخص لذیذ کھانوں کے نام لے اور مزے سے بیان کرتا جائے لیکن وہ کھانا نصیب نہ ہو، خود بھوک سے تڑپ رہا ہے۔ ایک روز شیخ شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد حاتم اصم سے پوچھا۔ حاتم! تم کتنے دنوں سے میرے ساتھ ہو؟ انہوں نے کہا تینتیس (33) برس سے۔ شقیق نے فرمایا بتاؤ اتنے طویل عرصے میں آپ نے مجھ سے کیا سیکھا؟ حاتم نے کہا صرف آٹھ (8) مسئلے۔ شیخ نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میرے اوقات تیرے اوپر ضائع چلے گئے کہ تم نے صرف آٹھ (8) مسئلے سیکھے۔ حاتم نے کہا استاد محترم! زیادہ نہیں سیکھ سکا اور جھوٹ بھی نہیں بول سکتا۔ شیخ نے کہا اچھا بتاؤ کیا کچھ سیکھا ہے؟ حاتم نے کہا:

1 اول

میں نے مخلوق کو دیکھا تو معلوم ہوا ہر ایک کا کوئی محبوب ہوتا ہے قبر تک وہ اپنے محبوب کے ساتھ رہتا ہے جب وہ قبر میں پہنچ جاتا ہے تو اپنے محبوب سے جدا ہو جاتا ہے اس لئے میں نے اپنا محبوب نیکیوں کو بنا لیا ہے۔ جب قبر میں جاؤں گا تو یہ میرا محبوب میرے ساتھ قبر میں رہے گا۔

2 دوم

میں نے خدا کے فرمان پر غور کیا:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۔ (سورۃ النازعات: 40)

"اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا اور نفس کو

بری خواہشات سے باز رکھا جنت اس کا ٹھکانہ ہوگی۔"

تو اپنے نفس کو برائیوں سے لگام دی۔ خواہشات نفسانی سے بچنے کی کوشش کی یہاں تک کہ میرا نفس اطاعت الٰہی پر جم گیا۔

3 سوم:

لوگوں کو دیکھا کہ کسی کے پاس کوئی قیمتی چیز ہے تو اسے سنبھال کر رکھتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے۔ پھر فرمان الٰہی دیکھا:

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ۔ (سورۃ النحل، 96)

"جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ خرچ ہو جانے والا ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہی باقی رہنے والا ہے۔"

تو جو چیز مجھے قیمتی ہاتھ آئی ہے اسے خدا کی طرف پھیر دیا تا کہ اس کے پاس محفوظ ہو جائے جو کبھی ضائع نہ ہوگی۔

4 چہارم

لوگوں کو دیکھا تو ہر ایک کا رجحان دنیاوی مال، حسب نسب اور دنیوی جاہ ومنصب میں پایا۔ ان امور میں غور کرنے سے یہ چیزیں ہیچ دکھائی دیں۔ (ادھر فرمان الٰہی پڑھا)

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ۔ (سورۃ الحجرات، 13)

"درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

تو میں نے تقویٰ اختیار کیا تا کہ اللہ کے ہاں عزت پاؤں۔

5 پنجم

لوگوں میں میں نے یہ بھی دیکھا کہ آپس میں گمان بد رکھتے ہیں، ایک دوسرے کو برا کہتے ہیں۔ دوسری طرف اللہ کا فرمان دیکھا:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (الزخرف 32)

"دنیا کی زندگی میں ان کی گزر بسر کے ذرائع تو ہم نے ان کے درمیان تقسیم کیے ہیں۔"

اس لئے میں نے حسد چھوڑ کر خلق سے کنارہ کر لیا اور یقین ہوا کہ قسمت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے خلق کی عداوت سے باز آ گیا۔

6 ششم

لوگوں کو دیکھا کہ ایک دوسرے سے سرکشی اور کشت و خون کرتے ہیں۔ اللہ کی طرف رجوع کیا تو اس نے فرمایا:

عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا۔ (سورۃ فاطر 6)

"درحقیقت شیطان 'اِنَّ الشَّیْطَانَ لَکُمْ' تمہارا دشمن ہے اس لئے تم بھی اسے اپنا دشمن ہی سمجھو۔"

اس بنا پر میں نے صرف اس اکیلے شیطان کو اپنا دشمن ٹھہرا لیا۔ اس بات کی کوشش کی کہ اس سے بچتا رہوں کیونکہ اللہ نے اس کی عداوت کی گواہی دی ہے۔ لہٰذا میں نے مخلوق سے عداوت چھوڑ کر اپنا سینہ صاف کر لیا ہے۔

7 ہفتم

لوگوں کو دیکھا کہ پارہ نان (روٹی کے ٹکڑے) پر اپنے نفس کو ذلیل کر رہے ہیں، ناجائز امور میں قدم رکھتے ہیں میں نے ارشاد باری تعالیٰ دیکھا:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِیْ الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا۔ (سورۃ ہود، 6)

"زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو۔"

پھر میں ان باتوں میں مشغول ہوا جو اللہ کے حقوق میرے ذمہ ہیں۔ میں نے اس رزق کی طلب ترک کی جو اللہ کے ذمہ ہے۔

8 ہشتم

میں نے خلق کو دیکھا کہ ہر ایک کسی عارضی چیز پر بھروسہ کرتا ہے کوئی زمین پر بھروسہ، کوئی اپنے پیشے پر، کوئی اپنے بدن کی تندرستی پر، کوئی اپنی ذہنی و علمی صلاحیتوں پر

بھروسہ کیئے ہوئے ہے۔ ہر کوئی اپنی طرح کی مخلوق پر تکیہ کرتا ہے۔ میں نے خدا کی طرف رجوع کیا تو اس نے یہ ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔ (سورۃ طلاق، 3)

''جو اللہ پر بھروسہ کرے اس کے لئے وہ کافی ہے۔''

تو میں نے خدا پر توکل کیا وہی مجھے کافی ہے۔ شیخ بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اے میرے پیارے شاگرد حاتم! خدا آپ کو انکی توفیق نصیب کرے، میں نے جو تورات، انجیل، زبور اور قرآن کے علوم پر مطالعہ کیا تو ان سب کی اصل جڑ انہیں آٹھ (8) مسائل پر پائی ہے۔ ان آٹھ (8) مسائل پر عمل کرنے والا گویا چاروں آسمانی کتابوں کا عامل ہوا۔ (بحوالہ احیاء العلوم غزالی رحمۃ اللہ علیہ)

یہی حاتم رحمۃ اللہ علیہ طنافسی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے کہ مجھے وضو کا طریقہ بتائیں انہوں نے تین تین بار اعضاء دھوئے۔ پھر حاتم نے کہا ذرا ٹھہریں، میں وضو کرتا ہوں میری درستی کر دیں۔ حاتم نے چار چار مرتبہ دھوئے تو طنافسی نے کہا میاں تم نے اسراف کیا ہے، پوچھا کس بات میں؟ کہ آپ نے ہاتھ چار چار مرتبہ دھوئے۔ حاتم نے کہا سبحان اللہ میں نے تو ایک چلو پانی میں اسراف کیا ہے تو تم ناراض ہو رہے ہو لیکن تم نے کتنی خدا کی نعمتوں میں اسراف کر رکھا ہے اور تمہیں پرواہ نہیں۔ یعنی ضرورت سے زائد کتنی چیزیں آپ کے گھر میں فضول ہیں وہ اسراف ہے اس کی فکر کرو۔

یہی حاتم رحمۃ اللہ علیہ شیخ بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے عظیم شاگرد مدینہ منورہ گئے وہاں لوگ آپ کے استقبال کو آئے۔ آپ نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محل کدھر ہے؟ لوگوں نے کہا، آپ کا کوئی محل نہیں تھا بلکہ آپ کا گھر تو پست تھا۔ حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محل ہی بتا دو۔ انہوں نے کہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے محل نہ تھے۔ ان کے گھر تو زمین سے لگے ہوئے تھے۔ حاتم نے کہا لوگو! یہ شہر فرعون ہے لوگوں نے انہیں گرفتار کروا دیا۔ سلطان کے دربار میں حاضر کیئے گئے۔ سب سوال و جواب دہرا دیئے اور فرمایا کہ اللہ کا یہ فرمان ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب، 21)

"درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ ہے۔"

اب میں یہ پوچھتا ہوں کہ تم نے کس کی اتباع کی۔ رسول ﷺ کی یا فرعون کی؟ حاکم مدینہ لا جواب ہوا اور حاتم کی رہائی کا حکم دے دیا۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "جہنم میں ایک جنگل ہے جس میں وہی عالم رہیں گے جو بادشاہوں کی زیارت کو جاتے ہیں۔" حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اپنے آپ کو فتنہ کی جگہوں سے بچاؤ۔ لوگوں نے پوچھا وہ کونسی جگہیں ہیں؟ فرمایا امیروں کے دروازے۔ خوف خدا رکھنے والے عالم کی مثال امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دی ہے کہ وہ پھل دار درخت کی طرح ہوتا ہے۔ کوئی اس درخت پر اینٹ یا پتھر پھینکے تو شجر ثمر دار جواب میں پتھر نہیں پھینکتا بلکہ پھل پھینکتا ہے۔ دوسری مثال یہ ہے کہ خشیت الٰہی رکھنے والا عالم ثمر بار ٹہنی کی طرح ہوتا ہے یعنی ایسی ٹہنی زمین کی طرف جھکی ہوئی ہوتی ہے اور بے ثمر شاخ اوپر کو اٹھی ہوتی ہے۔ اسی طرح خوف خدا سے عالم جھکا ہوا ہوتا ہے اس میں عاجزی اور انکساری ہوتی ہے۔ خوف خدا سے خالی عالم بے ثمر شاخ کی طرح گردن اکڑا کر چلتا ہے، اس میں نخوت وغرور ہوتا ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

العَالِمِ بالرحمٰن من عبادِه من لم يشرك بالله شيئا واحل حلاله وحرم حرامه وحفظ وصيته وايقن انه ملاقيه و محاسب بعمله۔

"رحمٰن کے بندوں میں سے عالم وہ ہے جو خدا کے ساتھ ذرا شریک نہیں ٹھہراتا ہے۔ وہ اللہ کے حلال کردہ کو حلال اور اس کے حرام کردہ کو حرام جانتا ہے۔ وہ اس کی وصیت کی حفاظت کرتا ہے۔ وہ اسے ملنے کا یقین رکھتا ہے اور اسے اپنے عملوں کا حساب لینے والا سمجھتا ہے۔"

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں...... الخشية هي التي تحول بينك وبين معصية الله عزوجل...... خشیت الٰہی تیرے اور معصیت الٰہی کے درمیان حائل ہو کر خدا کی نافرمانی سے بچاتی ہے۔" امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا...... ان العلم ليس بكثرة

الروایة وانما العلم نور یجعله الله فی القلب...... علم کثرت روایات کا نام نہیں بلکہ حقیقی علم ایک نور ہے جو اللہ کسی کے دل میں ڈال دے۔

ایک عربی شاعر کہتا ہے:

قلیل من الاعمال بالعلم نافع

کثیر من الاعمال بالجهل فاسد

علم کے ساتھ تھوڑے عمل کارآمد ہیں۔ بہت سارے عمل جہالت و بے علمی سے فاسد ہو جاتے ہیں۔ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ نے فرمایا:

لو نظر تم الی الرجل وقد اعطی من الکرامات حتی یتربع فی الهواء فلا تغتروابه حق تنظروا کیف تجدونه عندالامر والنهی وحفظ الحدود و معرفة الشریعة۔

''اگر تم کسی صاحب کرامات کو دیکھو کہ فضا میں بغیر کسی سہارے کے اڑتا ہے یا چارزانو بیٹھتا ہے تو دھوکے میں نہ آ جانا یہاں تک کہ تم اسے دیکھ لو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے کہ نہیں۔ حدود اللہ کی حفاظت کرتا ہے کہ نہیں۔ شریعت اسلامی کی معرفت رکھتا ہے کہ نہیں۔''

بعض سلف صالحین کا کہنا ہے:

احذُروا فتنة العالم الفاجر والعابد الجاهل فان فتنتهما فتنة لکل مفتون۔

''بدکار عالم اور بے علم عابد سے بچو یہ دونوں فتنے ہیں۔ ان دونوں کے چنگل میں مخلوق خدا پھنس جاتی ہے۔''

ابن رجب رحمۃ اللہ نے کہا علماء وحی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نمائندے اور رہنما ہیں۔ جہالت، شکوک اور گمراہی میں لوگ ان سے رہنمائی پاتے ہیں۔ اگر یہ علماء ناپید ہو جائیں تو سالک راہوں سے بھٹک جاتے ہیں۔ علماء کو ستاروں سے بھی تشبیہ دی گئی ہے۔ ستاروں کے تین (3) فائدے ہیں۔

1 اندھیری رات میں ان سے راستہ معلوم ہوتا ہے۔

2 آسمان کی زینت ہیں۔

3 شیطانوں کو چنگاڑے پڑتے ہیں۔

بالکل اسی طرح علماء زمین پر یہ تینوں (3) اوصاف رکھتے ہیں۔

1 گمراہی میں ان سے رہنمائی ملتی ہے۔

2 زمین کی زینت ہیں۔

3 جو لوگ حق و باطل میں گڑبڑ کرتے ہیں ان کیلئے تازیانوں کا کام کرتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان الله لا يقبض العلم انتزاعاً ينتزعه من صدور الرجال ولكن يذهب العلماء فاذا لم يبق عالم اتخذ الناس رؤسا جهالا فسئلوا افافتوا بغير علم فضلوا واضلوا (حدیث صحیح)

''بے شک اللہ لوگوں کے سینوں سے علم سلب نہیں کرتا بلکہ علماء دنیا سے اٹھ جاتے ہیں۔ جب عالم نہ رہیں تو لوگ جاہلوں کو رہنما پکڑتے ہیں۔ ان جاہلوں سے سوال کرتے ہیں تو بغیر علم کے مفتی بن بیٹھتے ہیں۔ خود بھی گمراہ ہوئے اوروں کو بھی گمراہ کیا۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ابو درداء رضی اللہ عنہ جا رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ یہ علم لوگوں سے چھین لیا جائے گا۔ ان کے بس میں کچھ نہ رہے گا۔ زیاد بن لبید نے پوچھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے علم کیسے چھن جائے گا؟ جب کہ ہم قرآن پڑھتے ہیں، بخدا ہم اپنی اولاد اور عورتوں کو قرآن پڑھائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا زیاد افسوس ہے میں تو تجھے مدینہ کے سمجھداروں میں تصور کرتا تھا۔ یہ تورات و انجیل یہود و نصاریٰ کے پاس بھی ہے۔ ان کتب آسمانی نے انہیں کیا فائدہ دیا؟ یعنی کتاب ہدایت کے ہوتے ہوئے یہ اہل کتاب گمراہ ہوئے۔ (رواہ الترمذی)

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا علم کا اٹھ جانا یہ ہے کہ خشوع جاتا رہے گا۔قریب ہے کہ تو جامع مسجد میں جائے اور وہاں کسی کو صاحب خشوع نہ پا سکے۔ (رواہ النسائی)

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا علم دو(2) طرح کا ہے

1. ایک علم اللسان، زبان کا علم جو ابن آدم کے خلاف خدا کے ہاں دلیل بنے گا۔
2. دوسرا علم فی القلب، دل میں اتر جانے والا علم یہی نفع بخش علم ہے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ بھی یہ فرماتے ہیں:

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے ایک سو بیس (120) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ان میں سے کسی ایک سے مسئلہ دریافت کیا جاتا وہ دوسرے صحابی کی طرف بھیج دیتے۔ وہ مزید دوسرے تک بھیجتے، یہاں تک کہ وہ مسئلہ بغیر جواب کے پلٹ کر پہلے صحابی کے پاس آ جاتا۔یعنی ہر صحابی سوال کا جواب دینے سے گھبراتا کہ کہیں مجھ سے جواب میں خطا نہ ہو جائے۔مگر آج ہر ایرا غیرا مفتی ہے اور بے ہنگم سوالوں کے بے باکانہ جواب دینا ضروری خیال کرتا ہے کہ میری شخصیت سے لوگ مرعوب رہیں کہ میں عالم بے بدل ہوں......نَعُوْذُبِاللہ مِنْ ذٰلِكَ......ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب عالم (لَا اَدْرِیْ) میں نہیں جانتا'' کہنا چھوڑ دیں گے ہلاکتوں میں پڑیں گے حالانکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام المسلمین تھے،سید العالمین تھے۔آپ سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو اس وقت تک جواب نہ دیتے تھے جب تک کہ آسمان سے وحی نہ آ جائے۔علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا حقیقی عالم وہ ہے جو لوگوں کو رحمت خداوندی سے مایوس نہ کرے، اللہ کی تدبیر سے بے نیاز نہ کر دے خدا کی نافرمانیوں پر انہیں دلیری نہ دے۔قرآن مجید کے علاوہ کسی کتاب کی رغبت نہ دلائے۔عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا علم وفقاہت، کثرت روایت کا نام نہیں بلکہ خشیت الٰہی کا نام علم وفقہ ہے۔

ایک صاحب علم کا کہنا ہے کہ عالم کے کمال کی تین (3) خوبیاں ہیں۔

1 اپنے علم سے دنیا طلبی ترک کر دے۔

2 جو اس سے سیکھنا چاہے اس سے محبت کرے۔

3 لوگوں کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرے۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اصل عالم اور فقیہہ وہ ہے جو شب زندہ دار ہو، دنیا سے بے نیاز ہو، سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ڈٹ جانے والا ہو۔ ایک بزرگ نے کہا فقیہ وہ ہے جو قرآن پر گہری بصیرت رکھتا ہو اور شیطان کی چالوں کو سمجھتا ہو۔ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ حقیقی عالم وہ ہے جسے خوف خدا بلواتا ہو اور خوف خدا خاموش کر دیتا ہو۔ یہ بولے گا تو کتاب اللہ سے، خاموش ہوگا تو کتاب اللہ سے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے فتویٰ پوچھا کہ اے عالم یہ فتویٰ بتائیں فرمایا:

انما العالم من یخاف اللّٰہ۔

''بھئی عالم تو وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔''

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ علماء کی کیا علامات ہیں؟ فرمایا جو اپنے علم کے مطابق عمل کرے اور اپنے کثیر علم وعمل کو قلیل سمجھے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، ہر مومن کو لازم ہے کہ دین میں صرف وہی بات کرے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آگے پیش قدمی نہ کرے بلکہ یہ دیکھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان کیا ہے۔ مومن کا ہر قول حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کے تابع ہو اس کا ہر عمل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے تابع ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی معمول تھا وہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکار تھے اور بس۔ کسی دانا کا کہنا ہے کہ عالم جاہل کو پہچانتا ہے کیونکہ وہ خود منزل جہالت سے گزر چکا ہوتا ہے مگر جاہل کو عالم کا ادراک نہیں ہوتا کیونکہ وہ منزل علم سے گزرا ہی نہیں ہے۔ اسی لئے جاہل، اہل علم اور ان کے علم کی بعض دفعہ مذمت کرتا ہے کیونکہ اسے علم کا شعور نہیں ہوتا۔ یہ بات آپ عام دیکھیں گے کہ جہلاء اہل علم کے خلاف بے باکی سے باتیں کرتے ہیں۔ مگر علم والا آدمی صاحب علم کے بارے میں احترام سے گفتگو کرے گا۔ فارسی کا مقولہ ہے۔

"جوہری را جوہری می شناسد۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عویمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا اے عویمر روز محشر تیرا کیا حال ہوگا جب آپ سے کہا جائے گا کہ..... اعلمت ام جهلت..... کیا تو نے علم سیکھا تھا یا جاہل رہا تھا؟ اس وقت اگر تو جواب دے گا کہ علم سیکھا تھا پھر سوال ہوگا کہ علم کے مطابق کیا عمل کر کے آیا ہے؟ اور اگر تیرا جواب ہوگا کہ میں بے علم رہا۔ تو پھر سوال ہوگا کہ تیری کیا مجبوری تھی کہ علم نہ سیکھا؟

کسی فرزانے نے کہا..... الفقيه بغير ورع كالسراج يضيى البيت ويحرق نفسه..... فقیہ وعالم بغیر تقویٰ کے ایسا چراغ ہے جو گھر میں روشنی دے رہا ہے اور خود کو جلا رہا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

الناس محتاجون الى العلم قبل الخبز والماء لان العلم يحتاج اليه الانسان فى كل ساعة والخبز والماء فى اليوم مرة او مرتين۔

"لوگ علم کے محتاج ہیں، روٹی پانی سے بھی پہلے کیونکہ انسان علم کا ہر گھڑی محتاج ہے جب کہ روٹی پانی کی دن میں ایک دو بار ضرورت پڑتی ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

رضينا قسمة الجبار فينا
لنا علم و للجهال مال
فان المال يفنىٰ عن قريب
وان العلم يبقى لا يزال

ہم خدائے جبار کی تقسیم پر راضی ہوئے۔ ہماری قسمت میں علم لکھا اور جاہلوں کی قسمت میں مال و دولت لکھا۔ مال جلد فنا ہو جائے گا اور علم ہمیشہ باقی رہے گا۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

اغد عالما اومتعلما او مستمعا او محبا ولا تکن الخامسة فتهلك۔

''تو اس حال میں صبح کر کہ علم والا ہو یا طالب علم ہو یا علم کو سننے والا ہو یا علم سے محبت رکھنے والا ہو، ان کے علاوہ کہیں پانچویں قسم نہ بن جانا۔''

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ پانچویں قسم کونسی ہے؟ کہا المبتدع یعنی بدعتی، دین میں نئے رخنے ڈالنے والا۔ ایک عربی شاعر کہتا ہے:

احرص علی کل علم تبلغ الأملا
ولا تواصل علم واحد کسلا
فالنحل لما رعت من کل فاکهة
ابدت لنا الجوهرین الشمع والعسلا
الشمع باللیل نور یُستضاء به
والشهد یبری باذن البارئی العِلَلَا

علم کا حریص ہو جا منزل مراد پائے گا، تحصیل علم میں کسل مندی اور سستی کا کیا کام ہے، شہد کی مکھی جب ہر پھل سے رس چوستی ہے تو وہ دو جوہر مہیا کرتی ہے۔ ایک (1) موم دوسرا (2) شہد، موم رات کی تاریکیوں میں روشنی مہیا کرتی ہے اور شہد بیماروں کو شفا دیتا ہے، بحکم رب یہ شفاء ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ''علم حاصل کرو کیونکہ تحصیل علم سے خوف خدا آتا ہے۔ علم کا طلب کرنا عبادت ہے۔ علم کا مذاکرہ تسبیح ہے، علمی بحث جہاد ہے، جاہل کو تعلیم دینا صدقہ ہے۔ علم کی اشاعت سے قربت پیدا ہوتی ہے۔ وہ تنہائی میں ہم نشین ہے۔ خلوت میں غم خوار ہے، دین کی رہنمائی اسی علم سے نصیب ہوتی ہے خوشحالی و بدحالی میں استقامت بخشتا ہے۔ دوستوں میں عزت بڑھاتا ہے، ناواقفوں میں قربت کا ذریعہ ہے۔ جنت کی راہ کا مینار ہے۔ اللہ اس کی بدولت قوموں کو عروج دیتا ہے، انہیں

بھلائیوں کی قیادت وسیادت سونپتا ہے۔علم کی وجہ سے دوسرے پیچھے چلتے ہیں۔صاحب علم کی پیروی کی جاتی ہے۔علم کی وجہ سے عمل میں حسن آتا ہے۔فرشتے اہل علم کی دوستی کا شوق رکھتے ہیں۔اپنے نورانی اور مقدس پروں سے ان کو چھوتے ہیں۔ہر خشک وتر چیز ان کے لئے بخشش کی دعا کرتی ہے۔یہاں تک کہ سمندر میں مچھلیاں اور جنگلات کے درندے اور آسمان کے ستارے بھی اہل علم کیلئے مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں۔علم دل کی زندگی ہے، آنکھوں کا نور ہے بدن کی قوت ہے، بندہ اس کے ذریعے نیک لوگوں کی منزلیں پاتا ہے، بلند درجے عطا ہوتے ہیں۔اسی علم کی روشنی میں اطاعت الٰہی کا جذبہ ملتا ہے۔اسی سے شان بندگی کا ادراک ہوتا ہے اسی سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔اسی سے صلہ رحمی ممکن ہے، اسی سے حلال وحرام کی تمیز ہوتی ہے۔علم امام ہے اور عمل اس کا تابع ہے۔علم سعادت مندوں کو ملتا ہے۔علم سے محروی بے نصیبوں کا مقدر ہے۔"

امام ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ نے "تنبیہ الغافلین" میں یہ تاریخی واقعہ نقل کیا ہے۔اہل بصرہ نے ایک بار اس بات پر جھگڑا کیا آیا علم افضل ہے یا مال؟ بالآخر فیصلہ چکانے کے لئے اپنا ایک قاصد مدینہ شریف بھیجا۔عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس وقت حیات تھے۔ان سے پوچھا گیا۔آپ نے کہا علم مال سے افضل ہے۔سائل نے کہا مجھے کوئی دلیل بھی دیں تاکہ بصرہ کے لوگوں کو بتا سکوں۔آپ نے کہا انہیں بتانا کہ علم انبیاء کرام علیہم السلام کی میراث ہے اور مال فرعونوں کی میراث ہے۔علم تیرا رکھوالا ہے اور مال کی تجھے حفاظت کرنا پڑتی ہے۔اللہ اسے علم دیتا ہے جس سے وہ محبت رکھتا ہے اور مال اسے دیتا ہے جو دنیا کا بندہ ہو۔پھر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کی یہ آیت پیش کی:

وَلَوْلَا اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ۔ (سورۃ الزخرف،33)

"اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ سارے لوگ ایک ہی طریقے کے ہو جائیں تو ہم

خدائے رحمٰن سے کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتیں اور ان کی سیڑھیاں جن سے وہ اپنے بالا خانے پر چڑھتے ہیں اور ان کے دروازے اور ان کے تخت جن پر وہ تکئے لگا کر بیٹھتے ہیں سب چاندی اور سونے کے بنا دیتے۔"

پھر فرمایا علم خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتا بلکہ علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے۔ صاحب مال جب مرتا ہے اس کا ذکر ختم ہو جاتا ہے۔ عالم جب دنیا سے چلا جاتا ہے اس کا چرچا باقی رہتا ہے۔ صاحب مال پر موت وارد ہوتی ہے صاحب علم پر یوں موت وارد نہیں ہوتی۔ صاحب مال سے روز محشر ایک ایک پیسے کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کہاں سے کمایا اور کہاں لگایا؟ صاحب علم کو ایک ایک حدیث رسول ﷺ سنانے پر جنت میں درجات بلند ہوتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

العلماء امناء الرسل علی عباد اللّٰہ مالم یخالطوا السلطان ویدخلوا فی الدنیا فاذا دخلوا فی الدنیا فقد خانوا الرسل فاعتزلوهم واحذروهم۔

علماء خلق خدا پر رسولوں کی طرف سے امین ہوتے ہیں جب تک کہ وہ حکمرانوں سے نہ ملیں اور دنیا میں نہ پڑیں اور جب وہ دنیا میں غرق ہوں تو ان سے علیحدہ ہو جاؤ ان سے بچو۔ (بحوالہ مذکورہ)

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ اندھا اگر چراغ جلائے تو فائدہ آنکھ والے اٹھائیں گے۔ اندھے کو خود کیا فائدہ ہو؟ تاریک کمرے کی چھت پر چراغ جل رہا ہو تو کمرے کے اندر کیا فائدہ؟ اسی طرح تم حکمت و دانائی کی باتیں کرو اور خود عمل نہ کرو تو تمہیں کیا فائدہ؟ مزید فرمان عیسیٰ علیہ السلام ہے۔ دنیا میں بے شمار درخت ہیں مگر سب پھل دار نہیں۔ دنیا میں بہت سے علماء ہیں مگر سب مرشد نہیں ہو سکتے۔ بہت سے درختوں کو پھل لگتے ہیں لیکن سب پھل میٹھے نہیں ہوتے۔ اسی طرح دنیا میں علوم بہت ہیں مگر سب آخرت میں نافع نہیں۔

علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بنی اسرائیل میں ایک عالم ایسا تھا جس نے اسی (80) صندوق علم کے بھر رکھے تھے (یوں سمجھئے کہ آج کوئی دنیا بھر کی معروف یونیورسٹیوں کی اعلیٰ ڈگریاں لئے ہوئے ہو) اللہ نے وقت کے پیغمبر پر وحی بھیجی کہ اس حکیم و دانا سے کہو اگر تو اتنی ہی علمی ڈگریاں اور جمع کر لے تو تجھے کوئی نفع نہ دیں گی مگر یہ صرف تین (3) باتوں پر عمل کر لے۔

1. دنیا سے محبت نہ رکھ کیونکہ یہ دار المومنین نہیں۔
2. شیطان سے دوستی نہ رکھ کیونکہ وہ رفیق المومنین نہیں۔
3. مسلمانوں کو ستایا نہ کر کیونکہ یہ شیوہ مومنین نہیں۔

یہ خبر مذکور ہے کہ فرشتے تین (3) قسم کے لوگوں سے بہت حیران ہیں۔

1. فاسق عالم پر جو لوگوں کو وہ تعلیم دیتا ہے جس پر خود عمل پیرا نہیں۔
2. فاجر کی قبر پر جو بظاہر پختہ اور خوبصورت بنائی گئی ہو۔
3. فاجر کے جنازے پر جو نقش و نگار کیا گیا ہو۔

یہ بھی بیان ہوا کہ تین (3) قسم کے لوگ حشر کے میدان میں شدید حسرت میں ہوں گے۔

1. کسی کا نیک غلام یا ملازم جو جنت میں جائے گا اور اس کا آقا دوزخ میں جائے گا۔
2. وہ مالدار بخیل جس نے دولت پر سانپ بن کر بیٹھنا پسند کیا اور حقوق اللہ بھی ادا نہ کیے۔ اس کے مرنے کے بعد وارثوں میں وہ دولت تقسیم ہوئی انہوں نے سب کے حقوق ادا کیے تو صاحب دولت جہنم میں جائے گا۔ جبکہ اس کی دولت کے ورثاء جنت میں جائیں گے۔
3. **ورجل عالم سوء يحدث الناس ينجوا الناس بعلمه و هو يصير الى النار** ...... تیسرا وہ برا عالم جو لوگوں کو نصیحت کرتا تھا لوگ اس سے علم سیکھ کر اس پر عمل کر کے جنت پا جائیں گے اور وہ بے نصیب عالم خود نار جہنم میں جا رہا ہوگا ...... **نعوذ بالله من ذالك** ...... یہ بھی ذکر ہوا جب علماء حلال مال جمع کرنا شروع کر دیں تو لوگ مشکوک مال کھانا شروع کر دیتے ہیں۔ جب علماء مشکوک مال کھائیں تو لوگ حرام کھانا شروع کر دیتے ہیں۔ جب علماء حرام کھائیں تو لوگ کافر ہو جاتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا......ای الناس شر؟......"بدترین لوگ کون ہے؟"

قال صلی اللہ وعلیہ وسلم العالم اذا فسد "فرمایا وہ عالم بدترین ہے جو خراب ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے جس نے چار (4) مقاصد کے لئے علم سیکھا وہ دوزخ میں جائے گا۔

1. اپنے علم سے علماء پر برتری حاصل کرنے کے لئے۔
2. بے عقلوں سے جھگڑنے کے لئے۔
3. لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے۔
4. امیروں سے مال، عزت، جاہ ومنزلت حاصل کرنے کے لئے۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا علم کا ① پہلا زینہ خاموشی ہے۔ ② دوسرا زینہ علم کو سننا۔ ③ تیسرا زینہ سنے ہوئے کو یاد رکھنا۔ ④ چوتھا زینہ اس پر عمل کرنا ہے۔ ⑤ پانچواں زینہ اس علم کی اشاعت ہے۔

ابو حفص نے ذکر کیا کہ حقیقی عالم کو دس (10) خوبیاں نصیب ہوتی ہیں۔

1. نیکی
2. تقویٰ
3. خیر خواہی
4. نرم مزاجی
5. صبر وتحمل
6. عاجزی وانکساری
7. لوگوں کے مال سے بے نیازی
8. کثرت مطالعہ
9. دروازے پر دربان نہ ہونا
10. امیر وغریب سب کے لئے دروازہ کھلا رکھنا

علامہ سمرقندی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں۔ آٹھ (8) قسم کے لوگوں کے پاس بیٹھنے سے آٹھ (8) چیزوں کا اضافہ ہوتا ہے۔

1. دولت مندوں کے پاس بیٹھیں تو دنیا کی محبت اور شوق بڑھتا ہے۔
2. فقراء کے پاس بیٹھنے سے شکر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اپنی قسمت پر اطمینان نصیب ہوتا ہے۔
3. حکمرانوں کے پاس بیٹھنے سے کبر و غرور بڑھتا ہے اور دل سخت ہو جاتا ہے۔
4. عورتوں کے پاس بیٹھنے سے جہالت اور شہوت بڑھتی ہے۔
5. بچوں کے پاس بیٹھنے سے کھیل تماشہ اور مذاق کا اضافہ ہوتا ہے۔
6. فاسقوں اور خدا کے نافرمانوں کے پاس بیٹھنے سے گناہوں پر دلیری ملتی ہے اور توبہ سے ٹال مٹول رہتی ہے۔
7. صالحین کے پاس فرمانبرداری اور گناہوں سے گریز ہوتا ہے۔
8. علماء کے پاس بیٹھنے سے علم اور تقویٰ میں اضافہ ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عالم کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے۔ کعبہ شریف کو دیکھنا عبادت ہے۔ قرآن کریم میں دیکھنا عبادت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا فرمان ہے جس نے عالم کی زیارت کی گویا اس نے میری زیارت کی۔ جس نے عالم سے مصافحہ کیا گویا اس نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ جو عالم کی مجلس میں بیٹھا گویا وہ میرے ساتھ بیٹھا جو میرے ساتھ دنیا میں بیٹھا قیامت کے روز اللہ اسے میرے ساتھ بٹھائے گا۔ (مذکورہ روایات کا حوالہ تنبیہ الغافلین سے ہے)

حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا علماء کے لکھنے کی سیاہی شہیدوں کے خون کے ساتھ تولی جائے گی۔ تو سیاہی خون سے بھاری نکلے گی۔ مزید فرمایا...... لولا علماء لصار الناس مثل البهائم ...... اگر علماء نہ ہوتے تو لوگ جانوروں کی طرح ہو جاتے۔

امام صالح فوزان رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اگر آپ بیمار پڑ جائیں تو ڈاکٹر کے پاس جائیں گے یا فارمیسی سے اپنی مرضی کی دوائیں کھائیں گے؟ ظاہر ہے جو طبیب سے بے نیاز ہو کر اپنی مرضی سے دوائیں کھائے گا مزید بیمار ہو جائے گا۔ کیونکہ اسے علم طب کا پتہ نہیں، اسی طرح عالم کے پاس جائے بغیر محض کتابیں پڑھ کر علم دین حاصل ہونا مشکل ہے۔ فارسی

کا مقولہ ہے ''نیم حکیم خطرہ جان، نیم ملا خطرہ ایمان'' لہٰذا کتاب اور استاد دونوں ضروری ہیں۔ بعض سلف کا کہنا یہ بھی ہے کہ علم دین جس سے حاصل کرو، اسی پر غور کرلو، یعنی ناپختہ علم والے سے تحصیل علم میں بہت نقص رہ جائے گا۔ جب دنیا کے دیگر علوم وفنون میں اناڑیوں سے استفادہ نہیں کیا جاسکتا بلکہ ماہرین فن سے استفادہ کی کوششیں ہوتی ہیں۔ تو اسی طرح علم دین میں بھی ماہرین سے علم لیا جائے جو خود عامل ہوں اور اللہ سے ڈرنے والے ہوں۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا آثار قیامت میں سے ہے...... التماس العلم عندالا صاغر...... یعنی علم اکابر علماء کے بجائے ادنیٰ لوگوں سے حاصل کیا جائے گا۔ آج یہ کام عام ہے اہل علم کی بجائے غیر اہل علم سے علمی مسائل پوچھے جاتے ہیں اور وہ کم علم اپنے تئیں مفتی ومحدث بنے ہوئے ہیں۔ یہ قیامت کی نشانی ہے جو حضور ﷺ نے بطور تنبیہ فرمائی تھی۔ بڑی بے باکی وحقارت سے دنیوی علوم کے حاملین کہہ دیتے ہیں۔ کہ علماء کو کیا پتہ ہے وہ تو ایسے ہیں، ویسے ہیں، یہی بات اگر کوئی ڈاکٹروں انجینئروں کے بارے میں کہے کہ ڈاکٹروں کو ڈاکٹری اور انجینئروں کو انجینئری کی کیا خبر ہے تو کیا یہ بات درست ہوگی؟ عربی مقولہ ہے...... لکل فن رجال ...... ہر فن اور پیشے کے لئے اللہ نے الگ الگ لوگ پیدا کئے ہیں۔'' کوئی صاحب فن کسی دوسرے کے فن میں ٹانگ نہیں اڑا سکتا۔ کیونکہ نہ کوئی ہر فن مولا ہے نہ کوئی ہمہ دانی کا دعویٰ کرسکتا ہے۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو (Master of All Master of none) کی زد میں آجائے گا۔ مجاہد رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ہم مسجد میں بیٹھے تھے ایک قصہ گو آیا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بیٹھ گیا۔ قصے کہانیاں سنانے لگا۔ حضرت نے اس کی طرف آدمی بھیجا کہ ہمارے پاس سے اٹھ جا ہمیں پریشان نہ کر۔ وہ باز نہ آیا آپ نے پولیس افسر کو پیغام بھیجا تو پولیس کے سپاہی نے اسے مسجد سے نکالا۔ (شرح السنۃ)

عوام الناس کی اکثریت چونکہ علم شریعت سے بے خبر ہوتی ہے پھر جو چرب زبان اور باتونی مسجد میں کھڑا ہو کر لوگوں کو بے بنیاد قصے سناتا ہے، تو لوگ عش عش کر اٹھتے ہیں، ایسے افسانہ گو ایکٹروں کی طرح کئی انداز اختیار کرتے ہیں۔ الفاظ کی تک بندی کرتے ہیں۔ نثر کو نظم بنائے جاتے ہیں اور نظم کو گا گا کر پڑھتے ہیں۔ سامعین مسحور ہوتے ہیں، زندہ

باد کے نعرے لگتے ہیں، مگر عموماً یہ آواز کا جادو اور ایکشن کا ڈرامہ ہوتا ہے۔ ایسے لوگ کئی القاب سے نوازے جاتے ہیں اور حال یہ ہوتا ہے کہ ایسے واعظ قرآن کریم کا بنیادی ترجمہ وتشریح تک نہیں جانتے، حدیث واصول حدیث سے ناواقف۔ جو غلط سلط مقامی زبانوں میں جانتے ہیں بیان کرتے جاتے ہیں۔ نہ لغت عرب کا پتہ، نہ عربی ادب سے آشنا، نہ صرف نحو کا ادراک، نہ عربی عبارات اعراب کے ساتھ پڑھ سکیں۔ نہ ترکیب نحوی کی خبر۔ مگر ہے علامہ دہر۔ ایسے لوگوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نفرت کرتے تھے، کہ دین قصہ گوئی کا نام نہیں بلکہ قرآن وسنت کی روشنی میں حقائق کو واضح کرنے کا نام ہے۔ جس سے سامعین میں علم و عمل کا جذبہ بیدار ہو اور اخلاص نیت کا بیج دلوں میں کاشت ہو۔

بعض جوشیلے مقرر ایسے جاہ وجلال سے مخالفین پر برستے ہیں جیسے درندے جنگل میں دھاڑتے ہیں کہ ہر سننے والا جانور تھر تھر کانپنے لگتا ہے ان کی گرج چمک جادو جگاتی ہے۔ مائکروفون کی کم بختی ہوتی ہے۔ منہ سے جھاگ چھوٹ رہا ہوتا ہے۔ اس کے چھینٹے سامعین پر پڑتے ہیں۔ مجمع سے واہ واہ، ماشاء اللہ، سبحان اللہ کی صدائیں بلند ہونے لگتی ہیں۔ ان صداؤں اور نعروں سے جنون خطابت کو مزید خمار آتا ہے۔ پھر خبر نہیں منہ سے کیا کیا گلفشانی ہوتی ہے، زمین وآسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں۔ مقرر کے آگے رکھی ہوئی میز پر مکے برستے ہیں۔ فدائی جوان کمزور لکڑی کی میز آگے رکھتے ہیں تاکہ دھواں دھار مقرر جب جوش میں آئے تو مکے سے میز توڑے پھر اس بہادری پر نعرے لگتے ہیں، جیسے حضرت صاحب نے کشمیر فتح کرلیا ہو۔ کسی شاعر نے ایسے ہی خطیبوں کے بارے میں لکھا ہے:

واعظوں میں یہ تکبر کہ الٰہی! توبہ
اپنی ہر بات کو آواز خدا کہتے ہیں
ان کے ہر کام میں دنیا طلبی کا سودا
ہاں مگر وعظ میں دنیا کو برا کہتے ہیں
غیر بھی ہو تو اسے چاہیے اچھا کہنا

پر غضب یہ ہے کہ وہ اپنوں کو برا کہتے ہیں
فرقہ بندی کی ہوا تیرے گلستاں میں چلی
یہ وہ ناداں ہیں جو اسے باد صبا کہتے ہیں

دوران خطاب اگر کوئی بھولے سے سوال کر بیٹھے پھر اس کی خیر نہیں اس کی بری شامت آتی ہے یا تو فدا کار اس سائل کو کنارے لگادیں گے یا خطیب بے بدل اس کی ایسی درگت بنائیں گے کہ سارا مجمع ہنسی اڑائے گا، پھر کسی کا یارا نہیں کہ کوئی سوال کر سکے۔ مگر ہمارے حضور ﷺ کا انداز خطابت کیا تھا؟ ایک وقار اور سکینت سامعین کو سمجھانے کے لئے بار بار جملے دہراتے کہ دل میں اتر جائیں۔ سفر ہجرت میں خیمہ ام معبد سے گزرے تو اس نیک خاتون نے شام کو اپنے شوہر سے تذکرہ کیا کہ آج یہاں ایک نیک سیرت کا گزر ہوا اس میں شرافت و کردار کی یہ یہ خوبیاں تھیں۔ نبی ﷺ کے انداز گفتگو پر کہتی ہیں...... كَاَنَّ منطقه خرزات نظم يتحدرن...... (بخاری شریف) حضور ﷺ جب بولتے تھے تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ آپ ﷺ کے منہ سے موتی جھڑ رہے ہیں۔ مگر آج کا مقرر شعلہ بار منہ سے آگ کے شرارے اڑاتا ہوا مخالفین کو بھسم کرتا جاتا ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے...... والله ان الذی یفتی الناس فی کل مایسالونه لمجنون...... بخدا جو لوگوں کے ہر طرح کے سوالوں کا جواب مفتی بن کے دیئے جاتا ہے وہ حقیقت میں مجنون ہے پاگل ہے۔ (حوالہ شرح السنہ)

یعنی یہ بات عقلاً بھی محال ہے کہ آدمی ہر علم کا ماہر ہو اور ہر علم ہر وقت ذہن میں مستحضر ہو۔ یہ صرف اس لئے برجستہ جواب دیئے جاتے ہیں کہ لوگ سمجھیں کہ حضرت کی کیا بات ہے۔ علم کا سمندر ہیں۔ جو سوال کرو جواب حاضر ہوتا ہے۔ اس لئے غرور علم مجبور کرتا ہے کہ ہر سوال کا جواب دوتا کہ آپ کی علمی شخصیت کی دھاک ان لوگوں پر قائم رہے۔ پھر سچے جھوٹے سب جواب اسی غرض سے دیئے جاتے ہیں لیکن وہ عالم جو دل میں خشیت الٰہی رکھتا ہے، وہ خوف خدا سے دبا ہوا جھکا ہوا ہوتا ہے۔ وہ تول کر بولتا ہے اور اسے یقین ہوتا

ہے کہ دل کی نیت پر خدا کی نظر ہے اور زبان سے نکلنے والا ہر لفظ ریکارڈ ہو رہا ہے۔ وہ دوسروں کو حقیر نہیں سمجھتا بلکہ اسے اپنی فکر زیادہ ہوتی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ وہ ہستی ہیں جنہیں زبان رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنت کی بشارت مل چکی تھی، جن کی نیکیاں ستاروں کے برابر تھیں۔ دوران خطاب کسی نے سوال کیا تو رک کر اسے مطمئن کیا، سائل پر برسے نہیں۔ اتنی نیکیاں کرنے کے باوجود خوف خدا سے لرزاں وترساں ہیں کہ اگر میدان حشر میں یہ اعلان ہوا کہ خدا نے سب کو بخش دیا سوائے ایک آدمی کے تو میں ڈر جاؤں گا کہ کہیں وہ بے نصیب میں ہی نہ ہوں۔ (احیاء العلوم)

آج امت مسلمہ کو ایسے علماء کی شدید ضرورت ہے جو اسلام کی خاطر جیتے ہوں نہ کہ اپنے مسلکوں اور فرقوں کی خاطر اور نہ دنیا کی خاطر۔

جسے اسلام کی عظمت پر کٹ مرنا نہ آتا ہو
مسلمانوں کے بیڑے کا کھیوا ہو نہیں سکتا

موت برحق ہے

”یہ تو سب کو معلوم ہے کہ انسان مرنے کے بعد ختم نہیں ہوتا بلکہ دوسری طویل تر زندگی میں پہنچا دیا جاتا ہے، پھر وہاں اس کے لئے یا دائمی جنت ہے یا دائمی جہنم۔ یہ انتہائی سنگین صورت حال ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص موجودہ زندگی میں صحیح تعلیم سے بے خبر رہ جائے اور اس حال میں مر جائے کہ اس نے صحیح انداز سے زندگی نہ گزاری ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مرنے کے بعد اچانک لامحدود عذاب میں پھنس جائے گا جس سے دوبارہ نکلنے کی کوئی سبیل نہ ہوگی۔ انسان کو اسی ہیبت ناک خطرہ سے بچانے کے لئے اللہ نے انبیاء کرام علیہم السلام کا سلسلہ شروع کیا اور اتنی کثرت سے آئے کہ ان کا تانتا بندھ گیا۔“

عبدالقیوم ملک

تعلیم حسن اخلاق کا منبع

تعلیم سب سے اہم اس لئے ہے کہ ہمیں جینے کا شعور دیتی ہے۔ یہ مقصد زندگی کی طرف ہماری رہنمائی کرتی ہے، انسان اور حیوان میں فرق علم ہی کی وجہ سے ہے، بلکہ ہمیں کہنے دیجئے کہ علم زندگی ہے اور جہالت موت۔ کونسا ایسا فرد ہے جو علم کے بغیر کارگاہِ حیات میں آگے بڑھا ہو اور کونسی ایسی قوم ہے جس نے تعلیم و تربیت کے بغیر مہذب اور متمدن قوموں کی صف میں اپنا مقام بنایا ہو۔ جہالت تو عذاب ہے۔ لہٰذا جتنی جلدی اس عذاب سے پیچھا چھڑایا جائے اتنا ہی بہتر ہے۔ اللہ کسی کی بندگی اور شکر گزاری کا محتاج نہیں ہے۔ اس کی ذات بے نیاز ہے مگر ہم انسان تو محتاج محض ہیں۔ ہر آن ہر لمحہ اللہ کی مدد کے محتاج، دنیا میں اللہ کی تمام تخلیقات کا شاہکار ہونے کے باعث ہی انسان کو جو کہ اشرف المخلوقات ہے اس کو یہ چلن (بے علم رہنا) کچھ زیب نہیں دیتا۔ لہٰذا تعلیم سے بہرہ ور ہو کر ہی اپنے اشرف المخلوقات کے مقام کو پہچانیں۔ تعلیم حسن اخلاق کا منبع ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے۔ ”جس کا اخلاق اچھا نہیں ہے اس کو قیامت کے دن حضور ﷺ کا سایہ رحمت نصیب نہیں ہوگا۔“

پروردگار ہمیں حقیقی تعلیم سے روشناس ہونے کی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین۔

اقوال زریں

- جو لوگ مطالعہ نہیں کرتے ان کے پاس سوچنے کو بہت کم باتیں ہوتی ہیں۔
- قدرت کو زبان کی سختی پسند نہیں، اس لئے اس میں ہڈی نہیں۔
- ہر شخص سچا دوست تلاش کرتا ہے مگر خود سچا بننے کی زحمت نہیں کرتا۔
- محنتی کا ہاتھ اسے کبھی نہ کبھی دولت مند بنا دیتا ہے۔
- بات چیت کا سلیقہ بہت بڑا فن ہے۔
- دلوں کو فتح کرنے کے لئے تلوار کی نہیں عمل کی ضرورت ہوتی ہے۔
- غموں کو چھپا کے چہرے پر مسکراہٹ سجائے رکھنا عظمت ہے۔
- دشمن کے مرنے پر خوشی مت مناؤ کیونکہ کل آپ نے بھی مرنا ہے۔

سنہری باتیں

- جو شخص خداوند کریم کی اطاعت کرتا ہے وہ لوگوں کی ناراضگی کی پرواہ نہیں کرتا۔
- پاکیزگی انبیاء کی صفات میں سے ہیں۔
- مومن زندگی سے فائدہ اٹھاتا ہے اور کافر مختصر سی لذت سے خوش رہتا ہے۔
- کسی مریض کا علاج کرتے ہوئے خوف خدا پیش نظر رکھو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اصل قرآن صرف عربی زبان میں ہے نہ کہ کسی عجمی زبان میں

بعض لوگ قرآن کریم کا عربی متن چھوڑ کر ترجمہ قرآن شائع کر دیتے ہیں، اس دلیل کی بنیاد پر کہ غیر مسلموں کو قرآن عربی میں دینا گناہ ہے۔ یہ دلیل شرعاً کوئی وزن نہیں رکھتی بلکہ ایسے لوگوں کو یہ اندازہ نہیں ہے کہ کلام اللہ صرف عربی زبان میں نازل ہوا اور کلام اللہ خالق کی صفت ہے اور جب کلام اللہ کا ترجمہ کیا جائے تو ترجمہ کلام اللہ نہیں ہو سکتا بلکہ ترجمہ مخلوق کی صفت ہے نہ کہ خالق کی۔ لہٰذا خالق و مخلوق کو گڈ مڈ نہ کیا جائے کیونکہ یہ شرک ہے۔

قرآن اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی اس مذموم حرکت کو یوں بیان کرتا ہے:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ (سورۃ البقرہ 79)

"پس ہلاکت و تباہی ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے آئی ہے۔"

لہٰذا کسی ترجمہ قرآن کو اصل قرآن کہنا بالکل غلط ہے۔ یہ یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہے کہ تورات کی اصل زبان کے بغیر تورات کے ترجمے لکھ لکھ کر تحریفات کرتے رہے۔ یہی کام عیسائیوں نے کیا۔ جس زبان میں انجیل عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اس اصل زبان کو چھوڑ کر مختلف ترجموں کی شکل میں تحریفات کے مرتکب ہوئے۔ اسی لئے آج تک محترم احمد دیدات اپنے مناظروں میں اہل کتاب کو للکارتے رہے ہیں۔ Which Bible you Believe? کئی اقسام بائبل میں سے آپ کس نسخہ بائبل پر ایمان رکھتے ہیں؟

اسی طرح آج اگر ہم مترجم قرآن کا نسخہ، کلام اللہ کا دعویٰ پا جائے تو سینکڑوں تراجم قرآن میں سے کس کو بطور کلام الٰہی پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ قرآن کا کوئی نسخہ بلا عربی متن شائع نہ کیا جائے۔ حفاظت قران کا معجزہ صرف عربی زبان کو حاصل ہے...... اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ...... (سورۃ الحجر: آیت 9)

اس ذکر (قرآن) کو ہم ہی نے نازل کیا اور یقیناً ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

کسی عجمی ترجمے کی حفاظت اللہ نے اپنے ذمے نہیں لی۔ فی زمانہ ہم دیکھتے ہیں کہ ترجمہ کرنے والے ترجموں میں کس قدر گڑبڑ کرتے ہیں کہ حضرت اقبال رحمہ اللہ فرما گئے۔

زمن بر صوفی و ملا سلامے
کہ پیغامِ خدا گفتند مارا
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت
خدا و جبرائیل و مصطفیٰ را

"میری طرف سے اہل تصوف اور ملاؤں کو دور سے ہی سلام ہے۔ جو ہمیں اللہ کا پیغام سناتے ہیں مگر اس پیغام حق کی تاویلیں اور تشریحات ایسی نکال کر لاتے ہیں کہ اللہ کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں کہ اس مفہوم سے تو میں نے اتارا نہیں تھا۔ جبرائیل علیہ السلام حیرت زدہ رہ جاتے ہیں کہ اس تشریح کے ساتھ لے کر میں نازل نہ ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حیران ہوتے ہیں کہ اس شرح کے ساتھ میں نے اللہ کا یہ حکم انسانوں کو نہیں بتایا تھا۔"

یعنی حال تو یہ ہے کہ متن قرآن کے ہوتے ہوئے بھی ترجموں اور حاشیوں میں اپنی کارستانیاں کر گئے۔ جیسا کہ مرزا قادیانی نے بائیس (22) آیات قرآنی کی ابلیسی تشریحات کر کے اپنی نبوت کا ثبوت بے ثبات پیش کر دیا اور چکڑالوی و پرویز نے قران کو بازیچہ اطفال بنا دیا۔ اسی طرح کے اور کئی گمراہوں نے گمراہی پھیلائی۔ ہماری اس تحریر کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ قرآن کے دیگر زبانوں میں ترجمے اور تفسیریں نہ لکھی جائیں۔ دنیا بھر کی زبانوں میں ترجمہ قرآن ضروری ہے۔ کیونکہ فرمان الٰہی ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۤفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا

"اور اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم نے آپ کو تمام ہی انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔" (سبا، آیت: 28)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اول مخاطب قوم اگرچہ عرب قوم تھی مگر عرب قوم اور عرب

زبان کے ذریعے تمام انسانیت کو آپ ﷺ کی نبوت محیط ہے۔ لہٰذا سب انسانی زبانوں میں ترجمے اور تفسیریں ضروری ہیں۔ مگر زبانوں میں بنیاد صرف عربی زبان کو حاصل رہے گی جسے کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ پھر رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے...... بلغوا عنی ولو آیۃ...... الخ (رواہ شرح السنہ وقال ہذا حدیث صحیح) ''میری طرف سے (دین) آگے پہنچاؤ اگرچہ ایک ہی آیت کیوں نہ ہو۔'' تو یہ تبلیغ ہرگز ممکن نہیں ہے جب تک ہر زبان میں ترجمہ نہ ہو بشرطیکہ ترجمے کو اصل ہی نہ سمجھ لیا جائے۔ اللہ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر قرآن کے عربی ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔ حوالے ملاحظہ ہوں۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّھٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ۔ (سورۃ النحل 103)

''اور یقیناً ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ تمہارے متعلق کہتے ہیں کہ اس شخص کو ایک آدمی سکھاتا ہے حالانکہ ان کا اشارہ جس آدمی کی طرف ہے اس کی زبان عجمی ہے اور یہ صاف عربی زبان ہے۔'' (اس عجمی کا نام بلعام تھا)

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ، عَلٰي قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ، بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ (الشعراء: 195)

''یہ رب العالمین کا نازل کردہ کلام ہے۔ اسے لے کر تیرے دل پر امانت دار روح اتری ہے۔ تاکہ تو ان لوگوں میں شامل ہو جو (اللہ کی طرف سے اللہ کی مخلوق کو) خبردار کرنے والے ہیں۔ صاف صاف عربی زبان میں۔''

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ، ءَ اَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ، قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاۗءٌ (حم السجدہ: 44)

''اگر ہم اس کو عجمی قرآن بنا کر بھیجتے تو یہ لوگ کہتے کیوں نہ اس کی آیات کھول کر بیان کی گئیں؟ کیا ہی عجیب بات ہے کہ کلام عجمی ہے اور مخاطب عربی، ان سے کہو یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور شفاء ہے۔''

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۔ (یوسف:2)

”ہم نے اسے نازل کیا ہے قرآن بنا کر عربی زبان میں تا کہ تم (اہل عرب) اس کو اچھی طرح سمجھ سکو۔“

خیر اسی طرح مزید قرآن میں حوالے دیکھے جا سکتے ہیں مثلاً (سورۃ الرعد: آیت 38) (سورۃ طٰہٰ، آیت:113) (سورۃ الزمر:28) (سورۃ حم السجدہ، آیت:3) (سورۃ الشوریٰ آیت:7) (الزخرف، آیت:3) (الاحقاف آیت:12) مذکورہ حوالوں سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ قران صرف عربی زبان میں نازل ہوا اور وہی عربی الفاظ کلام اللہ ہیں۔ اس کے برعکس جو قرآن کا صرف ترجمہ ہوگا اسے قرآن نہیں کہا جا سکتا اور نہ وہ کلام اللہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ بندوں کا کلام ہوگا۔ اور بندوں کے کلام کو کلام اللہ قرار دینا صریح شرک باللہ ہے۔

غیر مسلموں کو قرآن پیش کرنا جائز ہے:

ہمارے بعض احباب چند دلائل کی بنیاد پر قرآن غیر مسلم کو دینا جائز نہیں سمجھتے۔ ان کے دلائل یہ ہیں:

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ ۔ (سورۃ التوبہ:28)

”درحقیقت مشرکین ناپاک ہیں۔“

مشرک کی ناپاکی دراصل عقیدہ کی گندگی ہوتی ہے- بظاہر چاہے وہ پاک صاف رہے۔ جب کہ دعوت دین کی خاطر قرآن کہتا ہے:

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ (التوبہ:6)

”اگر مشرکین میں سے کوئی پناہ مانگ کر تمہارے پاس آنا چاہے (تا کہ اللہ کا کلام سن لے) تو اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔“

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت لکھا ہے۔ دارالحرب سے

اگر کوئی دارالاسلام آئے۔ پیغام رسانی، تجارت، صلح جوئی یا امان طلب کرنے کو تو اسے روکا نہیں جا سکتا۔" اس مفہوم سے ملتی جلتی حدیث رسول ﷺ صحیح مسلم وغیرہ میں منقول ہے

(i) لا تسافروا بالقرآن فانی لا امن ان ینله العدو......وقال ایوب فقد ناله العدو وخاصموکم به (کتاب الامارات)

رسول ﷺ نے فرمایا: مت لے جاؤ سفر میں قرآن شریف کو کیونکہ مجھے ڈر ہے دشمن کے ہاتھ میں پڑ جانے کا" ایوب نے کہا دشمن کے ہاتھ میں پڑ جائے اور وہ لگے جھگڑا کرنے تم سے۔ علامہ وحید الزماں رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے حاشیہ میں لکھا ہے: "امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ دشمن اس کے ساتھ بے ادبی نہ کریں اور اگر یہ ڈر نہ ہو مثلاً بڑا لشکر ہو تو اس کی ممانعت نہیں ہے۔" اگرچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ہر حال میں منع کہتے ہیں۔ یہی بات فردوس الدیلمی کے حاشیہ نگار نے لکھی ہے۔

قال ابن عبدالبراجمع الفقهاء ان لایسافر بالمصحف فی السرایاوالعسكر الصغیر المخوف علیه و فی الكبیر المامون خلاف۔ (الفردوس جلد پنجم)

اس کا مفہوم وہی ہے جو وحید الزماں رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

(ii) اس حدیث میں وجہ ممانعت دارالحرب اور دشمن کی دشمنی کا اندیشہ ہے۔ یعنی جہاں لڑائی برپا ہو اور دشمن کا خوف ہو تو وہاں قرآن نہ لے جایا جائے، لیکن جو علاقہ دارالحرب نہ ہو اور جہاں توہین قرآن کا امکان نہ ہو وہاں قرآن لے جایا جا سکتا ہے۔ یعنی دارالکفر میں اگر امن ہے تو اس کی اجازت ہے اور جس کافر سے توہین قرآن کا اندیشہ نہ ہو اسے قرآن مطالعہ کے لئے دیا جا سکتا ہے۔

(iii) ایک اور دلیل دی جاتی ہے کہ قرآن باوضو تلاوت کریں اور ثبوت کے لئے قرآن کی آیت پیش کی جاتی ہے

لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ (سورۃ الواقعہ:79)

"یعنی اسے مطہرین کے سوا کوئی نہیں چھو سکتا۔"

لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کس سیاق کلام میں یہ کہا گیا ہے تو کفار مکہ کی تردید کی گئی ہے کہ تم کبھی کہتے ہو کہ آپ ﷺ پر شیاطین یہ کلام لے کر آتے، کبھی کلام کاہن کہتے ہو، کبھی شاعرانہ کلام کہتے ہو، لیکن ان تمام الزامات کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک بلند پایہ قرآن ہے، ایک محفوظ کتاب میں ثبت ہے، جسے مطہرین کے سوا کوئی چھو نہیں سکتا۔ یعنی لوح محفوظ تک کسی شیطان کی رسائی کہاں؟ اور اللہ کی طرف سے رسول پاک ﷺ پر وحی لانے والے جبرائیل علیہ السلام بھی پاکباز ہیں۔ تو نہایت محفوظ مقام سے محفوظ ذریعے سے رسول ﷺ پر نازل ہوا ہے۔ اس نزول قرآن میں کسی غیر کا اور ناپاک کا عمل دخل نہیں ہے۔ اس سیاق قرآن میں کون کہہ سکتا ہے کہ وضو کرنا مراد ہے؟ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے علقمہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ہم سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ وہ کمبل اوڑھے ہوئے باہر آئے، ہم نے کہا جناب! اگر آپ وضو کرکے ہمیں کوئی سورت سناتے تو اچھا تھا۔ فرمایا" قرآن میں...... لایمسه الاالمطهرون...... جو ہے...... وهو الذكر الذي في السماء لايمسه الا الملائكة...... کہ اسے پاکباز چھوتے ہیں سے مراد آسمانی فرشتے ہیں جو کتاب المکنون (محفوظ) کو مس کرتے ہیں۔" اس واقعہ نے بات واضح کر دی کہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ قرآن مجید پڑھنے کے لئے وضو کو ضروری نہیں جانتے تھے۔ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے المحلی حصہ اول میں تمام فقہاء کرام کے دونوں طرف کے دلائل نقل کر دینے کے بعد لکھا ہے...... هذه تفاريق لا دليل على صحتها لا من قرآن ولا من سنة لا صحيحة ولا سقيمة ولا من اجماع ولا من قياس...... کہ یہ کمزور دلائل ہیں۔ نہ قرآن سے ثابت ہے نہ سنت نبوی سے کوئی صحیح حدیث، نہ کوئی کمزور حدیث، نہ اجماع امت، نہ قیاس عقلی۔ کہ وضو تلاوت کے لئے ضروری ہو۔

- حماد کہتے ہیں میں نے سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے پوچھا کیا جنبی آدمی قرآن پڑھ سکتا ہے؟...... فَقَالَ وَ كَيْفَ لَا يَقْرَؤُهُ وَهُوَ فِي جَوْفِهِ...... کیوں نہیں پڑھ سکتا جب کہ وہ قرآن اس کے سینے میں ہے۔

- کان ابن عباس رضی اللہ عنہ یقرء البقرہ وھو جنب " کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جنبی حالت میں سورۃ بقرہ تلاوت کیا کرتے تھے۔
- رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہنشاہ روم ہرقل کو دعوت اسلام کا خط لکھا تو بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی پھر قرآن مجید کی تلاوت...... یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ...... الخ (سورۃ آل عمران:64) لکھ کر بھیجی تھی۔ جب کہ وہ کافر تھا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط کو چھوا اور پڑھا بھی۔ جب کہ خط نبوی میں قرآنی آیات بھی تھی۔ (بخاری، کتاب بدءالوحی)

مومن بلا وضو قرآن پڑھ سکتا ہے البتہ باوضو تلاوت افضل ہے

جناب امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جناب عمر رضی اللہ عنہ تلاوت کر رہے تھے پھر آپ کو پیشاب وغیرہ کی حاجت ہوئی، باتھ روم سے واپس آئے پھر بھی تلاوت کر رہے تھے۔ ایک آدمی نے کہا" امیر المومنین! آپ نے وضو نہیں کیا اور آپ تلاوت کر رہے ہیں۔" جناب عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا...... من افتاك بھذا؟ مسلیمہ" تجھے کس نے یہ فتویٰ دیا ہے کیا مسلیمہ کذاب یعنی جھوٹے نبی نے؟" یہ روایت موطا امام مالک میں ہے اس کی سند کے سب راوی ثقات ہیں صرف یہ ہے کہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے براہ راست یہ نہیں سنا۔ مگر اس کی تائید میں جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیند سے بیدار ہوئے اپنے چہرہ مبارک پر ہاتھ پھیرا اور سورۃ آل عمران کی آخری دس (10) آیات تلاوت فرمائیں پھر وضو کیا۔ (بحوالہ حاشیہ شرح السنہ جلد دوم)

- جناب عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا" میں تلاوت قرآن کرتا ہوں تو دوران قرأت میرے پیٹ سے ہوا خارج ہو تو میں کیا کروں؟" فرمایا جب تک ہوا خارج ہوتی رہے تلاوت نہ کر یعنی جب مکمل خارج ہو جائے پھر پڑھتا رہا کر۔"
- قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ" حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی باوضو پڑھو یہ مستحب ہے۔" (شرح السنہ)

❑ جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنبی حالت میں راستے میں سامنا ہوا تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کھسک گئے، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نظر نہ آئے۔ پھر جب آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! کدھر نکل گئے تھے؟ عرض کیا یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے غسل واجب کرنا تھا، بے غسل آپ کا ہم نشین ہونا مجھے پسند نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا...... اِنّ المُومِنَ لَاینجس...... مومن کسی حال میں پلید وناپاک نہیں ہوتا۔"

❑ ایسا واقعہ جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی پیش آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا...... ان المسلم لاینجس...... بے شک مسلمان ناپاک نہیں ہوتا۔"

مقدمہ

اللہ رب العزت نے انسان کو عقل و دانش کی صلاحیت سے نوازا۔ انجیر، زیتون، طور سینا اور امن والے شہر کی قسمیں کھا کر اس کے احسن تقویم ہونے کا اعلان فرمایا۔ انسانی عقل بسا اوقات غلطی کرتی ہے جس کیلئے اللہ نے وحی کے ذریعے اس کی رہنمائی فرمائی، یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دین اسلام کو مکمل اور اپنی نعمت کو پورا کیا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد ربانی ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔

''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کیا اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر پسند فرمایا۔''

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۔

''بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔''

اسلام کے مقابلے میں کوئی اور دین اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

''اور جو اسلام کے علاوہ اور دین تلاش کرتا ہے پس وہ ہرگز اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔''

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اور اصول و قوانین کا مرتب شدہ ڈھانچہ ہے۔ اسلام تمام خوبیوں کے مجموعے کا نام ہے۔ گویا یہ ایک سایہ دار اور پھل دار درخت ہے جس کے سائے تلے تمام دنیا نہایت امن و عافیت سے زندگی بسر کر سکتی ہے۔ انسانی نجات اور فلاح و بہبود کا اگر کوئی مذہب سچا ضامن ہے تو یہی اسلام ہے۔ اخلاق حسنہ، راستبازی،

تہذیب و سیاست کی حقیقی برکات، پاکیزگی وطہارت، نظافت و نفاست اور دیگر بے شمار مناقب ومحاسن کے لحاظ سے دنیا کی کوئی جدید تہذیب اور مذہب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اہل مغرب کے دماغ بظاہر روشن لیکن قلب وضمیر حقیقت میں تاریک ہو چکے ہیں۔ ان کے نزدیک دنیا میں حالات ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں اس لئے انسانی معاشرت کے خاکے بدلتے رہتے ہیں اور بدلتے رہیں گے۔ اس لئے قانون بھی بدلتا رہنا چاہئے۔ یہ خیال سراسر فریب اور خود ان کے لئے دھوکہ ہے۔ کیونکہ شے نہیں بدلتی اس کے رنگ، شکل اور پہلو بدلتے رہتے ہیں جس طرح مادیات کے اصول طبعی کبھی نہیں بدلتے۔ گرم چیز ہمیشہ گرم اور ٹھنڈی چیز ٹھنڈی، آگ برف نہیں بنتی۔ برف آگ نہیں، روشنی تاریکی نہیں، تاریکی روشنی نہیں۔ رات اور دن پے درپے آتے اور جاتے رہتے ہیں گھنٹے، گھڑی، پل اور لمحے دم بہ دم بدل رہے ہیں۔ سال پر سال آتے ہیں۔ نہ پہلی صدی اس میں تغیر پیدا کر سکتی ہے نہ آج پندرہ سو برس بعد اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت ہے۔ سائنسی نظریات وتصورات کی بنیاد چونکہ عقل پر ہے اس لئے یہ بدلتے رہتے ہیں اور بدلتے رہیں گے۔ ایٹم کے بارے میں مختلف نظریات اس کی واضح دلیل ہے۔

دین اسلام کی بنیاد چونکہ وحی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کے اصول وقوانین اور ضابطے خالق و مالک اللہ کے بنائے ہوئے ہیں۔ مخلوق کے بارے میں خالق سے زیادہ اور کوئی بہتر نہیں جانتا۔ اس کی جامعیت، حقانیت اور صداقت مسلمہ، دائمی اور عالمگیر ہے۔ اس کے ہر حکم، ہر عمل اور ہر ضابطے میں بڑی خوبیاں مضمر ہیں اور اس کی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں۔ الحاج مولانا عبداللہ دانش ﷾ جو محتاج تعارف نہیں۔ نیویارک میں دین اسلام کی تبلیغ واشاعت میں مصروف ہیں اور ان کے درجنوں کتابچے مدرسہ رحمانیہ کی جانب سے زیور طباعت سے آراستہ وپیراستہ ہو کر قارئین سے داد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ زیر نظر کتابچے میں مولف نے بچے کو ماں کا دودھ پلانے، ختنہ کروانے اور جانور ذبح کرنے کے اسلامی طریقے میں پائے جانے والے فوائد اور حکمتوں کو واضح کیا ہے۔ امید ہے مدرسہ

تجوید القرآن رحمانیہ کی جانب سے شائع ہونے والا یہ کتابچہ مطالعہ کا ذوق رکھنے والے قارئین کو مفید معلومات سے نوازے گا۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم۔

راقم الحروف

حافظ محمد فاروق (لیکچرار)

مورخہ 7 اپریل 2001ء

خطیب جامع مسجد رحمانیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مغربی طریقے اور اسلامی اصول

ماں کا دودھ:

چند دہائیاں قبل مغرب سے یہ لہر اٹھی تھی کہ ماں کا بچے کو دودھ پلانا ماں کے لئے نقصان دہ ہے۔ اور آج اس کے برخلاف نئی لہر مغرب سے یہ آرہی ہے کہ ماں کا بچے کو اپنا دودھ نہ پلانا ماں اور بچے دونوں کے لئے نقصان دہ ہے۔ یعنی ماں جو بچے کو دودھ نہیں پلائے گی اسے چھاتی کا کینسر (Breast Cancer) وغیرہ ہونے کا امکان ہے، اسی طرح بچے کو ماں کا دودھ ملنے پر پرائے دودھ میں وہ خصوصیات نہیں ہیں کہ جو زود ہضم ہو اور ہر وقت تازہ دودھ مل سکے۔ فطری دودھ شیر خوار کے لئے ماں ہی کا ہوسکتا ہے۔ رات کے سناٹے میں بچہ ماں کے ساتھ سوتا ہے تو بھوک لگنے پر روتا ہے۔ ماں نیند سے اچانک بیدار ہوتی ہے اگر اسے اٹھا کر دودھ فریج سے نکال کر گرم کرنا ہو تو بہت مشقت کی بات ہے۔ اتنی دیر تک بچہ روتا رہے گا۔ اسلام چاہتا ہے کہ ماں فوراً بچے کو اپنا دودھ پلائے۔ اس سے ماں کو زیادہ پریشانی نہیں اٹھانا پڑتی۔ وہ لیٹے ہی لیٹے بچے کو دودھ پلا کر اسے بھی سلا سکتی ہے اور خود بھی سو سکتی ہے۔ بچے کو ماں کا تازہ بہ تازہ، قدرتی اور فطرتی دودھ مل جاتا ہے۔ وہ جلد ہضم ہو جاتا ہے۔ یہ خاصہ صرف ماں کے دودھ میں ہے۔ ماں کے دودھ کے علاوہ جانور کا دودھ بچے کے ہاضمہ پر بھاری ہوتا ہے۔ نہ ہضم ہونے کی صورت میں بچے کو تکلیف ہوتی ہے، پیٹ میں درد اٹھتا ہے، جس کی وجہ سے بچہ روتا ہے اور ماں کو رات بھر سونے نہیں دیتا۔ اس مغربی فیشن کی دلدادہ مسلمان خواتین اپنے جسم کو فٹ رکھنے کے لئے بچوں پر بھی ظلم کرتی ہیں اور اپنے آپ پر بھی۔ اس فیشن کے مارے ہوئے لوگ کفار مکہ سے بھی کم عقل، بلکہ زیادہ احمق ہیں۔ کیونکہ کفار مکہ کو جانوروں کا وافر دودھ میسر تھا۔ کسی کو یہ نہ سوجھا کہ بچوں کو جانوروں کا دودھ پلائیں۔ بلکہ مکہ سے باہر کھلی فضاؤں میں وہ بچوں کو رضاعی ماؤں کے سپرد کرتے تھے جو انہیں انسانی دودھ پلاتی تھیں نہ کہ حیوانی۔ جو ماں اپنی چھاتی سے بچے کو چمٹا کر دودھ پلاتی

ہے وہ اپنے دودھ کے ساتھ بچے کو محبت وشفقت کے جذبات بھی پلاتی ہے اس کا اثر ہوتا ہے کہ بچہ زندگی بھر ماں کا قدردان رہتا ہے۔ جو مائیں بچوں کو باوضو دودھ پلاتی تھیں یہ ان کی اہمیت اور فضیلت کی بات تھی۔ ورنہ شریعت نے کوئی پابندی نہیں لگائی ہر حال میں ماں دودھ پلا سکتی ہے۔ چاہے اسے غسل واجب ہی کیوں نہ کرنا ہو، تب بھی وہ دودھ پلا سکتی ہے۔ باطل پرستوں کی ریسرچ ہر دور میں بدلتی رہے گی۔ مگر اسلام کے سنہری اصول لازوال رہیں گے اور فطرت کے مطابق رہیں گے۔

بچے کا ختنہ کرنا:

مغربی دنیا میں بچے کے ختنہ کو بہت بڑا ظلم قرار دیا جاتا تھا۔ (اور علم وعقل سے عاری بعض لوگ اب بھی اسے ظلم قرار دے رہے ہیں) مگر جدید میڈیکل تحقیق نے ثابت کر دیا ہے کہ مسلمان عورتوں میں رحم کے کینسر اور دیگر جنسی بیماریوں کے نہایت کم ہونے کی بڑی وجہ مسلمان مردوں کا مختون ہونا ہے۔ بھارت کے عظیم نومسلم اسکالر عبداللہ اڈیار نے حضور ﷺ کے بارے میں ہندو مذہب کے ویدوں سے تحریر کیا ہے۔

''ایک دوسرے ملک میں ایک آچار یہ اپنے اصحاب کے ساتھ آئیں گے
ان کا نام محامد ہوگا وہ صحرا کے علاقہ میں آئیں گے۔''

(حوالہ بھوشید پران باب:3، اشلوک:3 سوتر 85)

آنے والے کی مزید یہ نشانیاں بیان ہوئی ہیں۔

''وہ مختون ہوں گے۔ ان کی جٹا نہیں ہوگی۔ وہ داڑھی رکھے ہوں گے۔
گوشت کھائیں گے۔ اپنی دعوت کے ماننے والوں کو موسلائی کے نام سے
پکاریں گے۔'' (باب:3، اشلوک:25، سوتر:3)

ان نشانیوں میں دیکھیں حضور ﷺ کے مختون ہونے کی پیش گوئی ہندو مذہب کی کتابوں میں ہے۔ حالانکہ ہندو ختنہ نہیں کرتے۔ ان کے مذہبی لوگ سر پر جٹا (بالوں کا گندھا ہوا گچھا) رکھتے، داڑھی نہیں رکھتے، گوشت نہیں کھاتے، مگر حضور ﷺ کے بارے

میں لکھا ہے کہ نہ ان کے سر پر جٹا ہوگی، بلکہ ڈاڑھی مبارک ہوگی، گوشت کھائیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ماننے والے موسلائی یعنی مسلم کہلائیں گے۔ مسلم کا لفظ قدیم مذہبی کتابوں میں موجود ہے۔ قرآن مجید میں بھی ذکر ہے۔

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا (سورۃ الحج:78)

''اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام ''مسلم'' رکھا تھا اور اس (قرآن) میں بھی۔''

لیکن مسلمانوں کی بدنصیبی دیکھ لیں، انہیں مسلم کہلانا پسند نہیں ہے۔ شیعہ، سنی، وہابی، حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی جیسے خود ساختہ ناموں پر فخر کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگا کر پھر ایک دوسرے کے گلے کاٹتے ہیں۔ خیر ضمناً یہ بات آ گئی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فطرت کی پانچ (5) چیزیں ہیں:

1. ختنہ کرنا
2. زیر ناف بال کاٹنا
3. بغلوں کے بال صاف کرنا
4. مونچھیں کاٹنا
5. ناخن تراشنا (متفق علیہ)

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ چار (4) چیزیں سنت کے درجے میں اور ختنہ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر علماء ختنہ کو واجب قرار دیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تو اتنی سختی فرماتے تھے کہ...... اَقْلَفُ (Uncircumcised) غیر مختون کی گواہی مقبول نہیں ہے۔ نہ اس کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے نہ اس کی نماز قبول ہوتی ہے۔

ختنہ کروانا جن محدثین کے نزدیک واجب ہے ان کے یہ نام ہیں:

امام شعبی، ربیعہ، اوزاعی، یحییٰ بن سعید انصاری، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں غیر مختون کی امامت بھی جائز نہیں ہے۔ نہ اس کی گواہی مقبول ہے۔ باقی علماء کے نزدیک ختنہ کروانا سنت ہے، لیکن یہ ایسی سنت ہے جس

کے چھوڑنے سے گناہ ہوگا، اس سنت کا درجہ فرض اور مستحب کے درمیان ہے۔ درمختار میں ہے کہ ختنہ سنت ہے۔ شعائر اسلام سے ہے۔ اگر کسی علاقے کے لوگ اجتماعی طور پر اسے ترک کر دیں تو مسلم حکومت ان سے جنگ کرے۔

(شرح السنۃ ج:12، کتاب اللباس، تحفۃ الودود ابن القیم)

امریکن انسائیکلو پیڈیا نے (CIRCUMCISION) کے تحت اچھی معلومات لکھی ہیں کہ سام بن نوح کی نسل میں ختنہ کی روایت عام ہے۔ اسی طرح قدیم مصر میں یہ روایت موجود تھی حتی کہ بنی اسرائیل کے خروج سے پہلے پائی جاتی ہے۔ عربوں میں بھی پرانی رسم ہے۔ یہودیوں میں بھی یہ رسم موجود ہے۔ یہ کسی خاص قوم سے تعلق نہیں رکھتی۔ ازتکی قوم میں جو کہ میکسیکو میں اسپین کے غلبہ سے پہلے آباد تھی۔ ان میں بھی یہ رسم تھی۔ آسٹریلوی قبائل میں بھی یہ رسم تھی۔ افریقی قبائل میں کالے عیسائیوں میں رسم عام ہے۔

انسائیکلو پیڈیا مزید لکھتا ہے: قران کریم میں ختنہ کا حکم نہیں دیا گیا۔ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام سے لیا گیا ہے۔ اس رسم کو عیسائی لوگ ایک دعوتی پارٹی کی شکل میں یکم جنوری کو منایا کرتے تھے۔ (امریکن انسائیکلو پیڈیا ج:4)

مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ امرتسری نے لکھا ہے: ختنہ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے اور مسلمانوں کو ختنہ کرنے کا حکم ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں آیا ہے:

اختتن ابراهيم بعد ماتي عليه ثمانون سنة (المنتقی)

''یعنی ابراہیم علیہ السلام نے اسی (80) سال کی عمر میں ختنہ کرایا تھا۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص مسلمان ہوا اس کو فرمایا ختنہ کر۔ (فتاویٰ ثنائیہ، ج:2)

جو لڑکا قدرتی طور پر مختون پیدا ہو، اس کے ختنہ کی ضرورت نہیں ہے۔

(حوالہ مذکورہ)

جانور ذبح کرنے کا طریقہ:

اسلامی ذبیحہ کے بارے میں بھی مغربی پراپیگنڈا جاری ہے کہ جانوروں کو ذبح کرنے کا یہ نہایت ظالمانہ طریقہ ہے۔ حال ہی میں جرمنی کی ہینوور (HANOVER) یونیورسٹی کے پروفیسر شیلٹز (SCHULTZ) اور ان کے ہم منصب (COLLEAGUE) ڈاکٹر ہیزم نے یہ دیکھنے کے لئے کہ ذبح کرنے کا اسلامی طریقہ زیادہ تکلیف دہ ہے یا مغربی؟ ایک تجربہ کیا ہے۔ ELECTRO ENCEPHALO GRAPH) دماغ میں برقی تبدیلیاں معلوم کرنے کا آلہ، جسے مخفف (EEG) کہتے ہیں۔ اور دوسرا (ELECTRO CARDIO GRAPH) برقی تبدیلیاں معلوم کرنے کا آلہ جسے مخفف (ECG) کہتے ہیں دونوں آلے استعمال کیے۔ تجربے کے بعد انہوں نے بتایا کہ ذبح کرنے کا اسلامی طریقہ ملائم شفیقانہ اور شائستہ ہے جبکہ مغربی طریقہ سے جانور کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔

تجربہ کی تفصیلات:

1. سرجری کے ذریعے زیرِ تجربہ تمام جانوروں کی کھوپڑیوں میں ایسی مختلف جگہوں پر کئی الیکٹروڈز لگائے گئے تھے۔ جہاں وہ دماغ کی اوپری سطح کے ساتھ مس کرتے تھے۔
2. جانوروں کو کئی ہفتوں تک مکمل روبہ صحت ہونے دیا گیا۔
3. کچھ جانوروں کو اسلامی طریقہ یعنی تیز چھری کے ساتھ ان کی گردن یعنی گلے کے دونوں اطراف سے خون کی دونوں بڑی رگیں، سانس اور خوراک کی نالیاں کاٹ کر ذبح کیا گیا۔
4. کچھ کو مغربی طریقے سے ذبح کیا گیا یعنی باندھ کر پستول کی گولی مار کر بے ہوش کیا گیا۔
5. تجربے کے دوران میں زیرِ تجربہ تمام جانوروں کے (EEG) اور

(ECG) ریکارڈ کیے گئے۔ تاکہ ذبح کرنے کے عمل کے دوران دماغ اور دل میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کو دیکھا جا سکے۔

نتیجہ اسلامی طریقہ:

1. ذبح کرنے سے پہلے جو (EEG) کا گراف لیا گیا تھا، ذبح کرنے کے عمل کے دوران میں اس میں پہلے تین سیکنڈوں میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ اس کا مطلب تھا کہ گلا کاٹنے کے دوران اور اس کے فوراً بعد جانور نے کسی قسم کا کوئی درد محسوس نہیں کیا۔
2. اگلے تین سیکنڈوں میں (EEG) نے گہری نیند کی حالت کو ریکارڈ کیا یعنی بے خبری اور بے ہوشی کی حالت۔ یہ حالت جسم سے بہت زیادہ خون نکل جانے کے باعث ہوئی۔
3. مذکورہ بالا چھ (6) سیکنڈ کے بعد (EEG) نے زیرو لیول (Zero Level) ریکارڈ کیا جو اس حقیقت کا مظہر تھا کہ درد کا کوئی احساس موجود نہیں۔
4. دماغی پیغام (EEG) کے زیرو سطح پر آنے کے بعد بھی دل بدستور دھڑک رہا تھا اور جسم پر طاقتور کپکپی طاری تھی۔ ریڑھ کی ہڈی کے مغز (Spinal Cord) کے غیر ارادی عمل کے باعث جسم سے زیادہ خون بہہ رہا تھا۔ اس کے نتیجے میں صحت مند گوشت تیار ہو رہا تھا۔

نتیجہ مغربی طریقہ:

C.B.P (CAPTIVE BOLT PISTOL)

1. بظاہر STUNNING کے بعد فوراً بے ہوش ہو گیا۔
2. STUNNING کے فوری بعد (EEG) نے سخت درد کو ظاہر کیا۔
3. مغربی طریقے سے ذبح کیے گئے جانوروں کے دل کی دھڑکن جلد بند ہو گئی جس سے گوشت میں کافی خون باقی رہ گیا اس کے نتیجے میں صارف کو غیر صحت مند گوشت ملا۔ (بشکریہ ''الاعتصام'' و بیدار ڈائجسٹ 9 فروری 2001ء)

اسلام میں خون حرام ہے:

اللہ فرماتا ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ۔ (سورۃ المائدہ:3)

''تم پر حرام کیا گیا مردار، خون، سؤر کا گوشت، وہ جانور جو اللہ کے سوا کسی نام پر ذبح کیا گیا ہو، وہ جو گلا گھٹ کر یا چوٹ کھا کر یا بلندی سے گر کر یا ٹکر کھا کر مرا ہو یا کسی درندے نے پھاڑا ہو۔ سوائے اس کے جسے تم نے زندہ پا کر ذبح کر لیا۔''

تفسیر:

سید مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں جو جانور مذکورہ بالا حوادث میں سے کسی حادثے کا شکار ہو جانے کے بعد مرا نہ ہو بلکہ کچھ آثارِ زندگی اس میں پائے جاتے ہوں، اس کو اگر ذبح کر لیا جائے تو اسے کھایا جا سکتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حلال جانور کا گوشت صرف ذبح کرنے سے حلال ہوتا ہے، کوئی دوسرا طریقہ اس کو ہلاک کرنے کا صحیح نہیں ہے۔ ''ذبح'' اور ''ذکاۃ'' اسلام کے اصطلاحی لفظ ہیں۔ ان سے مراد حلق کا اتنا حصہ کاٹ دینا ہے جس سے جسم کا خون اچھی طرح خارج ہو جائے۔ جھٹکا کرنے یا گلا گھونٹنے یا کسی اور تدبیر سے جانور کو ہلاک کرنے کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ خون کا بیشتر حصہ جسم کے اندر ہی رک جاتا ہے اور وہ جگہ جگہ جم کر گوشت کے ساتھ چمٹ جاتا ہے۔ برعکس اس کے ذبح کرنے کی صورت میں دماغ کے ساتھ جسم کا تعلق دیر تک باقی رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے رگ رگ کا خون نچڑ کر باہر آ جاتا ہے اور اس طرح پورے جسم کا خون نکلنے سے گوشت صاف ستھرا ہو جاتا ہے۔

خون حرام کیوں ہے؟

مسلمان کو یہ سوال زیب نہیں دیتا، کیوں کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد اتنا ہی مومن کے لئے کافی ہے کہ حکم خدا یا حکم مصطفیٰ ہے۔ یہی ایمان کا تقاضا ہے اور

بس۔ البتہ سائنس اور فلسفہ کے مارے ہوئے غیر مسلموں کو سمجھانے کے لئے عقلی دلائل درکار ہوتے ہیں۔ لہٰذا جواب یہ ہے کہ:

ہر جاندار کا نظام ہضم اور معدہ اللہ نے مختلف بنایا ہے۔ مثلاً مرغی کا معدہ اتنا طاقتور ہے کہ پتھر ہضم کر جاتی ہے۔ جبکہ انسان میں بغیر پتھر کھائے بعض دفعہ گردہ اور پتہ میں پتھری بن جاتی ہے تو وبال جان بن جاتی ہے۔ اسی طرح خونخوار درندے جانداروں کا خون چاٹتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کا معدہ خون ہضم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مگر انسان کے معدہ کو اللہ نے خون ہضم کرنے والا نہیں بنایا۔ خالق کو اپنی مخلوق کا زیادہ پتہ ہے کہ اس نے انسانی معدہ کو جب خون ہضم کرنے والا نہیں بنایا۔ تبھی اس نے انسان کی ہمدردی اور بھلائی کے لئے خون اس پر حرام کر دیا۔ خون نرا بیماریوں (DISEASES) کا گھر ہے۔ اس لئے اس سے بچنے کا حکم ہوا ہے۔ جن لوگوں کے پاس درست الہامی تعلیمات نہیں ہوتی ہیں وہ بھٹکے رہتے ہیں اپنے تجربے کرتے رہتے ہیں اور تجربات کے اصول بدلتے رہتے ہیں مگر خدائی تعلیم رکھنے والا بھٹکنے سے محفوظ رہتا ہے اسے کامل رہنمائی کامل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے سے مل جاتی ہے۔ جن کا اللہ نہ ہو جنہیں آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نصیب نہ ہو وہ سائنس کی لیبارٹریوں میں تجربے کرتے رہیں اور پھر انہیں بدلتے رہیں۔ انہیں قرار کہاں سے آئے گا؟

❁❁❁

شیطان کے حربے

دل کی مثال ایک مضبوط قلعے کی سی ہے۔ انسان کا دشمن شیطان اس گھات میں رہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح وہ اس قلعے میں داخل ہو جائے اور اس پر قبضہ کر لے۔ قلعے کے دروازے ہیں، اس کے اندر جانے کے راستے ہیں۔ کہیں سے قلعے کی دیوار ٹوٹی ہوتی ہے لہٰذا قلعے کی نگرانی نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کے دروازوں، راستوں اور شگافوں کا علم نہ ہو۔ شیطان کے حملوں سے اپنے دل کی حفاظت کرنا ہر باشعور پر لازم ہے۔ یہ تبھی ممکن ہے جب قلعے کے اندر جانے والے راستوں کا علم ہو۔ وہ راستے کون کون سے ہیں؟ ان کا تذکرہ ذیل میں کیا جا رہا ہے۔ یہی وہ حربے ہیں جن سے شیطان انسان کو گمراہ کرتا ہے۔

1 غصہ

ایک راستہ غصہ ہے جو عقل پر پردہ ڈال دیتا ہے، جب یہ عقل کو کمزور اور بے بس کر دیتا ہے تو شیطان کا لشکر دل کے قلعے پر دھاوا بول دیتا ہے۔ جب کوئی غصے میں آتا ہے تو شیطان کا کھلونا بن جاتا ہے۔ پھر شیطان اس سے یوں کھیلتا ہے جیسے بچہ فٹ بال سے کھیلتا ہے۔ ادھر سے ٹھوکر ماری ادھر لڑھک گیا، ادھر سے ٹھوکر لگائی تو ادھر لڑھک آیا۔ کسی نے شیطان سے پوچھا تو کیسے انسان کو قابو کر لیتا ہے؟ اس نے بتایا جب آدمی غصے اور نفسانی خواہش میں مبتلا ہوتا ہے تو میں آسانی سے اس کو قابو کر لیتا ہوں۔

2 حسد اور حرص

ایک راستہ حسد اور لالچ ہے۔ جب آدمی کسی چیز کا حریص ہوگا تو اس کے حصول کے لئے اندھا اور بہرہ ہو جائے گا۔ اندھے اور بہرے ہونے پر شیطان کو موقع مل جاتا ہے، وہ لالچی آدمی کی خواہش کو اس کے لئے بہت مزین کر دیتا ہے، اگرچہ وہ مطلوب چیز بے حیائی یا برائی ہو۔

روایت ہے کہ جب نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تو اللہ کے حکم سے ہر جان دار کا ایک ایک جوڑا کشتی میں بٹھا لیا۔ پھر کشتی میں سوار ایک بوڑھے کو دیکھا تو اسے پہچان نہ سکے۔ پوچھا تجھے کس نے کشتی پر سوار کیا ہے؟ کہا میں سوار ہوا ہوں تاکہ آپ کے ساتھیوں

کے دلوں تک پہنچوں۔ یوں ان کے دل میرے ساتھ ہوں گے اور ان کے بدن آپ کے ساتھ ہوں گے۔ نوح علیہ السلام نے فرمایا اے دشمن خدا! یہاں سے نکل جا تو ملعون ہے۔ ابلیس نے کہا پانچ (5) چیزوں سے لوگ برباد ہوئے ہیں۔ ان میں سے تین (3) چیزیں بتا دیتا ہوں اور دو (2) نہیں بتاؤں گا۔ اللہ نے نوح علیہ السلام کو وحی سے پیغام دیا کہ تین (3) چیزوں کی ضرورت نہیں ہے، اسے کہیں کہ صرف دو (2) چیزیں بتا دے۔ شیطان نے بتایا کہ دو (2) چیزیں ہلاک کرنے والی یہ ہیں۔ ایک حسد اور دوسری حرص۔ حسد کرنے کی وجہ سے میں لعنتی قرار پایا اور مردود ہوا۔ آدم علیہ السلام کو جنت ساری حلال کر دی گئی سوائے ایک درخت کے، لیکن اس ایک درخت کی حرص میں آ کر وہ مجرم ہوئے اور جنت سے نکالے گئے۔

3 شکم پری

ایک راستہ شکم پری ہے۔ کھانا اگرچہ حلال اور پاکیزہ ہو پھر بھی پیٹ بھر کر کھانا شہوتوں کو ابھارتا ہے۔ یہ شیطان کے ہتھیاروں میں سے ایک ہتھیار ہے۔ روایت ہے کہ ابلیس ایک بار یحییٰ علیہ السلام سے ملا۔ ابلیس نے اپنے اوپر طرح طرح کے کنڈے (کانٹے) لاد رکھے تھے۔ یحییٰ علیہ السلام نے پوچھا۔ یہ کیا اٹھائے پھر رہے ہو؟ کہا یہ نفسانی خواہشات کی کنڈیاں ہیں۔ ان کے ذریعے سے میں انسانوں کو پھانستا ہوں۔ یحییٰ علیہ السلام نے پوچھا، کیا میرے لئے بھی کوئی چیز رکھتے ہو؟ کہا جب آپ بھی پیٹ بھر کر کھائیں گے میں آپ کو نماز اور یادالٰہی سے سست اور غافل کر دوں گا۔ یحییٰ علیہ السلام نے پوچھا مزید کیا ہے؟ کہا بس یہی ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ خدا کی قسم! میں کبھی بھی پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاؤں گا۔ ابلیس نے کہا بخدا میں آئندہ کسی مسلمان کو کبھی نصیحت کی بات نہ بتاؤں گا۔

4 دنیا کی زیب وزینت

شیطان کا چوتھا حربہ یہ ہے کہ دنیاوی چیزوں، کپڑوں اور رہائش گاہوں کی محبت ہو جائے۔ جب شیطان دیکھتا ہے کہ انسان کا دل ان چیزوں میں ڈوب گیا ہے تو وہ دل شیطان کا مستقل آشیانہ بن جاتا ہے۔ وہ ہمیشہ انسان کو دعوت دیتا رہتا ہے کہ اعلیٰ کوٹھی اور بنگلہ بنائے، اس کی چھت نہایت خوبصورت ہو دیواروں پر رنگ وروغن اور قیمتی پردے ہوں،

بنیادیں بہت مضبوط ہوں، فرش مرمریں ہو، کبھی دل پکارتا ہے کہ لباس بے مثال ہو، سواریاں لاجواب ہوں اور لمبی عمر کی امیدیں بڑھاتا ہے، جب انسان ان چیزوں میں مگن ہو جاتا ہے تو شیطان بے فکر ہو جاتا ہے۔ اسے دوبارہ اس آدمی کے پاس آکر بہکانے اور گمراہ کرنے کی تکلیف نہیں کرنا پڑتی۔ کیونکہ مذکورہ چیزیں آدمی کو خود بخود نکیل ڈال کر ادھر ادھر کھینچتی رہتی ہیں۔ وہ ساری زندگی انہی میں الجھا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کی موت کا وقت آ جاتا ہے۔ یہ موت اسے راہِ خدا میں نہیں آتی بلکہ شیطان اور خواہش نفسانی کی راہ میں آتی ہے۔

5 لوگوں سے امیدیں باندھنا

یہ شیطان کا دل کے قلعے تک پہنچنے کا پانچواں حربہ ہے۔ صفوان بن سلیم کا بیان ہے کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ابلیس انسانی شکل میں آیا اور کہا: اے ابن حنظلہ رضی اللہ عنہ! میں آپ کو پتے کی بات بتاتا ہوں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ابلیس نے کہا سنو تو سہی، بات اچھی ہو تو قبول کر لینا اور اگر بری ہو تو رد کر دینا۔ پھر کہا اے ابن حنظلہ رضی اللہ عنہ! اللہ کے سوا کسی سے کبھی سوال نہ کرنا۔ ذرا اپنا حال دیکھیں، جب آپ غصے میں ہوں یا حالت غضب میں ہوں تو میرا آپ پر قبضہ ہوتا ہے۔ یعنی غیر اللہ سے امید رکھنا اور سوال کرنا بھی نقصان وہ ہے کہ شیطان دل کے دروازے پر نقب لگاتا ہے۔

6 جلد بازی

ثابت قدمی اور متانت ترک کرنا بھی شیطان کی راہ ہموار کرتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "جلد بازی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔" (ترمذی)

عجلت کے وقت شیطان ایسی جگہ سے انسان میں شر ڈالتا ہے کہ اسے خبر تک نہیں ہوتی۔ مروی ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت مبارک ہوئی تو ابلیس کے چیلے شیاطین اس کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آج صبح تمام بت جن کی پرستش ہوتی تھی۔ منہ کے بل زمین پر گر گئے ہیں۔ ابلیس نے کہا کوئی حادثہ پیش آیا ہے؟ ٹھہرو میں معلوم کرتا ہوں روئے زمین پر گھوم گیا، کچھ خبر نہ ملی۔ بالآخر معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہو چکے ہیں اور فرشتے انہیں گھیرے

ہوئے ہیں۔ واپس آ کر ابلیس نے چیلوں کو بتایا کہ کل رات ایسا نبی پیدا ہوا ہے جیسا کسی ماں نے جنم نہیں دیا۔ آج کے بعد بتوں کی پرستش کی امید ختم ہو گئی۔ بس گمراہ کرنے کا ایک ہی راستہ رہ گیا ہے کہ انسانوں کے دلوں میں جلد بازی پیدا کر دو۔ جلد بازی میں راہِ حق پر چلتے ہوئے بھی ٹھوکر کھا جائیں گے اور کہیں دور جا گریں گے۔

7 مال و دولت:

ہر قسم کا مال و اسباب، سواریاں، زمینیں اور جائیدادیں جو بنیادی ضرورت سے زائد ہوں وہ سب شیطان کے آشیانے ہیں۔ ثابت البنانی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا تو ابلیس نے اپنے چیلوں سے کہا کوئی حادثہ رونما ہو گیا ہے، دیکھو کیا ہوا ہے۔ سب چیلوں نے بہت جستجو کی مگر تھک ہار کر واپس آ کر کہنے لگے ہمیں معلوم نہیں ہو سکا، کیا حادثہ پیش آیا ہے۔ ابلیس خود نکل کھڑا ہوتا ہے واپس آ کر بتاتا ہے کہ اللہ نے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی طرف بھیج دیا ہے۔ پھر شیطان نے اپنے کارندے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف بھیجنا شروع کیے مگر وہ چیلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر قطعاً اثر انداز نہ ہوتے، ناکام لوٹ آتے اور کہتے، ایسے مضبوط کردار کے لوگوں سے کبھی پہلے واسطہ نہیں پڑا۔ آخر کار ابلیس نے چیلوں سے کہا کچھ عرصہ انتظار کرنا پڑے گا۔ جب اللہ انہیں دنیا پر فتح دے گا اور دنیا ان کے قدموں میں آ گرے گی پھر ہم ان پر اپنا وار کر سکیں گے۔ علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تھے۔ اچانک مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ آئے۔ ان کے بدن پر لباس بوسیدہ تھا جسے چمڑے کے پیوند لگے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں کیونکہ مصعب رضی اللہ عنہ شہر مکہ میں اسلام لانے سے پہلے ایک شاہانہ زندگی گزار رہے تھے۔ یہ وہ نوجوان تھا جسے دنیا کی ہر نعمت میسر تھی۔ دن میں کئی بار اعلیٰ سے اعلیٰ پوشاکیں بدلتا تھا۔ آج پھٹے پرانے لباس میں دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پُرنم ہوئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل تمہارا کیا حال ہو گا جب تمہیں صبح و شام نفیس لباس میسر آئیں گے، طرح طرح کے کھانے تمہارے دسترخوان پر سجائے جائیں گے، تم اپنے گھروں میں دیواروں

پر یوں پردے لٹکاؤ گے جیسے کعبہ شریف کو غلاف پہنایا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں ہم آج کی نسبت اچھی حالت میں ہوں گے فارغ البال ہو کر خوب عبادتیں کیا کریں گے۔ معاشی بے فکری ہوگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، نہیں! تمہارا آج کا زمانہ اس زمانے سے بہتر ہے۔ (ترمذی)

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بہت ملک فتح ہوئے۔ جلولاء کا مال غنیمت مدینہ پہنچا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم! اس مال غنیمت کو کوئی حفاظتی چھت نصیب نہیں ہوسکتی جب تک اسے حق داروں میں تقسیم نہ کر دیا جائے۔ رات بھر کھلے آسمان کے نیچے یہ مال پڑا رہا۔ صحن مسجد میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ شب بھر اس کا پہرہ دیتے رہے۔ اگلی صبح عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آ کر اس مال سے پردہ اٹھایا۔ مال کیا تھا، یاقوت و جواہرات، زمرد اور نہایت قیمتی موتی، ایک ڈھیر لگا ہوا تھا، روئے زمین کے شہنشاہوں اور شہزادیوں کے زیورات کا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ دیکھ کر رونے لگے۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں، اے امیر المومنین! بخدا یہ تو شکر کرنے کا موقع ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے یونہی رونا نہیں آیا بلکہ میں جانتا ہوں جب اللہ کسی قوم کو دنیاوی خزانوں سے مالا مال کر دیتا ہے تو اس قوم میں باہمی حسد و بغض پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے آپس میں ہی خانہ جنگی شروع ہو جاتی ہے۔ ان خزانوں سے نفاق بڑھتا ہے اور قومیں بالآخر برباد ہو جاتی ہیں۔ (بحوالہ المنتظم، لابن الجوزی جلد: 4)

8 بخل اور کنگال ہونے کا خدشہ

کنجوسی بھی شیطان کے چور دروازوں میں سے ایک ہے، جو دل کے قلعے کو برباد کر دیتی ہے۔ بخل آدمی کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے روکتا ہے۔ یہ جذبہ کہتا ہے کہ دین حق کی سربلندی میں خرچ کرنا اور حقوق العباد کی خاطر جیب سے رقم نکالنا گھاٹے کا سودا ہے، غریب و مفلس ہو جاؤ گے۔ بلکہ بخل آدمی کو ہمیشہ یہی دعوت دیتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ذخیرہ کر لو، خزانے بھر لو اگرچہ اس جرم میں الناک عذاب کیوں نہ سہنا پڑے۔ بخیل کا دل منڈیوں اور بازاروں میں اٹک کر رہ جاتا ہے۔ اسے انہی مقامات میں سکون ملتا ہے۔

وہ خانہ خدا سے بیزار رہتا ہے۔ مسجد میں ذکر الٰہی میں اس کا دل نہیں لگتا۔ حالانکہ حضور ﷺ نے فرمایا "خدا کے پسندیدہ علاقے صرف مسجدیں ہیں اور خدا کے ناپسندیدہ ترین علاقے منڈیاں اور بازار ہیں۔ (مسلم)

دراصل یہ شیطان کے ٹھکانے ہیں جہاں جھوٹ، بددیانتی، فریب سب چلتا ہے۔

ایک آدمی نے اپنے بیٹے کو کاروبار کرانا چاہا تو حضور ﷺ سے مشورہ لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے گندم فروش نہ بنانا جو گندم خرید کر ذخیرہ اندوزی کرے، نہ اسے قصاب بنانا اور نہ اسے کفن فروش بنانا۔ یعنی جس نے چالیس (40) روز تک گندم خرید کر ذخیرہ اندوزی کی جب کہ مخلوق خدا آٹے کو ترس رہی ہو تو اس ذخیرہ اندوز کا گناہ اتنا بڑا ہے کہ شرابی اور زانی سے بڑھ کر مجرم ہے۔ قصاب کا پیشہ اس لئے ناپسندیدہ ہے کہ جانور ذبح کرتے کرتے دل سے رحم کا جذبہ نکل جاتا ہے، دل پتھر ہو جاتا ہے۔ کفن فروشی اس لئے ناپسندیدہ ہے کہ کفن بیچنے والا میری امت کی موت کا آرزومند رہے گا کہ جلد از جلد اموات واقع ہوں تا کہ اس کے کفن کا کپڑا زیادہ بک سکے۔ مجھے تو اپنی امت کا ایک ایک بچہ عزیز اور پیارا ہے۔ (تنبیہ الغافلین)

وہب بن منبہ نے ذکر کیا کہ ایک بار سلیمان علیہ السلام سے ابلیس لعین ایک بزرگ کی شکل میں ملا۔ سلیمان علیہ السلام نے ابلیس سے پوچھا، تو عیسیٰ علیہ السلام کی امت کو کیسے گمراہ کرے گا؟ اس نے کہا میں انہیں اللہ کے علاوہ مزید دو خداؤں کی طرف دعوت دوں گا۔ پھر سلیمان علیہ السلام نے پوچھا تو امت محمدیہ ﷺ کو کیسے گمراہ کرے گا؟ اس نے بتایا میں انہیں روپے پیسے کی طرف دعوت دوں گا۔ پھر یہ دولت دنیا انہیں کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سے بھی زیادہ پیاری ہو جائے گی۔ (تنبیہ الغافلین)

حضور ﷺ نے فرمایا بطحائے مکہ کے پہاڑ میرے لئے سونے چاندی کے طور پر پیش کیے گئے مگر میں نے اللہ سے دعا کی:

يَارَبِّ اَشْبَعُ يَوْمًا وَاَجُوْعُ يَوْمًا فَاَحْمَدُكَ اِذَ شَبِعْتُ وَاَضْرَعُ اِلَيْكَ اِذَا جُعْتُ۔

''اے میرے پروردگار! مجھے ایک دن بھوکا رکھ اور ایک دن کھانا دے تاکہ جب میں کھاؤں تو تیرا شکر کروں اور جب بھوک لگی ہو تو تجھ سے گڑگڑا کر مانگوں۔ (تنبیہ الغافلین)

9 مذہبی تعصب

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شیطان کے لئے دل کے مضبوط قلعے تک پہنچنے کے لئے چور دروازہ مذہبی تعصب بھی ہے، یعنی اپنے مسلک کے علاوہ دوسرے مسالک کے لوگوں کے لئے دل میں نفرت رکھنا۔ ہر وقت کینہ میں گھلتے رہنا۔ جھگڑے کی راہ تلاش کرتے پھرنا۔ دوسروں کو نظر حقارت سے دیکھنا۔ یہ مذہبی تعصب صرف گنہگاروں کو برباد نہیں کرتا بلکہ بڑے بڑے عبادت گزاروں کی عبادتوں کو بھی برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابلیس نے طرح طرح کے گناہوں میں امت محمدیہ کو ملوث کیا پھر بھی ملعون کہتا ہے کہ اس امت کے لوگوں نے میری کمر توڑ ڈالی ہے۔ جب یہ گناہ کرتے ہیں تو فوراً استغفار کرتے ہیں اور اللہ سے گناہوں کی بخشش طلب کرتے ہیں۔ بالآخر شیطان نے مذہبی ہوائے نفس پیدا کر دی۔ مذہب کے نام پر گناہ ایجاد کر ڈالا۔ جس چیز کو آدمی مذہب سمجھ بیٹھے گا اس سے توبہ کیسے کرے گا؟ بلکہ الٹا اسے ثواب تصور کر کے انہماک اور دھڑلے سے کرے گا۔ اس لئے اس گناہ پر اسے نہ ندامت ہوگی نہ توبہ کرے گا بلکہ بے فکری سے اس دلدل میں دھنستا چلا جائے گا۔ ایک نہ ایک دن وہ مذہبی منافرت دنیا میں اہل اسلام کو خانہ جنگی کے جہنم میں جھونک دے گی اور دنیا و آخرت کا خسارہ اس کا ثمرہ ہوگا۔

بقول اقبال

شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو

❀❀❀

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائی کلمات

محترم قارئین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، میرے اس سلام کے حوالے سے آپ نے جواباً وعلیکم السلام کہہ کر دعا دی، اللہ خوش رکھے۔ یہ ہے اسلام کا نور۔ ایک وہ بھی ہیں کہ ملے تو ہائے (Hi) جواب میں بھی ہائے (Hi) یا لڑکا ہو تو لڑکی کو اور لڑکی ہو تو لڑکے کو I love you یہ امریکہ ہے، لیکن بس ہوس ناک نظریں، جنس زدہ لوگ، ڈالر کی چکا چوند، اخلاقی قدریں پامال جس کی تمنا الا ماشاء اللہ ہر پاکستانی کرتا ہے، حالانکہ

"امریکہ اے تیری کونسی کل سیدھی والی بات ہے۔"

یہ باتیں پاکستانی مسلم سکالر جناب عبداللہ دانش ﷾ جو آج کل امریکہ میں ہیں، کر رہے تھے، مولانا ماموں کانجن کے جامعہ تعلیم الاسلام سے فراغت کے بعد سکول میں تدریس کے فرائض انجام دے کر منصورہ میں بھی رہے۔ فوج میں خطابت کے فرائض انجام دیتے دیتے امریکہ جا پہنچے، ان کے مختلف قرآنی دروس کیسٹوں کے ذریعے یورپ میں بھی اللہ کے فضل سے مقبول ہو رہے ہیں۔ آپ بونی فے یو ایس اے (Bonifay U.S.A) کی مسجد الدعوۃ میں خطابت کے فرائض آج کل اصلاح امت کے لئے انجام دے رہے ہیں۔ کہ ہمارے دوست حاجی عبداللہ کہنے لگے کہ لگتا تھا کہ جیسے دل پھیل کر لمبا ہو گیا ہے سورۃ یٰسین، جسے رسول ﷺ نے قرآن کا دل فرمایا ہے، کی باقاعدہ سمجھ کر تلاوت کر کے سنت رسول ﷺ کے مطابق اپنے اوپر دم کرتا رہا اور اللہ سے صحت مانگتا رہا، اب الحمدللہ دل نارمل حالت میں ہے۔

آج جس کو دیکھو پیسے کے پیار اور ڈالروں کی دوڑ میں نیز عورتوں کے حصول کے لئے جھوٹ اور فریب کاری کا مطمع اوڑھے فکر آخرت کو فراموش کر بیٹھا ہے۔ اکثر لوگ انجائنا، ہارٹ اٹیک، بلڈ پریشر، پلپی ٹیشن، سٹرین اور ڈیپریشن کا ذکر یوں کرتے ہیں جیسے نزلہ زکام ہو، بعض تو چنگے بھلے بیٹھے بیٹھے اچانک حرکت قلب بند ہوتے ہی اللہ کو پیارے ہوتے ہیں۔

نیک لوگ بھی محدود ذرائع روزگار کی وجہ سے حلال روزی میں پوری نہ پڑنے سے اعصابی کھچاؤ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ بے چارے نماز پڑھتے ہیں، تو یکسوئی حاصل نہیں ہوتی۔ وجہ علم سے بے بہرہ ہونا ہے۔

خزانوں والوں کی اکثریت کا حال بقول حفیظ جالندھری یہ ہے۔

مال خزانہ پاس ہے تیرے لیکن اطمینان نہیں
اطمینان کہاں سے آئے جب دل میں ایمان نہیں

قرآن میں رب کائنات نے بتایا ہے کہ

آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں: اس کی وجہ بھی اللہ نے سمجھا دی ہے کہ

ابلیس اور اس کے چیلے چانٹے شیطان اور انسان لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں اور مکاری سے کام لیتے ہیں (سورۃ الناس)

شیطان ہے دل جو نور ایمان نہ رہے — دشمن ہے زبان، جو وردِ قرآن نہ رہے
کہتی ہے یہ ہسٹری با آواز بلند — تم کچھ نہ رہے اگر مسلمان نہ رہے

اے انسانو! یقیناً تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس موعظت ونصیحت آ پہنچی اور سینوں کی شفاء ہدایت اور رحمت مومنوں کے لئے، فرما دیجئے کہ یہ اللہ کے فضل قرآن اور اللہ کی رحمت اسلام سے ہے، پس انہیں انتہائی خوش ہونا چاہئے کہ یہ اس سب سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔ (یونس 57-58) آپ کی ایک طویل دعا کی ابتدا میں اللہ سے یہ التجا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا۔

"اے اللہ میرے قلب میں نور پیدا کر" سابق بربری نے خوب کہا

اَلْعِلْمُ فِیْهِ حَیَاتٌ لِلْقُلُوْبِ ۔ کَمَا تَحْیَا الْبِلَادُ اِذَا مَسَّهَا الْمَطَرُ

دلوں کے لئے علم میں اسی طرح زندگی ہے، جس طرح مینہ برسنے سے زمین زندہ ہو جاتی ہے۔

وَالْعِلْمُ يَجْلُوْ الْعَمٰى عَنْ قَلْبِ صَاحِبِهٖ
كَمَا يَجْلِي سَوَادَ الظُّلْمَةِ الْقَمَرُ

اور علم دل کے اندھے پن کو اس طرح زائل کر دیتا ہے جس طرح چاند ظلمت کی سیاہیوں کو زائل کر دیتا ہے۔

قبیلہ بنی جرش کی ایک عورت نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی وساطت سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دل کی تسکین اور اطمینان کے لئے دعا کی درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مریضہ کو فرمایا اپنا داہنا ہاتھ دل پر رکھ اور اس کو دل پر ملتی رہ اور ساتھ ہی یہ دعا بھی پڑھتی رہ۔

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ دَاوِنِي بِدَوَائِكَ ، وَاشْفِنِي بِشِفَائِكَ وَأَغْنِنِي بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ وَاحْذُرْ عَنِّي أَذَاكَ ۔

مریضہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کو بڑا ہی تسکین قلب میں نافع پایا۔ ابو سعید رضی اللہ عنہ کے مطابق ایک شخص نے امراض سینہ کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قرآن پڑھا کر کہ اللہ کا فرمان ہے۔

''قرآن شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ہے۔''

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے وجع حلق یعنی گلا پھول جانے، بند ہو جانے یا سوج جانے کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن پڑھنے اور شہد چاٹنے کا حکم دیا۔ کیونکہ قرآن امراض سینہ کے لئے اکسیر ہے اور شہد ہر بیماری سے شفا ہے۔ قرآن مجید امراض روحانی و جسمانی کے لئے شفا ہے کہ شک و شبہ پیدا کرنے والے باطل عقیدے قرآن کو ایمان سے پڑھ کر سمجھنے اور عمل پیرا ہونے سے دور ہو جاتے ہیں۔

عالم باعمل جناب عبداللہ دانش رحمہ اللہ نے کتاب میں مقدمہ قائم کر کے فیصلہ آپ پر چھوڑ دیا۔ یقیناً آپ کتاب شروع کریں گے تو پڑھے بغیر اللہ کے فضل سے نہیں رہ سکیں گے۔ لیکن اس کے نتائج کا حصول بھی ضروری ہے جو میں نے اخذ کر دیئے ہیں۔

محترم ملک عبدالقیوم نگران مدرسہ رحمانیہ اسلامیہ پارک لاہور نے یہ ذمہ داری

مجھے سونپی کہ نظر ثانی کے علاوہ ابتدائیہ بھی لکھوں۔ لہٰذا اللہ کی توفیق سے بندہ کا بھی اس میں عملاً حصہ شامل ہو گیا ہے۔ لگے ہاتھوں میں بھی امریکہ کا ایک حوالہ پیش کر دوں۔

ماہنامہ حکایت اگست 93ء میں ڈاکٹر نغمہ علی نے ''عوارض دل ذکر الٰہی'' کے عنوان سے ایک بڑا ہی پیارا مضمون حوالہ تحریر کیا تھا۔ جو میں نے کئی احباب کو پیش کیا۔ ایک جھلک ملاحظہ فرمایئے۔

امریکہ کے ہاورڈ میڈیکل سکول کے غیر مسلم معروف ہارٹ سپیشلسٹ ڈاکٹر پروفیسر ہربرٹ بینسن نے بوسٹن میں ڈاکٹروں کی کانفرنس میں انکشاف کر کے سب کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ کہ دل کا کوئی مریض صبح وشام 20 منٹ اللہ کا ذکر کرے، تو افاقہ محسوس کرے گا کیونکہ مسلمان جو ہر روز تلاوت قرآن کرتے ہیں اس سے ذہنی سکون ملتا ہے اعصاب پر دباؤ کم ہو جاتا ہے اور اس سے دل ناگوار اور نقصان دہ بوجھ سے آزاد ہو جاتا ہے۔ جسمانی طور پر دل پر یہ اچھا اثر پڑتا ہے۔ کہ اس کی شریانیں کھلتی ہیں اور دوران خون میں توازن پیدا ہو جاتا ہے، ڈاکٹر ہربرٹ نے یہ بھی کہا دس (10) سالہ تحقیق کے نتیجے میں کہ اللہ کے ذکر سے سر کی گرانی، سر درد اور کینسر کا درد بھی ختم یا بہت حد تک کم ہو جاتا ہے۔ صرف ذکر کرتے وقت توجہ اور یکسوئی کی ضرورت ہے۔ آخر میں یہ بتانا ضروری ہے کہ ذکر الٰہی کے آداب پیش نظر رکھیں۔ روزی حلال کھائیں اور سچ بولیں۔ غیر عورتوں سے تعلقات اور ماں باپ کی نافرمانی سے بچیں، گناہ کبیرہ دین و دنیا تباہ کر دیتے ہیں۔ نماز، تلاوت قرآن باترجمہ، سنت کے مطابق ذکر الٰہی اور صدقہ و خیرات میں باقاعدگی اختیار کریں۔ اللہ مالک ہے، خیر فرمائے گا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ سچ فرمایا اور حق فرمایا

''بے شک ان دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے جیسا کہ لوہے کو پانی لگنے سے زنگ لگ جاتا ہے۔

پوچھا گیا یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی صفائی کی کیا صورت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''موت کو اکثر یاد کرنا اور قرآن پاک کی تلاوت''

مسنون اذکار کے سلسلے میں ملک عبدالقیوم کے مذکورہ بالا پتہ پر پانچ روپے کے ڈاک

ٹکٹ (ڈاک خرچ کے لئے) بھیج کر پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری دعائیں منگوالیں۔

شر کا جواب خیر ہو، کانٹوں کا بدلہ پھول
آقائے دو جہاں نے یہ بخشے ہمیں اصول

بندہ نے اس ہفتہ عشرہ میں علالت کے دوران ہی بفضلہٖ قرآن کا یہ نور دیکھا کہ شفائے کاملہ عاجلہ بھی نصیب ہو رہی ہے اور سکون قلب بھی بڑھ رہا ہے، ملکی مخدوش حالات اور آفات وبلیات جو شامت اعمال کا سبب ہیں کے پیش نظر ماہر القادری رحمۃ اللہ علیہ کی حمد کے ان اشعار پر اپنی تحریر سمیٹتا ہوں۔

پروردگار بھی ہے وہ کار ساز بھی ہے
خلاقِ دوجہاں ہے بندہ نواز بھی ہے

یہ وقت ہے دعا کا ہاں! نام لے خدا کا
آنکھیں بھی شبنمی ہیں دل میں گداز بھی ہے

یہ ذوق و شوقِ طاعت ماہر تمہیں مبارک
یہ بھی خیال رکھنا، وہ بے نیاز بھی ہے

اللہ کریم سے دعا ہے کہ جناب عبداللہ دانش اور مدرسہ رحمانیہ کے طلبہ واساتذہ اور معاونین وناظمین، بندہ سے یہ خدمت دین اخلاص سے قبول فرما کر جان، مال، عزت و آبرو، ایمان، ملک وملتِ اسلامیہ کی سلامتی سے نوازے آمین۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مزمل احسن شیخ
14 اصلاح الدین سٹریٹ
پونچھ روڈ لاہور
54500

دل کی زندگی

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

انسانی جسم کا ویسے تو ہر عضو نہایت قیمتی اور اہم ہے، لیکن دل کا مقام سب اعضائے انسانی میں بہت بلند ہے، شعرأ وادباء نے دل کے نہایت لطیف نقشے کھینچے ہیں۔

لولا الهوى لم ترق دمعا على طلل
ولا ارقت لذكر البان والعلم

نہ دل دیتا نہ ٹیلوں وادیوں میں اسی طرح روتا نہ ذکر گل بدن وگلنار پر یوں مضطرب ہوتا۔ (قصیدہ بردہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ)

آج دلوں کی سرزمین اس قدر بنجر ہوگئی ہے کہ جس میں کوئی روئیدگی، کوئی سبزہ، کوئی مہر ووفا کی کونپل تک نہیں پھوٹتی، ہر فرد اس قدر اپنے دل کے ہاتھوں پریشان حال ہے کہ اس کے دل کی آہوں، سسکیوں کو کوئی دوسرا انسان سننے کی صلاحیت سے محروم ہے۔

داغوں کو اپنے کیوں نہ کرے درد احتیاط
ہر باغباں کرے ہے گلستان کی احتیاط

انسانوں کی اکثریت کو اپنے گھر کے محدود ماحول سے لے کر باہر کے وسیع ماحول تک دلی صدمے وافر میسر ہیں، غم تو ہر جگہ ملتا ہے، نفرت و کدورت کے چرکے قدم قدم پر لگ رہے ہیں۔

طلبت شفائي من عيون مريضة
فكيف شفائي والطبيب عليل

جس سے میں شفاء کا طلبگار رہا، وہ طبیب خود بیمار ہے، تو شفاء کیسے نصیب ہوگی؟

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

بلبل شیراز سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

دوست آن باشد کہ گیرد دستِ دوست
در پریشان حالی و درماندگی

غالب اپنی جگہ مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپ رہے ہیں۔

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

اس طرح اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے:

جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

نعیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ الگ بے مہری پر پریشان ہیں

موحدین کعبہ کی صفیں پھٹی ہوئی
محبتوں کی ڈوریاں سبھی کٹی ہوئی

ایک فارسی شاعر یوں گویا ہے

زباں در ذکر، دل در فکر خانہ
چہ حاصل زیں نمازِ پنجگانہ

کسی نے یوں بھی کہا ہے:

ہر داغ ہے اس دل میں، بجز داغ ندامت

کوئی منچلا شاعر یہ بھی کہتا ہے:

دل کی دنیا میں یوں چراغاں نہ کرو
موم کا شہر ہے پگھل جائے گا

ایک عربی شاعر عزم محبت کا اظہار ایسے بھی کرتا ہے۔

تزول جبال الراسیات و قلبهم
عن الحب لا یخلو و لا یتزلزل

مضبوط پہاڑ اپنی جگہ سے ہل سکتے ہیں، لیکن ان کے دل محبت سے خالی ہوتے ہیں نہ ان میں لرزش آتی ہے۔

مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ اپنے دوست کو یہ شعر لکھ بھیجتے ہیں۔

اے غائب از نظر کہ شدی ہم نشین دل
می بینمت عیان و دعامی فرستمت

اے میری نگاہوں سے غائب! تو میرے دل کا ہم نشین ہو گیا ہے میں تجھے دل کے آئینے میں صاف دیکھ لیتا ہوں تجھے دعاؤں کے تحائف بھیجتا ہوں۔کوئی اپنے عشق کے لاعلاج ہونے پر کہتا ہے۔

تداویت من لیلی بلیلی عن الھوی
کما یتداوی شارب الخمر بالخمر

میں نے لیلیٰ کے عشق سے جان چھڑانے کے لئے لیلیٰ سے علاج کروایا جیسے کوئی شرابی شراب کے مرض سے بچنے کے لئے شراب ہی سے علاج کرتا ہے،تو شفا کیسے ممکن ہوگی؟

سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا ہے:

شنیدم کہ مردانِ راہ خدا
دِل دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام
کہ با دوستانت خلاف است جنگ

❀❀❀

نیویارک ایئرپورٹ پر

راقم جب پہلی بار نیویارک ایئرپورٹ پر اترا، تو اترتے ہی یہ فقرہ نظر آیا I Love America یعنی میں امریکہ سے محبت رکھتا ہوں، رفتہ رفتہ اس کے ماحول کا علم ہوتا گیا۔تو یہ جملہ ہر فرد کی زبان پر عام سنا جاتا ہے۔ I Love you میں آپ سے محبت کرتا ہوں یا کرتی ہوں۔ یہ تو فاعل پر منحصر ہے کہ مونث ہے یا مذکر ہے جتنا Love کا لفظ زبان زد عام ہے اتنا ہی اس Love کی مٹی پلید ہو رہی ہے، اس ظاہری دعوائے محبت کو کہیں قرار نصیب نہیں۔

بہت جلد گرل فرینڈ بوائے فرینڈ کے تعلقات استوار ہوتے ہیں ایک نے دوسرے کو دیکھتے ہی پسند کیا تو کہا Hi جواباً سنا Hi یہ تکیہ کلام ہر ملنے والے کا ہے ایک کہے گا۔ I Love you دوسرا بھی یہی فقرہ دہرائے گا۔ I Love you بس تعلق بنا، جنسی خواہش ایک دوسرے سے پوری کی، یہ تعلق چند لمحات سے لے کر چند دنوں، ہفتوں، مہینوں تک تو قائم رہتا ہے، سالوں تک محیط یہ تعلق کسی خوش قسمت جوڑے کو نصیب ہوتا ہے۔ سالوں تک تو سلسلہ بغیر نکاح کے چلتا ہے، پھر نکاح وطلاق کے سلسلے ہوتے ہیں۔قدم قدم پر پیار اور قدم قدم پر طلاق۔ یہ ہے جناب من امریکہ، جیسے جنگل کے جانور راہ چلتے اپنے جنسی جذبات کو تسکین دے کر گزر جاتے ہیں۔ پھر ٹی وی پر ہر عاشق اپنے معشوق سے بے وفائی کے گلے کرتا ہے، اور رونا روتا ہے۔کوئی وفا نہیں، کہیں محبت میں استحکام نہیں ہے۔

ترے وعدے کو بتِ حیلہ جُو
نہ قیام ہے نہ قرار ہے

مگر ہمارے مشرقی عوام کو مغرب کی اتنی خوبیاں نظر آتی ہیں کہ بن دیکھے ہی امریکہ کے حسین خواب سینوں میں سجائے پھرتے ہیں۔

محترم قارئین! امریکی تہذیب دین وملت کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ ہماری قوم اور وطن پاک کو اس ناپاک تہذیب کی ہوا تک نہ لگے۔

ممکن ہے کہ تو جس کو سمجھتا ہے بہاراں
اوروں کی نگاہوں میں وہ موسم ہو خزاں کا

بطور بندۂ مومن پاکیزہ اور پائیدار محبت کی خوبصورت راہنمائی ہمارے خالق نے اور پیغمبر اسلام نے کی ہے، تھوڑا سا جائزہ اس کا بھی لیں کیونکہ ہمارے لیے دنیا و آخرت میں وہی فائدے مند ہے۔ ہمارے بھی سینوں میں دل اور دل میں جذبات محبت موجود ہیں۔ زندگی ایک پھول ہے اور محبت اس کی مٹھاس ہے کوئی فرد بشر اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا۔

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ، لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ" (الانفال:63)

یعنی خدائے رحیم نے مومنوں کے دل ایک دوسرے سے جوڑ دیئے۔ تم روئے زمین کی ساری دولت بھی خرچ کرڈالتے تو ان لوگوں کے دل نہ جوڑ سکتے تھے۔ مگر وہ اللہ ہی ہے جس نے ان لوگوں کے دل جوڑ دیئے۔

مذکورہ قرآنی آیت نے یہی بات واضح کی ہے کہ اہل ایمان کے دلوں کو جوڑنے کے لیے محبت الٰہی کام دیتی ہے نہ کہ دولت۔ اللہ فرما رہا ہے کہ روئے زمین کے خزانے لٹا کر بھی دلوں میں محبت کی جوت نہیں جگائی جاسکتی۔ جس طرح طاقت کا اصل سرچشمہ اللہ کی ذات ہے، اسی طرح محبت کا سرچشمہ بھی وہی ہے، وہی ارحم الراحمین ماں کے دل میں بچے کی بے پناہ محبت ڈال دیتا ہے، پھر درجہ بدرجہ محبت باپ کی اولاد سے، بھائی کی بھائی سے، زوجین کی باہمی کشش والفت، دوستوں کی محبت، لیڈروں کی محبت وغیرہ۔ لیکن ان تمام محبتوں سے بڑھ کر شعوری طور پر اپنے خالق سے محبت، اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اصل مقصود زندگی ہے۔

"اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ" (المائدہ :55)

تمہارے دوست! اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور وہ مسلمان ہیں جو نماز پڑھتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ کے آگے عاجز بن کر رکوع کرتے ہیں۔

محبت الٰہی

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس کے چند جملے یہ ہیں۔

فاذا قال العبد: ۔ الحمدللہ رب العالمین قال اللہ تعالیٰ حمدنی عبدی۔

بندہ جب سورت الفاتحہ کی پہلی آیت پڑھتا ہے تو اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعریف کی۔ واذاقال: (الرحمن الرحیم) قال اللہ: اثنی علی عبدی، جب دوسری آیت پڑھتا ہے تو اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری ثناء کی۔ فاذاقال: مالك یوم الدین قال: مجدنی عبدی، جب تیسری آیت تلاوت کرتا ہے تو اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی وعظمت بیان کی:

ایک اور حدیث توبہ کے سلسلے میں صحیح مسلم میں نقل ہوئی ہے کہ فرط جذبات میں بندے کی زبان سے یہ جملہ ادا ہوتا ہے: اللھم انت عبدی وانا ربك یا اللہ تو میرا بندہ اور میں تیرا رب۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ اخطأ من شدة الفرح انتہائی خوشی کے عالم میں یہ کہہ جاتا ہے، لیکن دل کی گہرائیوں سے یاد اللہ کی کرتا ہے اللہ اس کے ظاہری الفاظ کے بجائے، خلوص نیت پر خوش ہوتا ہے۔

اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ظاہری الفاظ کی درستی ضروری نہیں، بلکہ دوسری حدیث میں ارشاد ہوا کہ سخت نیند کے غلبے میں نماز نہ پڑھی جائے۔

نامعلوم غنودگی کے عالم میں نمازی کی زبان سے کیا کیا غلط فقرات سرزد ہوں مگر کسی خاص جذبات وکیف میں آدمی کہہ گیا ہے تو اللہ نے اس کی قدر کی ہے۔

شیخ بدرالدین عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اسباب محبت تین (3) ہیں ① کمال ② جمال ③ جودوسخا

1 کمال

اللہ اپنی صفات کے لحاظ سے کمالات کا حامل ہے کوئی خوبی ناقص نہیں

ہے،اس کے کمالات کی کشش بندے کو گرویدہ کرتی ہے۔

2 جمال

جمال کے لحاظ سے بھی وہ ذات انتہا کو پہنچی ہوئی ہے یعنی اس جیسا کوئی حسین وجمیل نہیں اس کا حسن و جمال بھی باعث محبت ہے۔

3 جود وسخا

جود وسخا پر غور کریں ہم اس کی عطا کردہ نعمتوں کا شمار تک نہیں کر سکتے۔

نصر اللہ خان عزیز رحمۃ اللہ علیہ کس جگر سوزی سے دست بہ دعا ہیں:

مرے رنج وغم کی شکایتیں ہیں تیرے حضور ہی اے خدا
کبھی آہ میں کبھی اشک میں کبھی چھپ کے اور کبھی برملا

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ذَاقَ طعم الایمان مَنْ رَضِیَ باللہ ربا وبالاسلام دینا

''اس شخص نے ایمان کا شیریں مزہ پالیا جو اللہ تعالیٰ کے رب اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوگیا۔''

رضائے الٰہی کی حلاوت اور مٹھاس تمام حلاوتوں سے بالاتر شے ہے،ہم بے نصیب مسلمان اس مٹھاس سے اپنے دل خالی کر بیٹھے۔ ہمارے ظرف اوندھے ہو گئے،کہاں سے محبت الٰہی کی حلاوت نصیب ہوگی؟ اس کی فکر بہت ضروری ہے۔ کلام اللہ تو بہت دنیا پڑھتی ہے، جب قرآن کریم کو دل کی دھڑکنوں میں اتارا جائے گا تو حب الٰہی کی سرسبز شاخیں، کونپلیں،کلیاں پر بہار کھل جائیں گی،اللہ تعالیٰ یہ ہمارے نصیب کر دے۔ آمین!

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب: (28-13)

''آگاہ رہو! ذکر الٰہی سے ہی دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔''

ذہنی سکون کی تلاش میں (PEACE OF MIND) بعض لوگ ملک ملک پھرتے ہیں۔ وہ قلبی سکون سے محروم ہیں،اطمینان قلب تو بظاہر نماز روزہ کرنے والوں کو بھی کم

ہی میسر آتا ہے جب کہ وہ ذکر الٰہی کے ظاہری تقاضے پورے کر رہے ہوتے ہیں، اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ حب الٰہی کے ساتھ ساتھ اور بہت سی چیزوں کی محبت دلوں میں حسین بتوں کی شکل میں سجائی ہوتی ہے۔ جیسے ایک نیام میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں، اسی طرح دل میں حب الٰہی اور حب دنیا جمع نہیں رہ سکتیں۔ یہ دونوں چیزیں آپس میں متضاد ہیں۔

جو میں سربسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں
(اقبال)

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں!

دنیا و آخرت کی مثال مشرق و مغرب کی سی ہے، ان دونوں کے درمیان کوئی آدمی اگر مشرق کو سفر کرے گا تو مغرب دور ہوتی جائے گی، اگر مغرب کی جانب سفر کرے گا تو مشرق دور ہو جائے گی۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ایسا عمل بتائیں کہ اللہ اور بندگان خدا مجھ سے پیار کرنے لگیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! اِزْ هَدْفِی الدنیا یحبك اللہ

دنیا سے بے نیاز ہو جا اللہ تجھ سے پیار کرے گا۔ وازھد فیما عند الناس یحبك الناس، لوگوں کی جیبوں اور ہاتھوں کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے نہ دیکھ تجھ سے لوگ محبت کریں گے۔ (ابن ماجہ)

بس ایک ہی لفظ کہ زاہد بن جا، اسی کو استغنا کہتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''الغنی غنی النفس''

استغنا کی شان اور مقام دل ہے

ہمارے ماحول میں زاہد اسے سمجھتے ہیں، جس کے چہرے کی ہوائیاں اڑی ہوئی ہوں، تارک دنیا ہو، میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوں، کسی گندی کٹیا میں بسیرا ہو، کسی سے

سیدھے منہ بات نہ کرے، خلوت نشین ہو، حالانکہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ ہے!

"کہ دل غیر اللہ سے بے نیاز ہو جائے"

کہ پایا میں نے استغنا میں معراجِ مسلمانی

یہ استغنائے قلب جسے نصیب ہو جائے چاہے امیر ہو، یا غریب ہو، اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو یا ان پڑھ ہو، جوان ہو، بوڑھا ہو، مرد ہو، عورت ہو، اس کے دل میں حبِ الٰہی کا بیج ثمر بار ہوگا۔

چاہے اسے عبادت و ریاضت، مراحل چلہ کشی کا کوئی موقعہ ہی نہ ملا ہو، تخمِ حبِ الٰہی اس کے دل کی زرخیز زمین کو مالا مال کر دے گا، پھر دربارِ فرعون کی نیرنگیاں اور دلفریبیاں، فرعون کا جبر و قہر ایسے مومن کے ایمان کو، اس کے دلی اطمینان کو ذرا بھی جنبش نہیں دے سکتے، خواہ اسے سولی پر لٹکانے کا حکم مل جائے، تب بھی برملا کہے گا۔

فاقض ما انت قاض (20-72) تو جو کچھ کرنا چاہے کر لے۔

اب مجھے اللہ کی محبت کے سوا کسی کی پروا نہیں ہے۔

ہمہ شہر پُر زِخُوباں منم و خیال ما ہے
چہ کنم کہ نفس حق جو نہ کند بہ کس نگاہے
اٹھتی نہیں نگاہ کسی اور کی طرف
پابند کر گئی ہے کسی کی نظر مجھے

یہ مقام بلند اسی وقت نصیب ہوگا جب بندۂ مومن کے دل سے حبِ دنیا رخصت ہوئی اور حبِ الٰہی نے دل کو اطمینان و سکون سے بھر دیا۔

اے شیخ بہت اچھی مکتب کی فضا لیکن
بنتی ہے بیاباں میں فاروقی و سلمانی
(اقبال)

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ اگرچہ ذکر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں محدثین کی طرح محتاط نہیں ہیں مگر کچھ ایسی اثر آفرین چیزیں لکھ جاتے ہیں کہ روح کو سرور ملتا ہے۔

احیاء العلوم جلد دوم میں روایت ہے:

جنگ تبوک کی تیاری میں گھر کا سارا سامان ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر کے، خود خستہ سے کمبل میں ملبوس ہوئے جس کے دامن کو کانٹوں سے ٹانک رکھا تھا، مسجد نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ جبرائیل نے سلام عرض کیا اور کہا:

یارسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کمبل میں لپٹا ہوا دیکھ رہا ہوں کیا بات ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ سے قبل اپنا سارا مال مجھ پر خرچ کر ڈالا ہے۔

جبرائیل علیہ السلام نے کہا: انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام پیش کر کے کہیں کہ تیرا رب اے ابوبکر: پوچھتا ہے: تم اپنی اس فقیری میں مجھ سے راضی ہو یا ناراض:

یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ روئے اور عرض کیا:

بھلا میں اپنے رب سے ناراض ہوں گا: میں اپنے رب سے راضی ہوں۔ (صفة الصفوة اول)

مسلمان تو ہم بھی ہیں ذرا اپنا جائزہ تو لیں:

ابھی تر گریباں نہیں آنسوؤں سے
ابھی زندگی مسکرائی نہیں ہے
ابھی ساز دل زخم ناآشنا ہے
محبت ابھی گنگنائی نہیں ہے
ابھی سوز دل شعلہ سامان نہیں ہے
ابھی آگ گھر کو لگائی نہیں ہے

دیکھئے کس قدر شان استغنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نصیب ہے! لہٰذا انہیں کے نقش پا پر چلنے سے دلوں کو سکوں میسر ہوگا۔ لیکن دور حاضر میں مادہ پرستی نے اکثریت کو دولت کا پجاری بنا دیا ہے۔ جس کا نتیجہ دلوں کی بے اطمینانی ہے۔ حصول سکون کے لیے بجائے صحت افزاذکر الٰہی کے نشہ آور چیزیں استعمال ہو رہی ہیں۔ راتوں کو فطری نیند غائب ہونے پر خواب آور

دوائیں استعمال کر کے مصنوعی طریقے سے نیند کا سامان ہو رہا ہے۔ بجلی کی تیز روشنیوں نے رات کے ستاروں کی جھلملاہٹ اور چاند کے نظاروں سے محروم کر دیا ہے۔ ٹیلیویژن نے اہل ایمان کا ٹائم ٹیبل ایسا تلپٹ کیا کہ نہ نماز عشاء باجماعت مقدر ہوتی ہے نہ مسنون طریقے سے نماز عشاء کے فوراً بعد سونا قسمت میں ہے۔ نہ وقت سحر بیداری کی توفیق رہی۔

؎ شب کی آہیں بھی گئیں صبح کے نالے بھی گئے
شکوہ یہ ہے کہ قلبی سکون میسر نہیں

قال النبی ﷺ !من احب لقاء اللّٰہ احب اللّٰہ لقاءہٗ ومن کرہ لقاء اللّٰہ کرہ اللّٰہ لقاءہٗ۔

جو کوئی اللہ کی ملاقات کا آرزومند ہوگا اللہ کو اس سے ملنے کی چاہت ہوگی جو اللہ سے ملنا پسند نہیں کرے گا اللہ اس کی ملاقات ناپسند کریگا۔ (احمد)

یہ تجربہ تو دنیا میں ہمیں عام ہوتا ہے۔ کسی دوست نے کسی دوست کا قرض ہی دینا ہو تو ملنے سے حجاب رہتا ہے، پھر جب وعدہ پر نہ دیا جائے تو اور شرم محسوس ہوتی ہے، دوست کے سامنے جانے سے شرمندگی ہوتی ہے، آدمی ملاقات سے گریزاں رہتا ہے۔ اسی طرح اگر اللہ کے ساتھ بندے کا معاملہ صاف نہیں ہے، بلکہ خدا کا چور ہے تو کس منہ سے سامنے جائے گا، نری شرمساری ہے، ایک دوسرا شخص جس نے اللہ کی فرمانبرداری میں زندگی گزاری، نیکیوں کے انبار اور ذخیرے آخرت میں بھیجے نہ وہ اللہ کے حقوق کا مقروض ہے نہ کسی بندے کے حقوق کا مقروض ہے، صاف معاملہ ہے، اس کا دل تو ہر وقت چاہے گا کہ میں خوشی خوشی اپنے خالق سے جا ملوں، اسے کوئی حجاب نہیں، کوئی رکاوٹ نہیں، کوئی شرمساری نہیں، دل کا آئینہ صاف ہے تو ڈر کس چیز کا؟

حب رسول ﷺ

خالق کی محبت دل میں جاگزیں ہو تو پھر اس کے رسول ﷺ کی محبت بھی ضروری ہے، جس کی راہنمائی ذریعہ ہے اللہ تک رسائی کا۔

"اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ" (الاحزاب،21،6)

"بلاشبہ نبی تو اہل ایمان کے لئے ان کی اپنی ذات پر مقدم ہے۔"

صحیح بخاری میں ہے عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

"واللہ لانت احب الی من کل شیءٍ الا من نفسی"

اللہ کی قسم: میری جان کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔

فرمایا: لا یاعمر: حتیٰ أکون أحب الیك من نفسك

نہیں عمر رضی اللہ عنہ! جب تک کہ میں تجھے تیری جان سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔

پھر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: واللہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

آلان یاعمر، عمر رضی اللہ عنہ: اب ایمان کا لطف آیا ہے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ ایک ترکھان کا نوجوان بیٹا، نہ کسی یونیورسٹی سے پی۔ایچ۔ڈی کیا، نہ کسی دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہوا۔ جونہی اسے گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کتاب "رنگیلا رسول" کا علم ہوا۔ اس نوجوان کا خون کھول اٹھا۔ اسے کھانا پینا بھول گیا۔ اس کے دل میں حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لبریز ایمان نے جوش مارا۔ دن رات اسی دھن میں مضطرب ہے کہ اس شاتم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیسے واصل جہنم کرے؟ بالآخر اپنے ایمان اعلی کی بدولت اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر پورے قلبی اطمینان کے ساتھ ہنسی خوشی پھانسی پر لٹک گیا۔ اس عظیم شہادت پر فلسفہ کا پی ایچ ڈی اقبال رحمۃ اللہ علیہ حسرت سے کہہ اٹھتا ہے۔

ترکھان دامنڈا اساڈے ساریاں توبازی لے گیاتے اسیں دیکھدے ای رہ گئے۔

عشق بڑھتا رہا سوئے دار و رسن زخم کھاتا ہوا مسکراتا ہوا

راستہ روکتے روکتے تھک گئے زندگی کے بدلتے ہوئے زاویے

آج پاکستان کے ارباب اقتدار کہتے ہیں کہ ہمیں ملاؤں کا اسلام نہیں چاہیے ہم قائداعظم اور اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا اسلام چاہتے ہیں، ہم تو کہتے ہیں اللہ تمہیں اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور

غازی علم الدین رحمہ اللہ والا اسلام بیچ بچ نصیب کردے۔ آپ تو ان کے نظریات کے خلاف شاتم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بنابنایا قانون منسوخ کر رہے ہیں۔ کیا یہی اقبال کا مذہب ہے؟

حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات
اسلام کا محاسبہ، یورپ سے درگزر
(اقبال)

جناب اقبال رحمہ اللہ نے بانگ درا میں جنگ یرموک کا ایک واقعہ نظم کیا ہے نہایت ایمان افروز ہے۔

صف بستہ تھے عرب کے جوانان تیغ بند — تھی منتظر حنا کی عروس زمین شام
اک نوجوان صورت سیماب مضطرب — آکر ہوا امیر عساکر سے ہم کلام
اے بوعبیدا! رخصت پیکار دے مجھے — لبریز ہو گیا مرے صبر وسکون کا جام
بیتاب ہو رہا ہوں فراق رسولؐ میں — اک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام
جاتا ہوں میں حضورؐ رسالت پناہ میں — لے جاؤں گا خوشی سے اگر ہو کوئی پیام
یہ ذوق وشوق دیکھ کے پرنم ہوئی وہ آنکھ — جس کی نگاہ تھی صفت تیغ بے نیام
بولا امیر فوج کہ وہ نوجوان ہے تو — پیروں پہ تیرے عشق کا واجب ہے احترام
پوری کرے خدائے محمدؐ تری مراد — کتنا بلند تیری محبت کا ہے مقام
پہنچے جو بارگاہ رسولؐ امیں میں تو — کرنا یہ عرض میری طرف سے پس از سلام
ہم پر کرم کیا ہے خدائے غیور نے — پورے ہوئے جو وعدے کیے تھے حضورؐ نے

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''الشفاء'' میں لکھا ہے

ایک رات عمر رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں رعایا کی خبر گیری کے لیے گشت کرتے کرتے ایک گھر کے پاس سے گزرے، جس میں ٹمٹماتا ہوا چراغ جل رہا تھا، اندر ایک بڑھیا اون دھنک رہی تھی، ساتھ ساتھ محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ترانہ نہایت جوش وخروش سے گا رہی تھی۔

علی محمدٍ صلوات الابرار
صلی علیه الطیبون الاخیار

قد کنت قواما بکاء بالاذکار

هل یجمعنی و جیبی الدار

یعنی محمد ﷺ پر ابرار اور نیک لوگوں کے درود نازل ہوں۔ پاکیزہ پسندیدہ لوگ آپ ﷺ پر درود بھیجتے رہیں۔ آپ ﷺ ہمیشہ شب بیداری کرنے والے، بوقت سحر خشیت الٰہی سے آہ و بکا کرنے والے تھے۔ موتیں تو بہت آتی رہتی ہیں۔ کاش: مجھے معلوم ہو جاتا کہ میرے مرنے کے بعد میرے حبیب ومحبوب سے ملاقات ہو جاتی اور زیارت نصیب ہوتی۔

یہ ترانہ محبت سن کر عمر رضی اللہ عنہ کے قدم وہیں رک گئے، دل گرفتہ ہو کر بیٹھ گئے بہت دیر تک یاد رسول ﷺ میں روتے ہوئے، کئی روز تک ان دل گداز اشعار سے بیمار پڑے رہے۔

حضور ﷺ کی نعش مبارک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دفن کر کے فارغ ہوئے تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں حزن وملال نے ڈیرے ڈال دیے۔

خادم رسول ﷺ انس رضی اللہ عنہ سے دختر رسول ﷺ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا نے پوچھا:

یا انس: أطابت انفسکم ان تحثوا علی رسول اللہ ﷺ التراب۔

انس رضی اللہ عنہ: کس حوصلے سے حضور اقدس ﷺ کے جسد مبارک پر مٹی ڈال کر آئے ہو؟ (البدایہ والنھایہ)

حب نبی ﷺ کے پروانے وفرزانے انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

لما قبض رسول اللہ ﷺ اظلمت المدینة حتی لم ینظر لبعضنا الی بعض وکان أحدنا یبسط یده فلا یراھا، اولا یبصرھا، وما فرغنا من دفنه حتی انکر ناقلو بنا

"جس روز حضور ﷺ فوت ہوئے مدینہ پر غموں کے بادل چھا گئے تھے، صدمے کی وجہ سے ہمیں کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا، آپ ﷺ کو دفن کیا لیکن دلوں کو اعتبار نہ آتا تھا۔" (بیہقی)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: لما دخل رسول اللہ المدینة اضاء منھا کل شئ

''جس روز حضور ﷺ ہجرت کر کے مدینہ میں داخل ہوئے تھے، شہر کی ہر چیز جگمگا اٹھی تھی۔''

فلما كان اليوم الذی مات فيه ا ظلم منها كل شئ

''جس روز وفات شریف ہوئی شہر کی ہر چیز پر تاریکی چھا گئی تھی۔''

وفات النبی ﷺ کے بعد ایک دن انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور ﷺ ایک روز ام ایمن رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے میں بھی ساتھ ہو لیا۔ اس خاتون نے مشروب پیش کیا مگر آپ ﷺ روزے سے تھے۔ آپ ﷺ نے ایسی خوش کن بات کی کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا (حضور ﷺ کی رضاعی ماں) کو ہنسا دیا۔

یہ واقعہ سن کر ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: انس رضی اللہ عنہ! ہمارے ساتھ چلو ہم اس خاتون کی زیارت کرتے ہیں جب ہم اس کے ہاں پہنچے تو وہ پھوٹ کر رونے لگی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ، و عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کس لئے روتی ہو؟ حضور ﷺ کے لیے تو اللہ کے پاس اس دنیا سے بہتر نعمتیں ہیں۔ خاتون نے کہا، بالکل مجھے علم ہے کہ اللہ کے ہاں! دنیا سے بہت بہتر انعام ہیں، مگر میں تو اس صدمے سے روتی ہوں کہ ان الوحی انقطع من السماء

(البدایہ والنہایہ)

حضور ﷺ کے جانے کے بعد آسمان سے وحی آنا بند ہو گئی ہے۔

یہ بات سن کر شیخین رضی اللہ عنہما بھی رونے لگے۔

حب نبی ﷺ کی زندہ مثالیں

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس

حبیب بن زید الانصاری رضی اللہ عنہ گرفتار ہو کر مسیلمہ کذاب (جھوٹے مدعی نبوت) کے پاس لائے گئے۔ مسیلمہ پوچھتا ہے:

أتشهد أن محمدا رسولُ الله

کیا تو گواہی دیتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہیں؟

فیقول نعم: حبیب رضی اللہ عنہ کہتے ہاں، محمد اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔

پھر وہ ظالم پوچھتا ہے، **اتشهد انی رسول الله** کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

حبیب جواب میں کہتے: **لا أسمع** مجھے تیری یہ بات سنائی نہیں دیتی۔

فلم يزل يقطعه اِربًا اِربًا،

وہ ظالم حبیب رضی اللہ عنہ کے جسم کا ایک ایک جوڑ کاٹتا گیا، اپنی جھوٹی نبوت کا اقرار کروانے کے لئے۔

وهو ثابت على ذالك

لیکن حبیب رضی اللہ عنہ نے ایک ایک جوڑ کٹوا کر بھی، محمد رسول ﷺ کی گواہی دی اور اپنی جان کا نذرانہ بطور شہادت اللہ کے سپرد کر دیا۔

(ابن کثیر)

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ یثرب کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

ہم جو ٹھہرے عاشق رسول ﷺ، نرے دودھ پینے والے مجنوں، جن کا گزارہ صرف چرب زبانی پر ہے۔

آرام کرسی پر پڑا نعتیں اگر فرماؤں گا
اس بارگاہ پاک میں کیا منہ لے کے جاؤں گا

(آسی ضیائی)

حقیقی عشق رسول حبیب رضی اللہ عنہ والا اللہ سے مانگئے۔

جو جان چاہو تو جان لے لو جو مال مانگو تو مال دیں گے
مگر یہ ہم سے نہ ہو سکے گا کہ نبیؐ کا جاہ و جلال دیں گے

حب رسول ﷺ میں شیر دل ہونا پڑے گا، بزدل راہ عزیمت پر چلنے کی ہمت سے عاری ہوتے ہیں۔

وتجتنب الاسود ورود ماء

اذا کان الکلاب ولغن فیه

جس پانی کے گھاٹ پر کتے منہ ڈال جائیں شیر وہاں سے پانی نہیں پیا کرتے یہ شیروں کی شان کے خلاف بات ہے۔

عن عائشه رضی اللہ عنہا قالت جاء رجل الی النبی ﷺ فقال: یا رسول انك لَاَحَبُّ الیَّ من نفسی، واحبُّ الیّ من اَھْلی واحب الی من ولدی، وانی لَاَکُون فی البیت فاذکرك فما اصبر حتی آتیك فانظر الیك۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے: ایک آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہنے لگا: حضور ﷺ آپ کی ذات مجھے میری جان، میری بیوی، میرے بچوں سے زیادہ محبوب ہے، میرے گھر میں جب آپ ﷺ کا ذکر خیر ہوتا ہے تو آپ کے شوق زیارت میں بے صبر ہو جاتا ہوں۔ فوراً آپ کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہوں۔

واذاذکرت موتی و موتك عرفت أنك اذا دخلت الجنت رفعت مع النبیین، وان دخلت الجنت خشیت ان لا اراك فلم یرد علیه النبی ﷺ حتی نزلت علیه:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ (4، النساء، 69)

جب مجھے اپنی اور آپ ﷺ کی موت یاد آتی ہے دوسری روایت میں "فَكَّرْتُ فِيْهِ" میں پریشان ہو جاتا ہوں کہ آپ ﷺ جنت میں داخل ہونے کے بعد انبیاء علیہم السلام کے

ساتھ اعلیٰ منازل میں ہونگے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میں جنت میں آپ کی زیارتوں سے محروم نہ ہو جاؤں۔ جیسا کہ ہمارے M.N.AS M.P.AS. صرف انتخابی مہم میں غریبوں سے مکارانہ معانقے تک کر گزرتے ہیں اور منتخب ہونے کے بعد اسمبلیوں میں پہنچ کر، تو کون؟ اور میں کون، ہو جاتے ہیں۔

حضور ﷺ یہ بات سن کر خاموش ہو گئے تو جبریل علیہ السلام وحی لے آئے۔

جو لوگ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کریں گے یعنی زبانی محبت نہیں بلکہ عملی محبت، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے۔ یعنی انبیاء علیہم السلام اور صدیقین رضی اللہ عنہم اور شہداء اور صالحین، کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں!

یہ آیت صاف اشارہ دے رہی ہے کہ جیسے اہل جنت کا ہفتہ وار جشن زیارت الٰہی (جمعہ کے دن) ہوا کرے گا، ویسے ہی حضور ﷺ کے شیدائیوں کو زیارت نبوی ﷺ کے حسین مواقع بلاتردد حاصل ہوں گے۔ حضور ﷺ سے ملاقاتیں مصافحے معانقے اہل جنت کر کے آنکھوں کو فرحت اور دل کو سرور بخشیں گے۔ ان شاء اللہ!

ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ خادم رسول کو ایک رات حضور ﷺ نے فرمایا مجھ سے کچھ مانگ لے، ممکن ہے حضور ﷺ کا ارشارہ اس غلام کو آزاد کرنے کا ہو، مگر وہ دل و جان سے حضور ﷺ کا غلام ہو چکا تھا اسے آزادی کے بجائے یہ سوجھا۔

فقلت :یا رسول اللہ! اسالك مرافقتك في الجنت ،

”میرا سوال صرف یہ ہے کہ جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت نہ چھوٹ جائے۔“

آپ ﷺ نے فرمایا: اگر جنت میں میری رفاقت چاہتے ہو تو

فاعني على نفسك بكثرت السجود

”سجدوں کی کثرت یعنی زیادہ سے زیادہ ذوق وشوق سے بندگی رب سے؟ یہ مقام حاصل کرنا۔“ (صحیح مسلم)

ہم کچھ کیے بغیر ہی، رب دیاں فضلاں تے عشق رسول ﷺ نال زبردستی جنت وچ

جا پہنچاں گے۔ کیا تصور ہے مسلمانوں کا یہ تو نری عیسائیت ہے۔ یہاں عیسائی کہتے ہیں کہ صرف Jesus کی Love سے ہماری نجات ہو جائے گی چاہے زنا کریں، شرابیں پئیں، خنزیر کھائیں، ہر پاپ کا کفارہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جس دل میں الفت نہ ہوگی سمجھ لو کہ قسمت میں جنت نہ ہوگی
کرے جو اطاعت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دل سے اسے پیرومرشد کی حاجت نہ ہوگی

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں انتہا کردی

خلقت مبرأ من كل عيب
كانك قد خلقت كما تشاء

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر عیب سے مبرا پاک صاف پیدا کئے گئے ہیں، گویا خالق نے پوچھ پوچھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعضا نہایت حسین وجمیل بنائے ہیں۔

واجمل منك لم ترقط عين
واحسن منك لم تلد النساء

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا خوبصورت کسی آنکھ نے دیکھا ہی نہیں
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا حسین کسی ماں نے جنا ہی نہیں

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں!

ما رایت احسن من رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كان الشمس تجرى
فى وجهه واذا ضحك يتلألأ نوره فى الجدر

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو خوبصورت نہیں دیکھا
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کا حسن یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس میں آفتاب چل رہا ہو۔
جب تبسم فرماتے تو دیواریں منور ہو جاتیں

تری صورت تری سیرت، ترا نقشہ، ترا جلوہ

تبسم ، گفتگو ، بندہ نوازی، خندہ پیشانی

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا!

انك لتصل الرحم

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرابتداروں سے حسن سلوک کرتے ہیں

وتحمل الكل

درماندہ راہرو کا بوجھ اٹھاتے ہیں

وتكسب المعدم

ناداروں کو سرمایہ عطا کرتے ہیں۔

تقرى الضيف

مہمانوں کی میزبانی کرتے ہیں

مصیبت زدوں کی اعانت کرتے ہیں۔ (البخاری)

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے الشفاء میں:

حضرت سہیل بن عبداللہ کا قول نقل کیا ہے۔

علامة حب الله حب القرآن ، و علامة حب القرآن حب النبیؐ و علامة حب النبیؐ حب السنت ، وعلامة حب السنت حب الآخرت۔ و علامة حب الآخرت بغض الدنيا، و علامة بغض الدنيا ان لايدخرمنها الا زاداوبلغت الى الاخرت:

محبت الٰہی کی نشانی قرآن سے محبت، حب قرآن کی علامت، حب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علامت، حب سنت حب سنت نتیجہ ہے حب آخرت، حب آخرت کی نشانی دنیا سے بغض۔ بغض دنیا کی علامت یہ کہ دنیا کا ذخیرہ کرنے کے بجائے توشہ آخرت لے کر آخرت تک پہنچ جائے، یعنی زادراہ لینا ہے دنیا سے جیسے چلتے چلتے پٹرول پمپ سے گاڑی پٹرول لیتی ہے، نہ کہ سارا پٹرول پمپ کار پر لادا جاتا ہے۔

کہاوت ہے، کچھ اندھوں کے سامنے ہاتھی کھڑا کر کے پوچھا گیا: بتاؤ ہاتھی کیسا ہوتا ہے؟ ایک اندھے کا ہاتھ، ہاتھی کی ٹانگ کو لگا اس نے ہاتھی کی تعریف کی کہ ہاتھی ایک موٹے عمودی ستون کی طرح ہوتا ہے۔ دوسرے کا ہاتھ اس کے کانوں کو جا لگا اس نے بتایا کہ ہاتھی درخت کے لمبے چوڑے پتوں کی طرح ہوتا ہے۔ تیسرے اندھے کا ہاتھ اس کی (خرطوم) لمبی سونڈ پر لگا اس نے کہا ہاتھی نرم لمبے پائپ کی طرح ہوتا ہے۔ چوتھے کا ہاتھ اس کی کمر پر لگا، اس نے بتایا کہ ہاتھی فٹ بال گراؤنڈ کی طرح ہوتا ہے۔

پرانے زمانے کے دانشوروں سے محبت اسی ایک ایک وصف کی بنیاد پر تھی کوئی حاتم طائی کی سخاوت پر گرویدہ ہوئے، کوئی عدل نوشیرواں کے مداح ہوئے، کوئی سقراط و بقراط اور افلاطون کی دانائیوں کے اسیر ہوئے۔

آج کی تہذیب نو کے دانشور

کچھ کارل مارکس کی روٹی کے ٹکڑے پر عاشق ہوئے، کچھ ہیگل کی گندی ذہنیت کہ ماں اپنے بیٹے کا منہ صنف مخالف جنس کی بنیاد پر چومتی ہے کے فلسفہ پر ایمان لے آئے، کوئی فرعون کے نظریہ ضبط ولادت پر عش عش کر اٹھے، کوئی مغربی جمہوریت پر مر مٹے۔

کتاب جمہوریت کا پہلا حقیقت افروز یہ سبق ہے
جو چار سچے کہیں وہ باطل جو پانچ جھوٹے کہیں وہ حق ہے

کاش! ان اندھے دانشوروں کو آنکھیں نصیب ہوتیں تو رہبر کامل حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جامع کمالات شخصیت نظر آ جاتی، جن کی زندگی میں پاکیزگی ہی پاکیزگی، افکار و کردار کا حسین امتزاج، جن کی حیات مبارکہ سراسر خلق خدا کے لئے رحمت ہی رحمت، پوری تریسٹھ (63) سالہ زندگی ایسی بے داغ چمکتی چادر کہ کوئی معمولی سا دھبہ بھی نہ دکھایا جا سکے، اس راہبر کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہوتے ہوئے ادھر ادھر بھٹکتے پھرنا بدترین قسم کی بے نصیبی ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جب شامیوں کو تمتع بالحج کا فتویٰ دیا تو لوگوں نے کہا: حضرت! آپ کے والد محترم عمر رضی اللہ عنہ تو اس سے منع کیا کرتے تھے، تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

امر أبی یتبع ام امر النبی ﷺ (ترمذی)

میرے والد کی اطاعت واجب ہے یا اللہ کے نبی ﷺ کی؟

اسی طرح آج بھی کوئی قول وفعل سنت رسول ﷺ کے مطابق پیش کیا جائے تو پہلا سوال یہ ہوتا ہے یہ کس مسلک کی بات ہے؟ یا بڑی عمر کے لوگ یہ کہہ کر رد کریں گے، ہماری عمریں بیت گئیں آج تک ہم نے تو ایسا سنا ہی نہیں؟ کیا حق آپ کے سننے تک محدود ہو گیا ہے؟ باقی سب کچھ باطل ہے؟ کوئی یہ کہہ کے ٹال جائے گا کہ ساڈے مولوی نے انج نہیں دسیا: لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ایک حقیقت ہے، اصل مطاع حقیقی اللہ ہے اور اس کے ضمن میں اللہ کے رسول ﷺ مطاع ہیں۔ باقی کوئی نہیں، ان دونوں کے بعد اولی الامر جو کہ خود پابند ہوں اللہ اور رسول کے اور بس، لہٰذا حب رسول ﷺ کا تقاضا ہے کہ آپ ﷺ کی پوری پوری فرمانبرداری کی جائے اور ساری زندگی اسی عہد لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی وفا میں گزر جائے

محمد ﷺ کی غلامی دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

اے مومنو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے تو پھر جائے اللہ بہت سے لوگ اور پیدا کر دے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہوگا۔

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِينَ (54:5)

''جو مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے''

اذلة

''مومنوں پر نرم'' ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اہل ایمان کے مقابلے میں اپنی طاقت کبھی استعمال نہ کرے۔ اس کی ذہانت اس کی ہوشیاری، اس کی قابلیت، اس کا اثر ورسوخ اس کا مال، اس کی جسمانی قوت، کوئی چیز بھی مسلمانوں کو دبانے اور ستانے اور

نقصان پہنچانے کے لیے نہ ہو۔ مسلمان اپنے درمیان اس کو ہمیشہ نرم خو، رحم دل، ہمدرد اور حلیم انسان پائیں۔

اعزہ

''اعزۃ کفار پر سخت ہونے'' کا مطلب یہ ہے کہ ایک مومن آدمی اپنے ایمان کی پختگی دینداری کے خلوص، اصول کی مضبوطی، سیرت کی طاقت اور ایمان کی فراست کی وجہ سے مخالفین اسلام کے مقابلے میں پتھر کی چٹان کی مانند ہو کہ کسی طرح سے اپنے مقام سے ہٹایا نہ جا سکے۔ وہ اسے کبھی موم کی ناک اور نرم چارہ نہ پائیں۔ انہیں جب بھی اس سے سابقہ پیش آئے، ان پر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ اللہ کا بندہ مر سکتا ہے مگر کسی قیمت پر بک نہیں سکتا اور کسی دباؤ سے دب نہیں سکتا۔ (تفہیم القرآن جلد اول)

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن
(اقبال)

قال رسول اللہ ﷺ ان المسلم اذا لقی اخاہ المسلم فاخذ بیدہ تحاتت عنھما ذنو بھما کما تحات الورق عن الشجرۃ الیابسۃ فی یوم ریح عاصف والا غفرلھما ذنوبھما ولو کانت مثل زبد البحر۔ (ابن کثیر)

جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملتا ہے، اس کا ہاتھ محبت سے پکڑتا ہے تو دونوں کے گناہ یوں جھڑتے ہیں جیسے خشک درخت کے پتے تیز ہوا میں جھڑتے ہیں، چاہے دونوں کے گناہ سمندروں کی جھاگ کے برابر ہوں سب معاف ہو جاتے ہیں۔ (صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں، کبیرہ گناہ سچی توبہ کرنے ہی سے معاف ہوتے ہیں۔)

قال النبی ﷺ !ان احب الاعمال الی اللہ تعالیٰ الحب فی

الله و البغض فی الله۔ (راوہ احمد)

حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ کو محبوب ترین اعمال میں سے یہ ہے کہ باہم محبت صرف رضائے الٰہی کی خاطر (بے غرضانہ) ہو۔ باہم رنجش بھی رضائے الٰہی (نہ کہ اپنے نفس کی تسکین) کی خاطر ہو۔ رئیس المحدثین امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ نے اپنی معرکۃ الآرا تالیف ''الجامع الصحیح'' میں ایک دلچسپ روایت ایک سے زائد مرتبہ نقل کی ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل میں سے ایک دوست نے دوسرے سے ایک ہزار (1000) دینار قرض مانگے۔

اس نے کہا: ٹھیک ہے گواہ لے آؤ، دیتا ہوں۔ اس نے کہا: كفى بالله شهيدا،

اللہ کی گواہی کافی ہے۔ اس نے کہا: کوئی ضامن لاؤ۔ سائل نے کہا: كفى بالله وكيلا،

اللہ کی ضمانت کافی ہے۔ رقم دینے والے دوست نے کہا:

آپ نے سچ بات کی ہے: یہ لو رقم، دونوں نے واپسی وصول کرنے کی تاریخ مقرر کر لی۔ وہ سمندر پار لیکر چلا گیا۔ مدت پوری ہونے پر مقروض شخص رقم واپس کرنے کی غرض سے ساحل پر پہنچا۔ تو کوئی سفینہ نہ ملا، ایک لکڑی کا گٹھا لیکر اس میں سوراخ کر دیا۔ رقم اس میں رکھ کر بند کیا۔ ساتھ ایک خط لکھ دیا: سمندر میں یہ کہتے ہوئے بہا دیا۔ یا اللہ! تو جانتا ہے، یہ رقم تجھے گواہ اور ضامن ٹھہرا کے لی تھی مگر آج سواری نہ ملنے کی وجہ سے میں یہ تیرے سپرد کرتا ہوں، واپس مایوس آ گیا۔ دوسرے ساحل پر رقم وصول کرنے کے لیے دوسرا دوست پہنچا کہ ابھی میرا مال لائے گا، انتظار کے بعد واپس جانے لگا تو لکڑی کا گٹھا تیرتا ہوا دیکھا۔ سوچا چلو یہ لکڑی گھر لے جاؤں جلانے کے کام آئے گی، گھر جا کے لکڑی کو پھاڑا، تو ہزار (1000) دینار اور خط نکل آیا، جس میں تحریر تھا کہ میں وقت مقرر پر ساحل سمندر پر آیا تھا آپ کا مال واپس کرنے، سواری نہ ملنے کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکا۔

یعنی معذرت تحریر تھی!

پھر اگلے روز ایک ہزار (1000) دینار مزید لے کر اپنے دوست کے گھر جا پہنچا کہ یہ لو

رقم کل یہ مجبوری ہوئی تھی اس نے پوچھا کیا پہلے کچھ مجھے آپ نے بھیجا ہے؟ اس نے ساری بات بتادی تو صاحب مال نے کہا: اللہ نے آپ کی امانت باسلامت پہنچادی تھی، یہ دوسری رقم آپ لے جائیں اللہ آپ کا حامی وناصر ہو۔ (بخاری کتاب الکفالۃ، حدیث 2291)

اس حدیث میں الحب فی اللہ کا نظارہ جھلک رہا ہے، جب دو مسلمان اللہ کی رضا کے لئے آپس میں جڑتے ہیں تو اللہ ان کے کام آتا ہے، چاہے ظاہری اسباب ساتھ چھوڑ جائیں۔ ہماری شریعت میں پھر بھی لین دین کے وقت تحریر کرنے کا حکم ہے۔ یہ چونکہ محتاط طریقہ ہے، ہمارے لوگوں کے اتنے ظرف کہاں؟ اتنا توکل علی اللہ کہاں؟ ورنہ اسلام کا انسان سے مطلوب یہی ہے کہ لوگ ان اعلیٰ اوصاف کے حامل بن جائیں اور رذائل سے پاک صاف ہو جائیں۔ پھر یہ انسان ہوں اور اللہ کے کرشمے ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں مدینہ سے دور ایک جگہ پر ذرا کھڑے ہوکر گزرا کرتے تھے اور رک کر کہتے: قبل از اسلام، اونٹ چراتے ہوئے ایک بار میرے باپ نے یہاں تھپڑ مارا تھا، آج اتنی بڑی سلطنت پر میری حکومت ہے، یاد رہے 25 لاکھ مربع میل پر عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے۔ جوکہ دور جاہلیت میں اونٹوں کے چرواہے تھے، اسلام دشمنی میں کفار میں سب سے زیادہ دلیر تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن لینے گھر سے نکل کھڑے ہوئے تھے، چند آیات قرآنیہ نے۔

دگرگوں کرد تقدیر عمر را

درفشانی نے تیری قطروں کو دریا کر دیا | دل کو روشن کر دیا، آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے رہبر بن گئے | کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو حسان رضی اللہ عنہ سے واقعہ افک میں بہت دلی صدمہ پہنچا تھا، حسان رضی اللہ عنہ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے، ایک بار عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی حال میں ملنے آئے، آپ نے بہت حسن سلوک کا مظاہرہ کیا، عزت سے بٹھایا تکیہ دیا۔ بعض جذباتی عزیز و اقارب نے کہا: کیا یہ صحابی ہیں؟ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یہ شعر انہی کا تو ہے اور میں سمجھتی ہوں صرف یہ شعر ہی ان کے گناہوں کا کفارہ بن گیا ہے۔

فان ابی ووالدتی و عرضی
لِعرض محمد منکم وقاءٌ

''میرا باپ میری ماں میری عزت وآبرو سب کچھ محمد ﷺ کی آن پر قربان ہیں۔ کیا عظمت ہے شمع حرم نبوی کی، ایک مومن سے عزت کو بٹہ لگا، آیات قرآنیہ کا نزول ہوا۔ الزام دھرنے والے کے لئے اپنا سینہ صاف کرلیا، کیونکہ اس سے چوک ہوگئی تھی۔''

اوسے نوں گلاب آکھن جدہی کنڈیاں تے نبھ جاندی اے

گلاب کا شگفتہ ودلکش پھول جس شاخ پر مسکرار ہا ہوتا ہے، وہ شاخ کانٹوں سے بھری ہوتی ہے پھر بھی دلآویز تبسم ریز ہوتا ہے، یہی شان مومن کی ہوتی ہے اسے اگر دوسروں سے زخم پہنچیں بھی تو یہ کسی کو ذرا بھی دکھ نہیں دیتا۔ اپنے اسلامی بھائیوں کے لیے مرنجان مرنج رہتا ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ !التودد الی الناس نصف العقل

''لوگوں سے محبت کرنا یہ آدھی عقل مندی ہے۔''

یعنی دیگر تمام امور حیات کی دانائی ایک طرف اور صرف انسانوں سے محبت کا عمل ایک طرف، دوسرے پہلو سے اس ارشاد نبوی پر غور فرمائیں، یعنی جو لوگوں سے محبت نہیں کرتا وہ آدھا بے وقوف ہے، باقی حماقتیں ایک طرف، صرف بے مہر ہونے کی حماقت ایک طرف۔

قال رسول اللہ ﷺ تصافحوا یذھب الغل وتھادوا
وتحابوا وتذھب الشحناء (موطا)

حضور ﷺ نے فرمایا رحمۃ اللہ علیہ

''آپس میں مصافحہ کیا کرو اس سے سینے کا کینہ دھلتا ہے، باہم الفت سے ہدیے تحفے دیا کرو، دل کی کدورت صاف ہوتی ہے، ہدایا کا تبادلہ اگر محبت سے ہوگا تو قلبی قربت بڑھے گی، اگر ان ہدایا کی بنیاد میں خلوص ومحبت کی بجائے ریا کاری ہوگی تو مزید نفرتیں بڑھیں گی، جیسا کہ ہمارے ماحول میں شادی بیاہ وغیرہ کی جاہلانہ رسوم میں ہوتا ہے۔''

”میں نے تو آپ کے بیٹے کی شادی پر ہزار (1000) روپے کا جوڑا دیا تھا، اب میری باری آئی تو یہ کیا گھٹیا جوڑے کا ہمارے اوپر احسان کر رہی ہو؟ ایہنوں رکھ جھگے وچ وغیرہ وغیرہ۔

اب بتائیے یہ انداز الفت ہیں؟ یوں محبت بڑھے گی یا نفرت پھیلے گی؟ اگر مقصود رضائے الٰہی ہو تو یقیناً محبت بڑھے گی۔

قال رسول ﷺ تمام التحية الاخذ باليد“

”مصافحہ کرنے سے سلام مکمل ہوتا ہے۔“

قال ﷺ :مامن مسلمين يلتقيان فيتصا فحان الا غفر لهما قبل ان يتفرقا

”جب دو مسلمان باہم مل کر مصافحہ کرتے ہیں تو دونوں کے جدا ہونے سے پہلے دونوں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔“ (ترمذی)

اس مادہ پرست دنیا نے انسان کو کیسا سنگدل بنا دیا ہے:

حالانکہ خندہ پیشانی سے ملنے پر، مصافحہ کرنے پر، سلام کہنے پر کتنے روپے صرف ہوتے ہیں؟ کچھ بھی خرچ نہیں ہوتا، مفت کا ثواب کمانا بھی بھاری ہو گیا ہے، جہاں مفت کے نیک عمل سے محرومی قبول کر لیں، وہاں بڑی بڑی قربانیوں کی کیا توقع ہو سکتی ہے؟ شیطان نے کس ڈھنگ سے نیکیوں سے دور کر دیا ہے؟

قال رسول اللهﷺ ! مثل القلب كريشة بأرض فلاة يقلبها الريح ظهر البطن“

”حضور ﷺ نے فرمایا: دل کی مثال پرندے کے اس پر کی طرح ہے جو کھلے میدان میں ہو، ہوائیں اسے اڑائے پھرتی ہوں، کبھی اس کا اوپر والا حصہ نیچے ہوتا ہے اور کبھی نیچے والا اوپر۔“

غور کیا جائے تو دل واقعی اتنا ہلکا ہوتا ہے، کتنے ہی خیالات و وساوس کا گذر اتنی تیزی

سے ہوتا ہے کہ بیٹھے بیٹھے آدمی کبھی ہزاروں میل دور پہنچ جاتا ہے، یکا یک آسمانوں کی سیر ہو رہی ہوتی ہے، آن واحد میں کبھی دفتر، کبھی مسجد، کبھی کھیل کے میدانوں، کبھی واہیات محفلوں میں، جگہ جگہ پہنچا ہوتا ہے، تیز آندھیاں اس پر چلتی ہیں۔

؎ ذرا سا اک دل دیا ہے وہ بھی فریب خوردہ ہے آرزو کا

اس لئے حضور ﷺ دعا کیا کرتے تھے۔

يا مقلب القلوب ثبت قلبي على دينك۔

''اے دلوں کو الٹ پلٹ کرنے والے اللہ میرے دل کو دین پر جمائے رکھنا۔''

قرآن مجید میں یہ دعا اہل ایمان کرتے ہیں۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا (8-3)

''اے ہمارے رب! ہدایت نصیب ہو جانے کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ آ جائے۔''

ہمارے ایک بزرگ دوست (خدا ان کی قبر کو روشن اور پر سکون رکھے) نے کافی مدت پہلے قوم کی خستہ حالی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ایک بار ایک دکاندار سے میں نے کہا: کیا وجہ ہے آپ چیز کی قیمت بتاتے وقت جھوٹ بولتے ہیں، کئی گنا ریٹ بڑھا کر بتاتے ہو۔

اس نے کہا: قاضی صاحب! کیا کریں؟ سچ بولنے سے گاہک اعتبار نہیں کرتا۔ وہ کہتا رہتا ہے اور رعایت کرو اور رعایت کرو، تو ہم پہلے سے اتنا زیادہ بتاتے ہیں کہ کم کرتے کرتے ہمارے ہدف پر سودا ہو جاتا ہے۔ یہ مجبوری ہے۔ قاضی مرحوم نے فرمایا! اچھا یہ چال آپ کی بحث وتکرار کرنے والے گاہک سے ہے، لیکن جب ہمارے جیسا بھولا بھالا آدمی آپ سے ریٹ پوچھتا ہے، پھر بغیر کسی بحث وتکرار کے شرافت سے آپ کو وہ دام دے دیتا ہے، کیا آپ نے کبھی ایسے سادہ لوح کو فالتو بتائی ہوئی رقم واپس کی ہے؟ کہ جناب یہ میں آپ کو زائد بتا بیٹھا تھا۔ اس بات پر دکاندار کھسیانی ہنسی ہنسنے لگا کہ ایسا تو کبھی نہیں کیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اپنی تالیف فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ایک واقعہ نقل کیا ہے۔

جناب جریر رضی اللہ عنہ کے غلام نے تین صد (300) درہم کا گھوڑا خریدا، جریر رضی اللہ عنہ نے گھوڑے کو دیکھ کر اسے بیچنے والے سے کہا یہ گھوڑا تین سو (300) سے زیادہ قیمتی ہے۔

اس دیہاتی بے چارے نے کہا: چلو آپ چار صد (400) دے دیں، انہوں نے کہا: یہ اب بھی مہنگا ہے، اس نے اور قیمت بڑھائی کرتے کرتے آٹھ صد (800) درہم اسے عنایت کیے کہ تیرا گھوڑا تین صد (300) کے بجائے آٹھ صد (800) کا ہے۔

کیا دیانت ہے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی:

الدین النصیحه حدیث کے تحت یہ واقعہ نقل ہوا ہے، اور دین نام ہے خیر خواہی ہمدردی کا، اس کے نمونے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سوانح میں ملتے ہیں۔

اسی لئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشهداء (ترمذی)

سچا امانتدار تاجر روز محشر نبیوں، صدیقوں، شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

مومن سراپا محبت ہوتا ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم المومن مألف ولاخیر فیمن لایألف ولا یؤلف (احمد)

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مومن سراپا محبت والفت ہے۔ اس شخص میں کوئی خیر نہیں جو کسی سے الفت رکھتا ہو نہ کوئی دوسرا اس سے رکھے۔

جب آدمی دوسروں کو محبت کے پھول دینے سے بخیل ہو جائے، پھر دوسروں کو کیا پڑی ہے کہ اس سے محبت کریں، یہ دنیا مکافات عمل رکھتی ہے، کہتے ہیں کنوئیں میں جیسی آواز دو گے جواباً ویسی ہی آواز سن لو گے تمنا ہر فرد بشر کی یہ ہے کہ لوگ مجھ سے پیار کریں۔ نسخہ نہایت سادہ اور آسان ہے کہ آپ ہر کسی سے پیار کریں۔ لوگ آپ سے پیار کرنا شروع کر دیں گے۔

قرآن نے تو یہاں تک کہا ہے:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ (حم سجدہ، 34)

تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو، تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے! جناب عمر رضی اللہ عنہ قبل از اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان کے دشمن اور خون کے پیاسے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن سلوک اور پر خلوص دعاؤں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں آرہے حتیٰ کہ اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں دے دی۔ کہاں ننگی تلوار لے کر گردن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درپے کہاں غلامی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازاں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یمامہ کی جانب اپنے فوجی دستے روانہ کیے۔ بالآخر یمامہ کے علاقے کا بادشاہ گرفتار ہوتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے مسجد نبوی کے اندر ایک ستون سے باندھ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے پوچھا: ماعندك یاثمامه: ثمامہ کیا خیال ہے؟ کہا: قتل کرو گے تو میری قوم آپ سے میرے خون کا بدلہ لے گی، احسان کرو گے تو شکر گزار ہوں گا۔ دولت چاہتے ہو تو بولو؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ جواب سن کر چلے گئے۔ اگلے روز پھر پوچھا: اس نے وہی جواب دہرایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سن کر چل دیئے۔ تیسرے روز سوال کا وہی جواب تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا: اطلقوا ثمامه: ثمامہ کو رہا کر دو۔ ثمامہ مسجد سے جیسے جیسے باہر جا رہا ہے قدم پر رکتے جاتے ہیں، دل پیچھے مسجد کی طرف کھینچ رہا ہے، سوچ رہا ہے، کبھی کسی دشمن نے ایسے مغلوب دشمن کو زندہ چھوڑا نہیں ہے، میں تو دھمکی بھی دیتا رہا ہوں۔ مسجد کے قریب ہی پانی سے غسل کر کے مسجد میں واپس آ کر بلند آواز سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کلمہ شہادت پڑھتا ہے۔ پھر کہتا ہے: ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! قبل ازیں آپ کا چہرہ دنیا بھر کے چہروں سے زیادہ ناپسندیدہ تھا، مگر اب روئے زمین کے چہروں میں سب سے پیارا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک لگ رہا ہے، اس سے پہلے آپ کا دین آپ کا شہر بہت برا لگتا تھا۔ اب ہر چیز محبوب ہوگئی ہے۔ پوچھتا ہے میرا عمرہ کرنے کا ارادہ ہے،

آپ ﷺ نے بشارت کے ساتھ حکم دیا کہ جاؤ عمرہ کرو۔ مکہ پہنچا تو کسی نے طنز کی: ثمامہ بے دین ہو گیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں بلکہ محمد ﷺ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا ہوں: ثمامہ نے کفار مکہ کے برے رویے سے تنگ آ کر دھمکی دے دی کہ ٹھیک آئندہ یمامہ کی جانب سے گندم کا ایک دانہ بھی آپ تک نہ پہنچنے دوں گا۔ جب تک کہ میرے رسول ﷺ مجھے حکم نہ دیں۔ قحط کا زمانہ تھا۔ غلہ ادھر سے آنا بند ہوا تو اہل مکہ کو دن میں تارے نظر آنے لگے، اس قدر بھوک نے ستایا کہ حضور ﷺ سے التجا کرنا پڑی کہ آپ ﷺ کے رشتہ دار آپ کا خون ہیں، یہ بھوک سے تڑپ رہے ہیں ثمامہ کو کہیں وہ غلہ نہ روکے۔ رحمۃ للعالمین ﷺ کو ظالموں پر ترس آتا ہے اور ثمامہ کو غلے کا لکھ بھیجا۔

کیا کمالات ہیں حسن اخلاق کے ہمارے جیسا ہوتا تو کافر کو مسجد میں بندھا دیکھ کر پہلا حکم یہ دیتا کہ نکالو اسے مسجد سے وہ صفیں جلا دو، جہاں اس ناپاک کے قدم لگے ہیں، فرش کو دھو ڈالو پلید ہو گیا ہے، لیکن سرکار دو عالم ﷺ کے اخلاق عالیہ سب سے نرالے اور من موہنے والے ہیں۔ جو دشمن کو بھی اپنے دام الفت میں اسیر کر لیتے ہیں۔

زندگی کچھ اور شے ہے علم ہے کچھ اور شے
زندگی سوز جگر ہے، علم ہے سوز دماغ

(اقبال)

صلیبی جنگوں میں فتح پاتے پاتے صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ نے جب بیت المقدس کو فتح کیا۔ تو اعلان کر دیا:

شہر کے باشندے اپنا اپنا فدیہ دے کر سلامتی سے جدھر چاہیں جا سکتے ہیں، انہیں جان کا کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہیے۔ صاحب حیثیت لوگ فدیے دے گئے، دشمن فوجی قید میں تھے۔ ان کی عورتوں نے آ کر فریاد کی ہمارے پاس فدیہ دینے کو کچھ نہیں، کیونکہ ہمارے شوہر گرفتار ہیں۔ ایوبی رحمہ اللہ کا دل خواتین کی بے کسی دیکھ کر پگھل گیا۔ کہا: نہ صرف ان عورتوں کا فدیہ معاف ہے بلکہ ان کے شوہروں کو بھی رہا کر دو اقبال رحمہ اللہ اسی مروت کے متعلق کہتے ہیں:

مسلماں کے لہو میں ہے سلیقہ دلنوازی کا
مروت حسن عالمگیر ہے مردان غازی کا

90 برس پہلے جب عیسائیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کیا تھا، نہ کسی بچے کو معاف کیا نہ کسی عورت کو چھوڑا نہ بوڑھے کو، سب کو تہ تیغ کیا۔ حتیٰ کہ صحن مسجد میں گھوڑوں کے گھٹنوں تک خون بھر گیا تھا، یہ فرق ہے اسلام اور عیسائیت میں، دہائی یہ دی جاتی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے، مذہب افیون ہے، مسلمان جنونی ہوتے ہیں، جبکہ تاریخ اسلام میں اسلامی فوجوں نے کبھی بے گناہوں کا یوں قتل عام نہیں کیا۔ پاکستان کو ایٹم بم اس لئے نہیں بنانا چاہئے کہ مسلمان جذباتی ہوتے ہیں۔ جب کہ اپنی دیوانگی ودرندگی نظر ہی نہیں آتی، انیولا کے بی 29 طیارے نے صرف 16 منٹ میں ایٹمی بمباری کر کے 12 لاکھ افراد کو جاپان میں موت کی نیند سلا دیا تھا، میاں مٹھو کو اپنی باتیں یاد ہی نہیں، اگر پاکستان کہتا ہے کہ ہمیں ایٹمی توانائی کی ضرورت ہے، بجلی ناکافی ہوگئی، ایسٹ انڈیا کمپنی کے روپ میں تاجرانہ بھیس بدل کر کراچی ڈیرے ڈال دیئے ہیں، حکومت پاکستان نے بجلی گھر بنوانے کے سودے کر لئے، جب کہ ان دانا تاجروں کی چال یہ ہے کہ بجلی مہیا کر دو تاکہ ایٹمی پلانٹ کا جواز ہی ختم ہو جائے۔

سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

بڑی طاقتیں، بہت وفا شعار، وعدوں کی پاسدار ہوتی ہیں، انہیں ناراض نہیں کرنا چاہئے، ورنہ ہمیں دہشت گرد قرار دے دیں گی۔ ایف 16 کے وعدے سے مکرنا، رقم وصول کر کے ڈکار مار جانا۔ 1971ء میں امریکی بحری بیڑے کا راستے میں حرکت کرتے رہنا اور ساحل مراد تک نہ پہنچنا۔

LOOK BUSY DO NOTHING

ہم خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا
پھر بھی ہمارا دل اسی معشوق کے عشق سے سرشار ہے

اغیار لکیریں کھینچ گئے ہم لوگ فقیری کرتے ہیں
معشوق جو ہم سے روٹھ گیا تصویر پہ اس کی مرتے ہیں

(نعیم صدیقی)

خیر بات ہو رہی تھی مسلمانوں کے باہمی تعلقات پر جو دشمنوں سے بھی مروت کرتے ہیں، فی الحال تو ہمیں اپنے گھر کی فکر ہونی چاہئے۔ دشمن کا مسئلہ بعد کی بات ہے۔

قال رسول الله ﷺ : المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا ثم شبك بين اصابعه (متفق علیہ)

''مومن مومن کیلئے عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کے لئے سہارا بنتا ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے مثال دیتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں داخل کیں۔ یعنی خوشحالی و بدحالی میں ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔ مسلمانوں میں مسالک و مذاہب نے کافی حد تک امت کی قوت کو کمزور کیا ہے۔ اب تو ایک ایک مسلک کی کئی کئی شاخیں ہیں، کوئی گستاخ رسول ﷺ ہے، کوئی بدعتی ہے، کوئی مشرک ہے، کوئی توہین صحابہ کرتا ہے۔ یہ چاروں نامور گروہ کم از کم اللہ کی ربوبیت، محمد ﷺ کی رسالت، قرآن کریم اور کعبے کی مرکزیت پر تو متفق ہیں، بلکہ ہندوستان میں ہندوؤں کے مقابلے میں، کشمیر میں، افغانستان میں، بوقت جہاد بخلاف روس، اسی طرح بوسنیا وغیرہ میں ہم آواز و ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ عصبیت کے تماشے فارغ البالی میں لگتے ہیں ''وہلی رن پروہنیاں جوگی'' ان سب کو غلبہ اسلام کے لئے دنیا کی باطل قوتوں کے مقابل جہاد میں مصروف کر دیا جائے تو پھر مصیبت میں سب اکٹھے بھی ہو جاتے ہیں اور سب میں گاڑھی چھننے لگتی ہے۔ 1965ء میں بھارت کی جارحانہ جنگ کے وقت سب مسلمان متحد ہو گئے تھے۔ ان سترہ (17) دنوں میں نہ کوئی وہابی کی آواز سنائی دی۔ نہ بریلوی، نہ دیوبندی وغیرہ کی، سارے ہی اللہ اللہ کر رہے تھے، باہمی اختلافات بھول گئے تھے۔ معلوم ہوا جہاد اس منتشر قوم کو منظم کر سکتا ہے۔ دوسرا علاج یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں علماء کرام اتحاد و اتفاق کے مسائل کو اجاگر کر کے قوم کی تربیت کریں۔ ایک دوسرے کو کافر بنانے والے مسائل کو رفتہ رفتہ ترک کر دیں۔ یعنی ایک دوسرے کو چڑانے کے لئے عبادت نہ کی جائے، صرف خدا کی رضا کے لئے کی جائے۔ مثلاً بلند آواز سے آمین کہہ کر

احناف کو ڈرانا، چڑانا مقصود ہو تو عبادت الٰہی نہیں رہے گی۔ لاؤڈ سپیکروں پر درود شریف گانوں کی طرز پر پڑھ کر گروہ مخالف کو چڑانا ہے تو عبادت تو نہ ہوئی، اگر تعزیہ کا جلوس عبادت سمجھ کر نکالا جانا ہے تو بھیڑ میں سے خود بھی تنگ ہو کر اور دوسروں کو تنگ کر کے بازاروں میں سے گزارنے کے بجائے خالی میدانوں میں کام کر لیا جائے تو کیا حرج ہے؟ ہر مسلک وہ طریقہ اختیار کر لے جس سے دوسروں کی دل آزاری مطلوب نہ ہو تو امن ہو سکتا ہے۔ جو قوت اور صلاحیتیں آپس میں لڑ جھگڑ کر ضائع کی جاتی ہیں، وہ سب مل کر کفر کے خلاف استعمال کریں۔

سچی بات یہ ہے کہ کفر مسجدوں کے بجائے حکومتوں کے ایوانوں میں ہے اس کی خبر لی جائے، حکومت اپنی قوت کے زور سے شراب خانے کھول دیتی ہے، حالانکہ شراب کسی مسلک میں حلال نہیں، حکومت چکلوں کے لائسنس دیتی ہے، جب کہ زنا ہر مسلک میں حرام ہے، حکومت سود کو حلال کر کے اللہ اور رسول ﷺ سے اعلان جنگ کرتی ہے، جب کہ سود کسی مسلک میں حلال نہیں۔ اسی طرح غور کیا جائے تو اصل کفر و باطل کی قوت اقتدار بد کے پاس ہے۔ اسی کی وجہ سے ساری قوم طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہے، قتل ہو رہے ہیں ڈاکے پڑ رہے ہیں، اغوا ہو رہے ہیں، یہ سب جرم کس مسلک میں جائز ہیں؟ بے حیائی کی کونسا مسلک اجازت دیتا ہے۔

قال رسول ﷺ المؤمنون كجسد واحد ان اشتكى عينه اشتكى كله و ان اشتكى رأسه اشتكى كله (مشکوٰۃ)

فرمایا حضور ﷺ نے:

”تمام مسلمان فرد واحد کی طرح ہیں، آنکھ دکھتی ہے تو پورا بدن بے قرار ہو جاتا ہے۔ اگر سر میں درد ہوتا ہے تو سارا جسم بے چینی اور تکلیف محسوس کرتا ہے۔“

کیسے عمدہ قسم کے ارشادات نبوی ﷺ ہیں!

خداوند کریم ہمیں ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب کر دے۔ آج ہمارے اڑوس پڑوس میں کتنے مظلوم و مجبور مرد، عورتیں، بچے بوڑھے سسک رہے ہیں، بلک رہے ہیں۔

کون ہے جو یہ احساس کرے کہ اپنی آنکھ کے درد کی طرح کسی دوسرے مسلمان کے درد کا درماں کرے۔کون ہے جو حضور ﷺ کی طرح دوسروں سے دکھ سہہ کر،ان کے سکھ کا سامان کرے۔کون ہے جو دشمن سے پتھر کھا کر،انہیں دعائیں دے؟

کون ہے جو سرِشام پریشان حال بڑھیا کا سامان اٹھا کے اسے منزل تک پہنچا آئے۔

کون ہے جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح رات کی تاریکی میں ایک معذور بڑھیا کے گھر کی صفائی کرے؟ کون ہے جو عمر رضی اللہ عنہ کی طرح،راشن اپنی کمر پر اٹھا کر،اپنی بیوی کو ساتھ لیکر کسی خانہ بدوش کی مدد کو جا پہنچے؟ کون ہے جو عثمان رضی اللہ عنہ کی طرح اپنا سارا مال تجارت جہاد میں جھونک دے؟ کون ہے جو علی رضی اللہ عنہ کی طرح دشمن کے سینے پر بیٹھ کر،صرف اس لئے اسے چھوڑ دے کہ اس نے منہ پر تھوک دیا تھا؟ کون ہے جو دختر حاتم طائی جیسی کو ننگے سر گرفتار دیکھ کر اپنی چادر مبارک سے اس کا سر ڈھانپ دے۔

ہے آج کوئی جو اپنے ملازم کو سواری پر بٹھا کر خود پیدل چلے؟

ہے کوئی آج جو اپنے اوپر کوڑا اچھینکنے والی کی عیادت کرے؟

ہے کوئی جو غریبوں کی مجلس میں بیٹھ کر ان کی دلجوئی کرے؟

ہے کوئی جو ابن قاسم کی طرح مظلوم خواتین کی پکار پر لبیک کہے؟

ہے کوئی جو عہدہ چیف جسٹس کے بجائے جیل قبول کرے؟

ہے کوئی جو امام مدینہ رحمہ اللہ بن کر کوڑے کھائے؟

ہے کوئی ابن حنبل رحمہ اللہ جو دین کو عظیم سہارا دے جائے؟

ہے کوئی جو ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرح جبر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بات کرے؟

ہے کوئی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ جو شاہی دربار میں حق کا اعلان کرے؟

ہے کوئی سید قطب رحمہ اللہ جیسا جو وزارت تعلیم کے بجائے پھانسی کو ترجیح دے؟

ہے کوئی ابراہیم علیہ السلام جیسا جو وقت کے نمرودوں سے ٹکرائے؟

ہے کوئی فرزند اسماعیل علیہ السلام جیسا،جو باپ کی چھری کے نیچے اپنی گردن رکھ دے؟

؎ یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

☆ چشم فلک نے یہ سب نظارے دیکھے ہیں
آج بھی سب کچھ ممکن ہے خدا سے مانگیں

؎ بے لوث محبت ہو، بے باک صداقت ہو
سینوں میں اجالا کر، دل صورت مینا دے
احساس عنایت آثار مصیبت کا
امروز کی شورش میں اندیشہ فردا دے
میں بلبل نالاں ہوں اس اجڑے گلستان کا
تاثیر کا سائل ہوں، محتاج کو داتا دے
(اقبال)

قال رسول اللہ ﷺ !من ذب عن لحم اخیه بالمغیبة کان حقا علی اللہ ان یعتقه من النار

حضور ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اپنے مسلمان بھائی کے گوشت کی اس کی غیر حاضری میں مدافعت کی تو اللہ پر لازم ہے اسے جہنم کی آگ سے آزاد کرے۔'' (بیہقی)

یعنی مومن کی شان صرف یہ ہی نہیں کہ خود صاف دل رہے بلکہ دوسروں کے دل کی صفائی کا اہتمام کرے، کسی کو کسی سے غلط فہمی ہے تو اسے رفع کروائے تاکہ سب کے دل ایک دوسرے کے لئے صاف ہوں، دل صاف ہو جائیں تو زبان خود بخود صاف ہو جاتی ہے۔ غیبت کے تیر ونشتر زبان سے اسی وقت چلتے ہیں جب دل میلا ہو۔ اسی لئے حضور ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے۔ حسن الظن من حسن العبادة

''حسن ظن (خوش گمانی) بھی عبادت کے حسین مدارج میں سے ہے۔'' (رواہ احمد)

جتنا بھی ممکن ہے دوسرے کے بارے میں دل صاف رہے۔ خواہ مخواہ دوسروں کی کرید لگاتے پھرنا، پھر اس کے چرچے کرنا مناسب کام نہیں۔

قرآن یہ بھی تعلیم دیتا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ○ مَلِكِ النَّاسِ ○ اِلٰهِ النَّاسِ ○ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ○ الَّذِىْ يُوَسْوِسُ فِىْ صُدُوْرِ النَّاسِ ○ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ○

پلٹ پلٹ کر وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے اللہ کی پناہ مانگنا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان الشیطان یجری من ابن آدم مجری الدم، و انی خشیت ان یقذف فی قلو بکما شیئاً اوقال ، شراً

(بخاری و مسلم)

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اعتکاف میں آپ کی زوجہ صفیہ رضی اللہ عنہا ملنے آئیں اور آپ اسے واپس چھوڑنے کیلئے جا رہے تھے تو راستے میں دو گزرنے والوں کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضاحت فرما دی۔ کہ میری اہلیہ ہیں۔ تمہارے دل میں کوئی غلط بات نہیں آنا چاہیے کیونکہ شیطان انسانی جسم میں یوں گردش کرتا ہے جیسے خون کی رگوں میں لہو چلتا ہے۔

خواہی کہ عیب ہائے تو روشن شود ترا
یک دم منافقانہ نشیں در کمین خویش

(عرفی رحمۃ اللہ علیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

دل کی خرابیاں

ابھی علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کی ''مدارج السالکین'' جلد اول دیکھ رہا تھا تو ''مفسدات القلب'' پر نظر اٹک کے رہ گئی۔ جو چیز آدمی کو پسند آئے اس کی تمنا ہوتی ہے کہ اسے دوسرے بھی دیکھیں۔ فوراً قلم تھام کے بیٹھ گیا۔ تاکہ اپنی دلی خرابیوں سے آگاہی حاصل ہو اور پڑھنے والوں کا بھی بھلا ہو۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''دل کو روحانی طور پر خراب کرنے والی پانچ (5) بیماریاں ہیں۔''

1. برے دوستوں کی کثرت
2. خوش کن طویل آرزوئیں
3. اللہ کے سوا چیزوں میں دل کا اٹک جانا
4. شکم سیر ہونا
5. اور بلا کی نیندیں

حالانکہ دل کا اصل کام یہ ہے کہ اللہ کی طرف لپکتا ہے، آخرت کا شیدائی ہوتا ہے۔ راہِ حق کے حجابات دور کرتا ہے۔ صراطِ مستقیم کے ڈاکوؤں، عمل اور نفس کی آفات سے خبردار کرتا ہے کیونکہ دل کو حق تعالیٰ نے روشنی، زندگی، قوت، صحت، عزم بخشا ہوتا ہے۔ اگر مذکورہ (5) پانچ روگ دل کو لگ جائیں تو دل کا نور کھو جاتا ہے۔ بصیرت کی آنکھ روشن نہیں رہتی۔ دل کے کان بہرے ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ ظاہری کان اور زبان کام کر رہے ہوتے ہیں۔ مذکورہ بیماریوں سے اعضائے جسم کمزور پڑتے ہیں۔ صحت خراب اور عزیمت تباہ ہوتی ہے۔ ہمتیں جواب دے دیتی ہیں بلکہ پیچھے پلٹ جانے پر مجبور کرتی ہیں۔ جرأت اقدام باقی نہیں رہتی۔ جس کسی کو ان بیماریوں کا شعور و ادراک نہیں وہ تو اپنے دل پر موت وارد کر بیٹھا۔ آپ جانتے ہیں جس پر موت وارد ہو جائے وہ زخم لگنے پر بھی تکلیف محسوس نہیں کرتا۔ یعنی جان ہوگی تو زخم تڑپائے گا۔ پھر مردہ دل کیونکر ٹیس محسوس کرے۔ یقین مانئے! حقیقی خوشگوار زندگی پر

لطف زندگی، مسرور زندگی، باکمال زندگی صرف اللہ کی معرفت و محبت سے میسر آتی ہے۔ اس کی شیریں یاد سے سکون ملتا ہے۔ اس کی قربتوں میں فرحت و شادمانی ہے۔ اسی سے ملاقات کا شوق سرور بخشتا ہے۔ جسے یہ نعمتیں مل جائیں اسے تو موت سے پہلے ہی اسی دنیا میں جنت نصیب ہوگئی۔ ایسے خوش قسمت کو دو جنتیں مل گئیں، ایک دنیا میں اور ایک آخرت میں۔ یعنی جسے دنیا میں جنت نہ مل سکے وہ آخرت کی جنت میں نہ جا سکے گا۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے اپنے استاد شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے سنا تھا:

''جو اس دنیا کی جنت نہ پاسکا وہ آخرت میں جنت کیسے پائے گا۔''

کسی خدا رسیدہ بزرگ کا کہنا ہے اہل دنیا چاہے کتنے ہی دولت و حکومت کے مالک ہوں وہ اس دنیا سے مسکینی کی حالت میں جاتے ہیں۔ ہزاروں نعمتیں پاکر بھی وہ حقیقی لطف نہ پاسکے۔ پوچھا گیا وہ کیا ہے؟ کہا وہ لطف ہے اللہ کی محبت کا، اس کے پیار کا، اس سے ملنے کے شوق کا، اس کے استقبال کا اور اس کے سوا ہر چیز سے بے نیازی کا جسے بھی زندہ دل مل جائے وہ اس کی گواہی دے گا اور اس کے مزے لوٹے گا۔ اولاد آدم کے منہ سے یا ناک سے جو سانسیں آرہی ہیں وہ محض ہوا نہیں ہے وہ تو ایک دھواں ہے جس سے فضائے بسیط ہی مکدر نہیں ہے بلکہ اس دھویں سے دل سیاہ ہو رہے ہیں۔ دل کے ٹکڑے ہو رہے ہیں۔ دل غموں کی آماجگاہ بن رہا ہے، دل بیٹھتا جا رہا ہے۔ موہوم تمناؤں کا ایک صحرا بن کے رہ گیا ہے۔ اس دل میں اللہ اور آخرت کے لئے کیا باقی رہ گیا ہے؟ بری صحبتوں اور غلط کار دوستوں نے کہاں سے کہاں پہنچا دیا؟

قرآن مجید نے وہ منظر کشی کی ہے:

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ○ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ○ لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ۔ (سورۃ الفرقان: 27تا29)

''اس روز ظالم انسان اپنے ہاتھ چبائے گا اور کہے گا کاش! میں نے

رسول ﷺ کا ساتھ دیا ہوتا، ہائے میری کم بختی کاش! میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس کے بہکاوے میں آ کر میں نے وہ نصیحت نہ مانی جو میرے پاس آئی تھی۔"

اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ

"وہ دن جب آئے گا تو متقین کو چھوڑ کر باقی سب دوست ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے۔" (سورۃ الزخرف:67)

یہ ہے انجام اس دوستی کا جو خودغرضی پر ہوگی۔ مطلب بر آنے پر دوستی کا نتیجہ حسرت، ندامت، غم اور دکھ ہوگا۔ بلکہ محبت، نفرت میں بدل جائے گی۔ دوستی، دشمنی بن جائے گی، جو چاہتا ہے کہ اس کی دوستی لازوال ہو، پائیدار ہو، نفع بخش اور نتیجہ خیز ہو تو اسے چاہئے کہ نیکی کے کاموں میں دوست بنائے اور اپنے حلقہ دوستاں کو جہاں تک چاہے وسعت دے۔ مثلاً نماز باجماعت کے دوست، نماز جمعہ کے دوست، عید کے اجتماع میں دوست، حج کے عالمگیر اجتماع میں دوست، علم دینی کے ہم جماعت، جہاد کے میدانوں کے ساتھی، خیر خواہی کے رفقاء۔

جھوٹی تمنائیں:

دل کی دوسری خرابی یہ ہے کہ انسان بحر تمنا میں تیرنے لگے۔ یہ وہ بحر ہے جس کا کوئی ساحل ہی نہیں ہے۔ روئے زمین کے کنگال اس کے شناور بن جاتے ہیں۔ یہ کہاوت ہے کہ مفلسوں کی جمع پونجی صرف تمنا ہوتی ہے۔ شیطان کے پرفریب وعدے ان کی ڈھارس ہوتے ہیں۔ بہتانوں اور خیالوں کی دنیا کے باسی ہوتے ہیں۔ جھوٹی امیدوں کی لہریں انہیں ہر طرف سے تھپڑے رسید کرتی ہیں۔ ایسے تیراک سے موجیں یوں کھیلتی ہیں جیسے کتے مردار سے کھیلتے ہیں۔ ایسے ارمانوں کی دنیا میں گھٹیا اور خسیس لوگ بستے ہیں۔ وہ اس خیالی دنیا سے نکل کر حقائق کی وادیوں میں قدم رکھنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔

کسی کی تمنا ہے کہ قوت و طاقت حاصل ہو جائے، حکومت و اقتدار مل جائے وہ

شب وروز اسی تمنا میں جیتے اور مرتے ہیں۔ کسی کی خواہش ہے کہ ملک ملک کی سیر کرے۔ سفر کی تمام آسائشیں اور سہولتیں مل جائیں۔ کسی کو ہر وقت دولت جمع کرنے کا خمار چڑھا ہوا ہے۔ حلال وحرام کی تمیز کئے بغیر سب دنیا کی دولت سمیٹنے کی تمنا اسے چین سے بیٹھنے نہیں دیتی۔ کوئی جنسی خواہشات کا غلام ہے۔ چاہتا ہے کہ ہر ہر روز نئی سے نئی عورت اسے تسکین بہم پہنچائے اور وہ ان سے لطف اندوز ہوتا رہے، لیکن جب موت کے وقت حقیقت کا پردہ اس کی آنکھ سے اٹھے گا تو حسرت وندامت کے سوا اس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہ ہوگا۔

اس کے برعکس وہ زیرک ودانا بھی ہے جو ان جھوٹی تمناؤں کے پردوں میں سے اس پار جھانک کر دیکھتا ہے۔ اس کی تمنائیں علم اور ایمان کے گرد گردش کرتی رہتی ہیں بلکہ ایسے عمل کا آرزومند رہتا ہے جو اسے اللہ کے قریب کر دے۔ گویا کہ تمنا دو طرح کی ہوئی، ایک کی بنیاد ایمان نور اور دانائی۔ دوسری کی بنیاد خود فریبی اور اپنے آپ سے دھوکہ ہے۔ طالبِ خیر مبارک ہے جو نیکی کا چاہنے والا ہو، ایسے شخص کی حضور ﷺ تعریف فرماتے ہیں۔ بعض دفعہ صرف نیکی کی چاہت کرنے پر بھی وہ اجر مل جاتا ہے، جیسے کہ اس نے وہ نیکی سرانجام دے دی ہو۔ مثلاً کوئی آرزو کرے کہ کاش میرے پاس بھی دولت ہوتی میں اسے اللہ کی راہ میں لٹاتا، میں رشتے داروں کے حقوق ادا کرتا، میں احباب میں تحائف دے کر الفتیں بڑھاتا۔

غیر اللہ سے یاری:

دل کی سب بیماریوں میں سے بڑی بیماری یہ ہے کہ آدمی اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے تعلقات پیدا کر لے۔ یہ سب سے بڑا موذی مرض ہے۔ جب آدمی غیر اللہ کا سہارا ڈھونڈ لے تو اللہ اسے اسی کمزور سہارے کے سپرد کر دیتا ہے۔ اسے رسوائیوں کا ہر وقت سامنا ہوتا ہے۔ اللہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ غیر اللہ کا سہارا رکھنے والا یوں ہے جیسے وہ عنکبوت (مکڑی) کے گھر میں رہے۔ مکڑی نے جو جال بن کے گھر بنایا ہے۔ اس سے نہ سردی سے بچاؤ ہوگا نہ گرمی سے۔ تو کیا فائدہ ہے اس گھر کا جو جاڑے میں سردی نہ روکے

اور گرمی میں گرمی نہ روکے۔ کتنا کمزور اور ناپائیدار ہے وہ گھر جو غیر اللہ کا سہارا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ حذیفہ مرعشیؒ ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ کا خادم تھا۔ خادم کا بیان ہے کہ ہم مکہ مکرمہ کے سفر پر تھے۔ خوراک ختم ہو گئی۔ ہم کوفہ پہنچے۔ ایک ویران مسجد میں پناہ لی۔ ابراہیم رحمہ اللہ نے میری طرف دیکھا اور پوچھا حذیفہ! معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھوک سے ہیں۔ میں نے جواباً عرض کیا ایسے ہی ہوں جیسے میرے شیخ آپ فرما رہے ہیں۔ مجھے فرمایا اچھا کاغذ قلم لاؤ۔ میں لے کر حاضر خدمت ہوا۔ بسم اللہ کے بعد لکھا انت المقصود بکل حال...... الٰہی ہر حال میں تو ہی میرا مقصود و مطلوب ہے۔ پھر تین اشعار لکھے:

انا حامد انا شاکر انا ذاکر
انا جائع انا ضائع انا عاری
هی ستة وانا الضمین لنصفها
فکن الضمین لنصفها یا باری
مدحی لغیرك لهب نار حصنتها
فاجر عبیدك من دخول النار

”میں تیری حمد کرنے والا، میں شکر کرنے والا میں تجھے یاد کرنے والا، میں بھوکا، میں بے آسرا، میں عریاں ہوں۔ یہ چھ (6) میرے اوصاف ہیں۔ ان میں سے نصف کا میں ضامن ہوتا ہوں اور اے میرے پروردگار! نصف کا تو ضامن ہو جا۔ تیرے سوا کسی کی تعریف کروں تو بھڑکتی آگ اس کی سزا ہے۔ اپنے غلام کو نارِ جہنم سے پناہ دے دے۔“

یہ خط لکھ کر مجھے تھما دیا اور فرمایا لے جاؤ، کسی غیر اللہ سے دل نہ لگانا۔ باہر جو شخص تجھے پہلے ملے اسے یہ خط دے دینا۔ میں خط لے کر جب باہر آیا تو ایک شخص خچر پر سوار ملا۔ میں نے خط اسے دیا۔ اس نے پکڑا اور پڑھا پھر اشک بار ہوا۔ مجھ سے پوچھا، یہ خط لکھنے والا کہاں ہے؟ میں نے بتایا فلاں مسجد میں ہے۔ پھر اس نے مجھے ایک تھیلی دی اس میں چھ صد

(600) دینار تھے۔ پھر میں ایک اور شخص سے ملا اور اس سے خچر سوار کے بارے میں پوچھا کہ یہ کون تھا؟ اس نے بتایا کہ وہ عیسائی تھا۔ میں واپس حضرت ابراہیم ؒ کے پاس آیا سارا ماجرا اسے کہہ سنایا۔ انہوں نے فرمایا اس تھیلی کو ہاتھ نہ لگانا، ممکن ہے وہ ابھی آ جائے۔ خیر وہ تھوڑی دیر بعد نظر آیا ابراہیم ؒ کے اوپر جھک گیا ان کا سر چوم لیا ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ (مکاشفۃ القلوب)

یہ نتیجہ ہے توکل علی اللہ کا۔ حضرت ابراہیم ؒ نے غیر اللہ پر بھروسہ نہ کیا تو اللہ نے صرف ضروریات ہی پوری نہیں کیں بلکہ ایک مالدار عیسائی کو ان کے دست مبارک پر اسلام کا شرف بخشا۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

چوتھی: بیماری دل، طعام:

طبی نکتہ نظر سے آج دل کی بیماریوں پر بہت تحقیقات ہو رہی ہیں۔ خصوصی ماہرین (Specialists) تیار ہو رہے ہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ تحقیقاتی ادارے اور تجربہ گاہیں (Laboratories) وجود میں آ رہی ہیں بھاری اخراجات ہو رہے ہیں۔ جسمانی طور پر دل بیمار ہو یا تندرست، ہر حال میں ڈاکٹر بسیار خوری سے روکتے ہیں۔ ڈاکٹروں نے بتایا کہ زیادہ کھانے سے دل کا عارضہ پیش آ سکتا ہے تو بیماری سے پہلے ہی حفظ ماتقدم کے طور پر احتیاطیں شروع ہو جاتی ہیں۔ پرہیزی غذا کا استعمال عام ہو رہا ہے۔ کیونکہ بعض مریضان قلب کا انجام آنکھوں سے نظر آتا ہے کہ کبھی یہ مرض بغیر مہلت دیئے مریض کا آناً فاناً خاتمہ کر دیتا ہے۔ اس خوفناک منظر سے ہر فرد خائف ہے اور دل کو صحت مند رکھنے کے لئے ہر طرح فکر مند ہے۔

روحانی طور پر دل بیمار ہو سکتا ہے یا کہ نہیں؟

دل کا کام (Function) جسم کے ہر ریشے تک صحت افزا خون پہنچانا ہے۔ اسی طرح روحانی طور پر جسم کے ایک ایک عضو کو درست رکھنے کا کام بھی یہ کرتا ہے۔ تاریخ

انسانی کے سب سے بڑے ڈاکٹر حضرت محمد ﷺ نے فرمایا:

الا وان في الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله، واذا فسدت فسدا لجسد كله، الا وهي القلب۔ (رواہ البخاری ومسلم)

''خبردار ہو جاؤ بدن میں گوشت کا ایک خاص ٹکڑا ہے وہ تندرست رہے تو سارا بدن تندرست رہتا ہے، اگر وہ بیمار پڑ جائے تو سارا جسم بیکار ہو جاتا ہے۔اور وہ ٹکڑا دل ہے۔

علامہ منذری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: عربی میں دل کو قلب کہتے ہیں۔اس کے لغوی معنی ہیں الٹ پلٹ ہونا۔چونکہ دل بھی بہت پلٹے کھاتا ہے۔اس لئے اس کا نام قلب ہوا۔یہ امیر بدن ہے۔سارا بدن اس کی رعیت ہے۔حاکم اور امیر ٹھیک ہوگا تو اس کی رعایا بھی ٹھیک رہے گی۔امیر بگڑ جائے تو رعایا بھی بگڑ جاتی ہے۔ (حاشیہ الترغیب، جلد دوم)

آیئے پھر ''مدارج السالکین'' کی طرف علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کھانے کی کیا خرابیاں ہیں؟ بعض اشیاء بالکل حرام ہیں جو اللہ نے حرام کر دی ہیں۔مثلاً مردار، خون، خنزیر، کچلی والے درندے، پنجے سے کھانے والے پرندے، یہ حقوق اللہ ہیں۔ اور حقوق العباد میں حرام، چوری، ڈاکہ، کسی کی رضامندی کے بغیر اس کی چیز لینا چاہے جبراً ہو یا کوئی شرماتے ہوئے بول نہ سکے اور آپ اس کی چیز اٹھالیں۔ان کے علاوہ بھی کچھ چیزیں ہیں جو نقصان دہ ہیں۔مثلاً کھانے کی حلال اشیاء میں جب آپ کھانے میں اسراف کریں۔بے تحاشہ کھا جائیں۔اتنا کھا جائیں کہ پھر ہاضمے کے چورن ڈھونڈتے پھریں۔ یعنی حلال چیزیں ہیں مگر حد سے زیادہ کھاتے ہیں کیونکہ کھانے لذیذ ہیں چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔یوں جب جانوروں کی طرح شکم سیر ہو کے کھائیں گے تو نتیجہ یہ ہوگا طبیعت بوجھل ہو جائے گی۔سستی غالب آئے گی، بدن کی چستی ماند پڑ جائے گی، شہوت جوان ہو جائے گی، جنسی تسکین کے سامان ہوں گے، شیطان انسانی بدن میں خون کی نالیوں میں سے

گردش کرے گا۔ اسی لئے روزہ رکھنا جسماً بھی مفید ہے اور روحانی طور پر بھی۔ روزے سے شیطانی راستے بدن میں مسدود ہو جاتے ہیں۔ بھوک شیطان کا راستہ روکتی ہے۔ جو زیادہ کھائے گا وہ زیادہ پیئے گا۔ پھر وہ زیادہ سوئے گا اور زیادہ خسارے میں رہے گا۔

حکیم الامت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''انسان بس اتنا کھائے جس سے اس کی کمر سیدھی رہ سکے۔ اگر زیادہ ہی کھانا ہو تو پیٹ میں تین (3) حصے تصور کر کے ایک حصے میں کھانا، دوسرے میں پانی اور تیسرے میں سانس لینے کی گنجائش چھوڑے۔''

ایک دفعہ شیطان لعین کی یحییٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے پوچھا ابلیس! کبھی تیرا وار بھی چلا ہے؟ کہا نہیں، البتہ ایک شام آپ کھانے بیٹھے تھے تو میں نے آپ کی تمنائے طعام کو بڑھا دیا۔ آپ اس شام زیادہ کھا گئے تو نیند میں مدہوش رہے اور عبادت سے محروم رہے۔ یحییٰ علیہ السلام نے قسم کھائی کہ آئندہ کبھی شکم سیر ہو کر نہ کھاؤں گا۔

کثرتِ نوم:

''بصائر ذوی التمیز'' جلد پنجم میں نوم کے بارے میں لکھا ہے۔ رطوبتوں کے بخارات جب دماغ کی طرف چڑھتے ہیں تو دماغی اعصاب ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ اس سے غنودگی اور نیند پیدا ہوتی ہے۔ نوم موت خفیف ہے اور موت نوم ثقیل ہے۔ نیند سے بدن کو آرام ملتا ہے۔

قرآن مجید کہتا ہے:...... وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا (سورۃ النساء:9)

ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں نیند کی کثرت دل کو مردہ کرتی ہے۔ جسم کو بوجھل کرتی ہے۔ وقت کو برباد کرتی ہے۔ غفلت اور سستی میں اضافہ کرتی ہے۔ کثرت نوم کی بہت خرابیاں ہیں جو بدن کو نفع دینے کی بجائے نقصان دیتی ہیں۔ نفع بخش نیند وہ ہے جو شدید ضرورت کے وقت آئے۔ رات کے ابتدائی حصے میں سو جانا قابل تعریف ہے اور آخری شب اٹھ جانا بہت مفید ہے۔ دوپہر کو قیلولہ کرنا بھی مفید ہے لیکن صبح شام سونا نحوست پھیلاتا ہے، خاص کر نماز فجر کے بعد سورج نکلنے تک سونا اچھا نہیں ہے۔ یہ وقت صحت کے لئے

بہت غنیمت ہے۔سالکین اس وقت سیر وسیاحت کرتے ہیں۔اگر چہ ساری رات سفر کرتے ہوں تب بھی وہ بعد فجر نہیں سوتے۔حتیٰ کہ سورج نکلنے کا انتظار کرتے ہیں۔صبح کا وقت نزول رزق،حصول قسمت اور حلول برکت کا وقت ہے۔خیر زیادہ نفع مند سونا وہ ہے جو بعد عشاء آدھی رات تک سوئے پھر جاگ کر نفل پڑھے اور ذکر الٰہی کرے۔پھر رات کے آخری حصہ میں کچھ دیر سو جائے۔قریباً چھ سات گھنٹے سوئے۔طبیبوں کے نزدیک بھی یہ سونا پسندیدہ ہے۔اس سے زیادہ یا کم سونا صحت کے لئے مفید نہیں ہے۔ناپسندیدہ سونا وہ ہے جو غروب آفتاب کے بعد ہو۔حضور ﷺ اسے بہت ناپسند فرماتے تھے۔یہ مکروہ شرعی بھی ہے اور مکروہ طبعی بھی۔

نیند کی کثرت سے مصیبتیں آتی ہیں۔مزاج چڑ چڑا ہو جاتا ہے۔طبیعت میں خشکی آجاتی ہے۔سانس درست نہیں آتی۔منہ وغیرہ کی رطوبتیں خشک ہو جاتی ہیں۔دل اور بدن کی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔وجود کی تندرستی میانہ روی میں ہے۔جو یہ اختیار کر لے وہ بہت سی بھلائیاں سمیٹ لے گا۔کہتے ہیں نیند موت کی بہن ہے۔شیلے (Shelle) نے بھی یہی کہا:

How wonderful is dear?
Death and his brother sleep.

علامہ ابن جریر رحمہ اللہ نے آیۃ الکرسی کے جملہ......لاتاخذہ سنۃ ولانوم......

کے تحت یہ واقعہ لکھا ہے۔موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار فرشتوں سے پوچھا،کیا اللہ سوتا ہے؟ تو اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ موسیٰ کو تین (3) دن تک جگائے رکھیں اسے سونے نہ دیں۔پھر اس کے ہاتھوں میں دو (2) کانچ کی بوتلیں تھما دو کہ مضبوط پکڑے رکھے اور یہ ٹوٹنے نہ پائیں۔اب موسیٰ علیہ السلام تین (3) روز سے بے خواب رہے تھے۔نیند کے جھٹکے آرہے تھے۔دونوں ہاتھوں میں بوتلیں تھامے ہوئے ہیں۔ان کی حفاظت بھی فکرمند کر رہی ہے کہ ہاتھوں سے چھوٹ نہ جائیں بالآخر نیند کا زوردار جھونکا آیا دونوں ہاتھوں کی بوتلیں آپس میں ٹکرا کر چور چور ہو گئیں۔یعنی ایک ہاتھ دوسرے پر زور سے لگا تو بوتلوں کا کام تمام ہو گیا۔

(بحوالہ تفسیر طبری جلد سوم)

اس واقعہ سے بتانا یہ مقصود تھا کہ اللہ اگر سو جائے تو زمین و آسمان اس کے ہاتھوں میں ہیں تو دونوں آپس میں ٹکرا جائیں اور نظام کائنات درہم برہم ہو جائے۔ وہ ایک ذات ہے جو نیند اور اونگھ سے پاک ہے۔ نیند ایک کمزوری ہے جو اللہ کو لاحق نہیں ہو سکتی۔ وہ ہر عیب ونقص سے پاک ہے۔ ہر کمزوری سے بالاتر ہے، لیکن جاندار مخلوق اگر نیند نہ لے تو بھی نقصان میں ہے۔ اگر حد سے زیادہ سوئے تو بھی نقصان دہ ہے۔ نیند کو حد اعتدال پر رکھنا ضروری ہے۔ ورنہ یہ دل کو بیمار کر دیتی ہے۔ دل کو تندرست رکھنے کے لئے نیند مناسب رکھی جائے۔

تاثرات

مولانا عبداللہ دانش صاحب کا یہ مضمون علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کی کتاب ''مدارج السالکین'' سے ماخوذ ہے۔ انہوں نے دل کی پانچ (5) خرابیوں کو عمدہ طریقے سے سمجھایا اور ان کے تباہ کن اثرات سے آگاہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر یہ پانچ (5) روگ اور سقم دل کو لاحق ہو جائیں تو حقیقت یہ ہے کہ بصیرت ختم اور دل کے کان بہرے ہو جاتے ہیں اور انسان اس آیت کا مصداق بن جاتا ہے۔

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا، اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (الاعراف:179)

''جن کے دل ایسے ہیں جن سے نہیں سمجھتے اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے نہیں دیکھتے اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے۔ یہ لوگ چوپائیوں کی مانند ہیں بلکہ یہ زیادہ بے راہ ہیں۔''

جسم کے اندر دل کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ جب تک یہ صحیح طور پر کام کرتا رہتا ہے سارا جسم ٹھیک رہتا ہے۔ جب یہ خراب ہو جاتا ہے سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔

الا وان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله، واذا فسدت فسد الجسد کله الا وهی القلب۔

''خبردار ہو جاؤ بدن میں گوشت کا ایک خاص ٹکڑا ہے، وہ تندرست رہے تو سارا بدن تندرست رہتا ہے، اگر وہ بیمار پڑ جائے تو سارا جسم بے کار ہو جاتا ہے۔ اور وہ ٹکڑا دل ہے۔'' (بخاری و مسلم)

لہٰذا انسان کو چاہئے کہ دل کی اصلاح کی طرف توجہ دے۔ جب تک دل کی دنیا ں تبدیلی نہیں آئے گی باہر کی دنیا نہیں بدل سکتی۔

انبیاء کرام علیہم السلام بھی یہیں سے کام شروع کرتے ہیں۔ وہ خوب سمجھتے ہیں کہ یہ سب دل کا قصور ہے۔ وہ انسان کے اندر ایسی تبدیلی پیدا کرتے ہیں کہ وہ دوسرے انسان کی فاقہ کشی کو دیکھ نہ سکے۔ وہ اس کے اندر ایثار کی روح، قربانی کا جذبہ اور انسانی ہمدردی پیدا کرتے ہیں۔ آج اصل زندگی دم توڑ رہی ہے۔ لوگ پیٹ کے گرد گھوم رہے ہیں۔ نسانیت کی پونجی لٹ رہی ہے، انسانوں کے پاس اب بھی ضمیر ہے۔ مگر اس پر غبار آ گیا ہے۔ اگر وہ غبار جھاڑ دیا جائے اور اسے آلودگی سے صاف کر دیا جائے تو اب بھی گنجائش ہے کہ وہ حق کو قبول کرلے اور اس کا قلب نورِ ایمانی سے منور ہو جائے۔

اگر چاہے تو اپنے دل کو آئینہ
دس چیز سے خالی کرے اپنا سینہ
حرص و امل و غضب و دوروغ و غیبت
بخل و حسد و ریا و کبر و کینہ

❁❁❁

بلاعنوان

اس میں کوئی شک نہیں کہ امت مسلمہ صدیوں سے روبہ زوال ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس امت کو دیمک چاٹ رہا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ مجموعی طور پر امت مفلوج ہے۔ بلاشک کرپشن، بدعنوانی، جھوٹ، مکروفریب، انتشاروخلفشار، عریانی وفحاشی، غیراللہ کی غلامی، مذہب سے بیزاری اور غلامانہ جاہلیت کے روگ اس امت کو لگ چکے ہیں۔ ان غلاظتوں کی بدبو سے پوری دنیا کی فضا متعفن ہے۔ اہل سیاست علماء کو کوسنے میں حق بجانب ہیں۔ علماء حکمرانوں کو برا کہنے کا حق رکھتے ہیں۔ مرد عورتوں سے خوش نہیں۔ عورتیں مردوں سے نالاں ہیں۔ اولادیں والدین کی فرمانبردار نہیں اور والدین اولاد کے ہاتھوں پریشان ہیں۔ پٹوارخانے سے لے کر وزارت مال تک اہلکاروں کی اکثریت رشوت خور، تھانے سے لے کر وزارت داخلہ تک کے عہدیدار اکثر بدعنوان الا ماشاء اللہ! ملک کی سڑکیں خستہ خراب اور واپڈا کے بل عوام پر بجلی گرا رہے ہیں۔ بدامنی ہے جان ومال کا تحفظ نہیں۔ ہر طرف خوف وہراس ہے۔ لوٹ مار ہے چوری ڈاکے ہیں۔ قتل وغارت گری ہے۔ مہنگائی آسمان سے باتیں کر رہی ہے۔ لوگ تنگ آ کر ملک سے بھاگ جانا چاہتے ہیں، لیکن فرار کا بھی کوئی راستہ نہیں جس میں قرار آ جائے۔ پھر سارا ملک کدھر جائے؟ چند ستم زدوں کی بات ہو تو نکلنا ممکن ہے۔

کتنی ہی ایسی بیماریاں ہیں جو مسلم قوم کو گھن کی طرح کھا رہی ہیں ہم اپنے معاشرے سے تنگ آ کر پھر مغرب کی طرف دیکھتے ہیں۔ امریکہ کا نظارہ کرتے ہیں تو موازنہ کرتے ہوئے پکار اٹھتے ہیں، ایسے مسلم ممالک سے تو دیارِ غیر اچھا ہے۔ وہاں سڑکیں صاف ستھری، نعمتوں کی فراوانی، عیش وعشرت کے سامان وافر، اشیائے خوردنی ارزاں۔ معیار زندگی بہتر، اسکول اچھے، تعلیم کا نظام گھپلوں سے پاک، رشوت نہیں، پانی، بجلی، ٹیلیفون کے بل پریشان کن نہیں، سرکاری دفاتر میں کام معمول کے مطابق ہو رہے ہیں۔ دنیاوی لحاظ سے سکھ چین کی زندگی ہے۔ اس طرح کی باتیں کالم نگار لکھتے رہتے ہیں۔ مجلسوں میں ایسی

ہی گفتگوئیں عام ہیں۔ مقرر حضرات اسی قسم کے تجزیئے کرتے رہتے ہیں۔ اپنی خستہ حالی پر سوچتے سوچتے ہم کبھی کہتے ہیں کہ کافر قوتوں نے اسلام کے اصول اپنا لئے۔ کبھی کہتے ہیں کہ اپنے تجربات سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ سودی نظام سے شاید ترقی کی منزلوں کو چھو رہے ہیں۔ بس ہم ہیں کہ حسرت بھری نگاہوں سے ترقی یافتہ اقوام کے محاسن گنواتے ہیں اور اپنے فرسودہ نظام کی برائیاں چن چن کر بیان کرتے ہیں۔

قارئین کرام! کیا ان باتوں کے دہرانے سے مسائل حل ہو جائیں گے؟ بس دل کی بھڑاس ہے جو قلم وزبان سے نکال لیتے ہیں، لیکن یہ طریق کار مردانِ کار کو زیب نہیں دیتا۔ یہ تو کم ہمت نسوانی نوحہ خوانی ہے۔ جیسے کسی میت کے سرہانے خواتین بیٹھ کر نوحہ وشیون کریں۔ اپنے بال نوچیں، گریبان پھاڑیں، چیخ وپکار کریں، ماتم کریں، بہت کچھ کریں، مگر ان حرکات سے مردہ زندہ نہیں ہوگا...... اب آیئے ذرا سوچیں کہ مرنے والا تو دنیا میں پلٹ کر نہیں آئے گا۔ مزید اس کے ماتم میں وقت ضائع کرنے کے بجائے انھیں اور میت کے ورثاء کو سنبھالا دیں۔ اس کی اولاد، اس کی بیوی، اس کے دیگر اعزاء کی دیکھ بھال کریں، کہتے ہیں کہ مرنے والے کے ساتھ مرنا مشکل ہے۔ جو کچھ بچا ہے اس کی فکر کریں۔

بالکل اسی طرح غور فرمائیں امت کو کیا روگ لگے ہیں؟ ان کا علاج کیسے ممکن ہے؟ سڑک پر حادثے میں کوئی معصوم بچہ گاڑی کے نیچے آ جائے، زخمی ہو جائے۔ وہ خاک وخون میں غلطاں وپیچاں ہو تو کیا کرنا چاہئے اگر دل میں ہمدردی نہیں ہے تو سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر اس بچے کو برا بھلا کہنا شروع کر دیں کہ تیرا جسم پھٹ گیا ہے۔ لہو بہہ رہا ہے، تو کراہ رہا ہے، تیری ان باتوں سے مجھے نفرت ہے میں تندرستوں کا دلدادہ ہوں۔ صحت مندوں سے شغف رکھتا ہوں۔ تو جتنا جی چاہے مدد کو پکار، میرے دل میں حادثات کا شکار ہونے والوں کے لئے کوئی خیر خواہی نہیں ہے۔ کیا یہ رویہ مناسب ہے؟ یا ایکسیڈنٹ (Accident) کے شکار بچے کو دیکھ کر آپ کا دل پگھل جائے، آپ نہ ڈاکٹر ہیں، نہ حکیم، نہ ڈسپنسر اور نہ طبی معاون۔ بطور انسان کے آپ رہ نہیں سکیں گے۔ یہ نہیں

سوچیں گے کہ میں کونسا ڈاکٹر ہوں یہ تو ڈاکٹر کی جاب ہے۔نہیں بلکہ آپ دوڑیں گے۔ آپ کا جذبہ انسانیت آپ کا زندہ ضمیر آپ کو مجبور کرے گا کہ آگے بڑھو، آپ ڈاکٹر نہیں تو نہ سہی، ڈسپنسر نہیں تو نہ سہی۔ انسان تو ہو، بڑھو اور زخمی بچے کو سنبھالا دو اور نہیں تو پانی کا گھونٹ اس کے حلق میں اتار دو، مرہم پٹی کا سامان نہیں تو اپنے کسی کپڑے سے اس کے زخم کو باندھو۔ پھر جلدی سے اسے ہسپتال پہنچاؤ۔

یہ ہے مطلوب ہر مسلمان سے کہ امت کے زخموں پر نمک پاشی نہ کرے، بلکہ ہمدردی کرے۔ عالم نہ سہی، حاکم نہ سہی، رئیس نہ سہی، بااثر نہ سہی، کم از کم آپ حضرت محمد ﷺ کے امتی تو ہیں۔ امت کے ایک فرد تو ہیں۔ آپ جس طرح ہیں جس حال میں ہیں۔ بیمار امت کی صحت کی فکر کریں کہ کیسے صحت یاب ہوگی۔ میں ہر لحہ سوچتا رہتا ہوں کہ میں اصلاح امت کے لئے کونسا مفید اور مثبت کام کر سکتا ہوں۔ افراد امت کو برا کہنے سے مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ کبھی تنہا بیٹھ کر سوچو تو سہی کہ امت مسلمہ کی بھلائی کے لئے میں نے کیا رول ادا کیا؟ دکھی انسانیت کے لئے میں نے کونسا کارنامہ انجام دیا۔ جن کو برا کہتا ہوں ان کی برائی کی اصلاح کہاں تک کر سکا؟ میرا تو اپنا حال برا ہے۔ میں کس کی اصلاح کروں گا؟ مجھے اپنے ہی دھندوں سے فرصت نہیں میں کسی کے کام کیا آ سکتا ہوں؟ نہ میں کسی ضرورت مند کو مالی مدد دے سکا۔ نہ کسی کے لئے جانی قربانی کر سکا۔ نہ کسی کے لئے میرے پاس وقت ہے۔ بس میرے پاس ایک ہی چیز ہے کہ دنیا بھر میں پھیلی ہوئی مسلم امت کی خرابیاں بیان کرتا رہوں۔ میری نگاہ میں سب برے ہیں۔ فلاں میں خرابی، فلاں میں وہ خرابی، ساری دنیا کی برائیوں سے بچا ہوا اگر کوئی ہے تو وہ صرف میں ہوں۔ یہی ''میں'' شیطان کو لے ڈوبی...... اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ...... میں اس سے بہتر ہوں لیکن اللہ کے حقیقی بندے دوسروں کو برا بھلا نہیں کہتے وہ پہلے اپنی ذات کی خبر لیتے ہیں۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ جیسا عظیم انسان بھی یہ کہتا ہے:

جائے عبرت ہے برا سارے زمانے کا ہوں
مجھ کو یہ خلعت شرافت کا عطا کیونکر ہوا؟

تمام مضموں مرے پرانے، کلام میرا خطا سراپا
ہنر کوئی دیکھتا ہے مجھ میں تو عیب ہے میرے عیب جو کا

(بانگ درا)

کوئی صاحب مذکور اشعار کے برعکس کہہ سکتا ہے کہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے صوفی و ملا اور اہل مغرب پر شدید تنقید کی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ مگر اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی نیت میں فتور نہ تھا وہ سیدھے سادھے مسلمان، مخلص، ہمدرد اور مصلح امت تھے۔ اصلاح کی خاطر لکھا نہ کہ دل کا غبار ہلکا کرنے کے لئے، اہل مغرب پر تنقید دراصل اسلام کی عظمت اور برتری ثابت کرنے کے لئے کی۔ یہی جذبہ خیر خدا ہمیں بھی نصیب کرے۔ (آمین)

❁❁❁

مقدمہ

الحمدلله وحده والصلوٰة والسلام علی من لانبی بعده۔

اس بات میں ذرہ برابر شبہ نہیں کہ انسان اللہ کی تمام مخلوقات میں سے اعلیٰ اور اشرف مخلوق ہے، مگر کیا ہر نیک و بد اور صالح و طالح اس زمرے میں آتا ہے یا کوئی حد فاصل بھی ہے؟

قرآن مجید نے تو دوٹوک فیصلہ دے دیا ہے:

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ط لَا يَسْتَوٗنَ ○

''بھلا کہیں یہ ہوسکتا ہے کہ جو شخص مومن ہو وہ اس شخص کی طرح ہو جائے جو فاسق ہو، یہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔'' (سورۃ السجدہ:18)

اللہ رب العزت نے ہر انسان میں شر اور خیر کی جبلتیں رکھ دی ہیں اور نیکی و بدی میں تمیز کرنا بھی سکھا دیا ہے۔ جو شخص خیر کی جبلت کو شر پر غالب کر لیتا ہے وہ کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہو جاتا ہے، اسی کیفیت کا نام تقویٰ ہے اور جو شر کو خیر پر غالب کر لیتا ہے وہ ناکام و نامراد ہو جاتا ہے۔ مشہور فلسفی Bertrand Russel بھی اس حقیقت کا ان الفاظ میں اعتراف کرتا ہے:

"Man is capable of developing his better potentialities and gradually lessening the intensity of his evil passions."

تقویٰ کسی ظاہری علامت کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا مرکز دل ہے، اس لئے نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

الا ان فی الجسد لمضغة ان صلحت صلح الجسد كله وان فسدت فسد الجسد كله الا وهی القلب۔

'جسم میں ایک لوتھڑا ہے اگر اس کی اصلاح ہوگئی تو سارا جسم درست ہو جائے گا اور اگر اس میں خرابی آ گئی تو سارا جسم خراب ہو جائے گا۔ سنو وہ

لوتھڑا دل ہے۔''

تقویٰ دل کی ایسی کیفیت کا نام ہے کہ جونہی آدمی نیکی کا کوئی موقع دیکھے تو فوراً اس پر عمل کرنے کے لئے بیتاب ہوجائے اور اگر فسق و فجور کی کوئی بات دیکھے یا سنے تو فوراً کنارہ کش ہوجائے۔ روحانی بالیدگی اور قلبی سکون کی دولت سے مالا مال ہونے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچے اور نہایت احتیاط کے ساتھ زندگی گزارے۔ تقویٰ سے دل و دماغ میں ایسی نورانیت پیدا ہوتی ہے جس سے حق اور باطل میں تمیز کرنا بڑا آسان ہوجاتا ہے۔ زیر نظر کتابچے میں فاضل مضمون نگار نے کتاب وسنت اور سلف صالحین کے ارشادات کی روشنی میں تقویٰ کی اہمیت وضرورت کو بڑے مؤثر انداز میں پیش کیا ہے تاکہ قاری کو یہ احساس دلایا جائے کہ ظاہری نمود ونمائش کسی کام کی چیز نہیں، اصل کامیابی تو دل کی دنیا بدلنے سے حاصل ہوگی۔ قرآن مجید نے اسے یوں بیان کیا ہے۔

يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ○ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ۔

''اس دن نہ مال کام آئے گا نہ اولاد، ہاں جو کوئی فرمانبردار دل لے کر اللہ کے پاس حاضر ہوا (اسے فائدہ حاصل ہوگا)''

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہم سب کو متقی و پرہیز گار بن کر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ تاکہ ہم قیامت کے دن اس کی بارگاہ میں سرخرو ہوسکیں۔ آمین یا رب العلمین۔

احقر

(پروفیسر) حافظ ثناء اللہ خاں

70 آریہ نگر، پونچھ روڈ لاہور

فصل اوّل

تقویٰ اور پرہیز گاری

ہر مسلمان کے لئے تقویٰ اور پرہیز گاری کی زندگی اپنانا کیوں ضروری ہے؟ اس سوال کے جواب میں کلام الٰہی سے آیات، کلام نبوی ﷺ سے احادیث اور سلف صالحین سے ارشادات کے شذرات پیش خدمت ہیں، تاکہ ہر پڑھنے اور سننے والا زیادہ سے زیادہ اپنی اور دوسروں کی اصلاح نفس کر سکے۔ اپنے نفس کی اصلاح نہ ہو سکی تو تمام دنیاوی کامیابیاں بے کار ہیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے تقویٰ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

أن لا ترىٰ نفسك خيرا من احد (غالية المواعظ)

تقویٰ یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو کسی سے بھی بہتر نہ سمجھے۔ یعنی ہمیشہ اپنی کوتاہیوں پر نظر رہے۔ جب آدمی اپنی کمزوریوں کی طرف بار بار دیکھے گا تو دوسرے اسے اچھے لگیں گے، برے نہیں لگیں گے۔ دوسرے لوگ آدمی کو تبھی برے لگتے ہیں، جب وہ اپنے آپ کو اچھا تصور کرتا ہے۔ یہی خطا ابلیس نے کی تھی۔ جب اللہ نے اسے آدم علیہ السلام کے سامنے جھکنے کا حکم دیا تو وہ اکڑ گیا اور کہا...... انا خير منه...... میں اس سے بہتر ہوں۔ پھر اپنی برتری کی دلیلیں بھی دینے لگا۔ یعنی جو آدمی تقویٰ سے خالی ہوتا ہے وہ مناظرے باز، جھگڑالو اور من گھڑت دلائل سے ڈٹ جاتا ہے اور ہار ماننے کا نام نہیں لیتا۔ ایسے آدی کا حال یہ ہے۔

طبيب يداوى والطبيب مريض...... ڈاکٹر دوسروں کا علاج کر رہا ہے جبکہ خود بیمار ہے۔ تقویٰ آدمی کے نفس امارہ کو لگام دیتا ہے تقویٰ سے روح انسانی شاداں و فرحاں رہتی ہے۔ تقویٰ سے انسانی سیرت و کردار میں نکھار آتا ہے۔ تقویٰ سے دنیا و آخرت سنورتی ہے۔ تقویٰ سے آدمی ہر دلعزیز ہو جاتا ہے۔ تقویٰ سے نفرتیں مٹتی ہیں۔ تقویٰ سے محبتیں بڑھتی ہیں۔ تقویٰ سے جرائم کم ہوتے ہیں۔ تقویٰ سے معاشرہ صاف ستھرا ہوتا ہے۔ تقویٰ سے حقیقی فلاحی ریاست وجود میں آتی ہے۔ تقویٰ سے امن و امان بحال ہوتا ہے۔ تقویٰ سے ظلم و جور مٹتا ہے۔ تقویٰ سے عدل و انصاف ملتا ہے۔ تقویٰ سے حب الٰہی

نصیب ہوتی ہے۔تقویٰ سے اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جذبہ ابھرتا ہے۔تقویٰ سے صالح جماعت بن سکتی ہے۔تقویٰ دشمنوں کو رام کرسکتا ہے۔تقویٰ سے احترام آدمیت حاصل ہوتا ہے۔تقویٰ سے ذہنی سکون ملتا ہے۔تقویٰ سے شجاعت ملتی ہے۔تقویٰ سے سخاوت ملتی ہے۔تقویٰ سے اتحاد و یگانگت پیدا ہوتا ہے۔تقویٰ سے خدا خوش ہوتا ہے۔نمائشی تقویٰ بہت خطرناک ہے۔تقویٰ میں خالص للّٰہیت ہو۔دکھاوے کے متقی دنیا میں عام ہیں۔

لباس خضر میں پھرتے ہیں ہزاروں راہزن
اگر دنیا میں رہنا ہے تو کوئی پہچان پیدا کر

تقویٰ آیات قرآنی میں:

☐ ہدایت تقویٰ سے ملتی ہے نہ کہ تقویٰ کے بغیر۔

1 الٓمّٓ ۞ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرہ،2,1)

"یہ اللہ کی کتاب ہے،اس میں کوئی شک نہیں۔ہدایت ہے پرہیزگاروں کیلئے۔"

☐ آخرت کی کامیابیاں صرف متقین کے لئے ہیں:

2 وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ (الزخرف:35)

"اور آخرت تیرے رب کے ہاں صرف متقین کے لئے ہے۔"

تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی قوموں کو تقویٰ کی وصیت کی:

3 كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ نِ الْمُرْسَلِيْنَ ۞ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۞ (الشعراء:105)

"قوم نوح نے رسولوں کو جھٹلایا، یاد کرو جب کہ ان کے بھائی نوح علیہ السلام نے ان سے کہا تھا: کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟"

4 كَذَّبَتْ عَادُنِ الْمُرْسَلِيْنَ ۞ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ

"قوم عاد نے رسولوں کو جھٹلایا، یاد کرو جب کہ ان کے بھائی ہود علیہ السلام نے ان سے کہا تھا کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟" (الشعراء:123)

5 كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝

"قوم ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا، یاد کرو جبکہ ان کے بھائی صالح نے ان سے کہا تھا کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔" (سورۃ الشعراء:141)

6 كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ نِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ

"قوم لوط نے رسولوں کو جھٹلایا، یاد کرو جب کہ ان کے بھائی لوط علیہ السلام نے ان سے کہا تھا کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟" (الشعراء:160)

7 كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝

"ایکہ والوں (تبوک کا قدیم نام) نے رسولوں کو جھٹلایا، یاد کرو جب کہ شعیب نے ان سے کہا تھا کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟" (الشعراء:176)

8 وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَوْمَ فِرْعَوْنَ اَلَا يَتَّقُوْنَ ۝ (الشعراء:10)

"انہیں اس وقت کا قصہ سناؤ جب کہ تمہارے رب نے موسیٰ کو پکارا، ظالم قوم کے پاس جا۔ فرعون کی قوم کے پاس۔ کیا وہ نہیں ڈرتے؟"

خدا ظالموں کا نہیں، پرہیز گاروں کا دوست ہے:

9 وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝

"ظالم لوگ ایک دوسرے کے ساتھی ہیں اور متقیوں کا ساتھی اللہ ہے۔"

(الجاثیہ:19)

بیت اللہ کی نگرانی صرف متقیوں کو زیبا ہے:

10 اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ۔ (الانفال:34)

"اس مسجد حرام کے جائز متولی تو صرف اہل تقویٰ ہی ہو سکتے ہیں۔"

- اللہ کے ہاں عزت واحترام خاندانی ونسلی بنیاد پر نہیں بلکہ تقویٰ سے ہے۔

11 اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ۔ (الحجرات:13)

"درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

11 وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى۔ (المائدہ:2)

"جو کام نیکی اور خداترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو یعنی یہ تعاون کا حکم ہے اللہ کی طرف سے۔"

- سچائی پیش کرنے والا پیغمبر ﷺ اور اس سچائی کو اپنانے والے ہی متقی ہیں۔

13 وَ الَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ○

"اور جو شخص سچائی لے کر آیا اور جنہوں نے اس کو سچ مانا وہی عذاب سے بچنے والے ہیں۔"

14 وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ○

"اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے وفا کریں اور تنگی و مصیبت کے وقت میں اور حق و باطل کی کشمکش میں صبر کریں، یہ ہیں راستباز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں۔" (البقرہ:177)

- اسلام دشمنوں سے بھی عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے ایسا عدل تقویٰ سے حاصل ہوتا ہے۔

15 يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۔

"اے ایمان والو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ، عدل کرو، یہ تقویٰ سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔" (المائدۃ:8)

- متقی لوگ سچے لوگوں کا ساتھ دیتے ہیں جھوٹے لوگوں کا نہیں یعنی جھوٹ اور تقویٰ متضاد ہیں۔

16 يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ○ (التوبہ:119)

"اے ایمان والو! اللہ سے تقویٰ اختیار کرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو۔"

- تقویٰ مشکلات سے نکلنے کا ذریعہ ہے:

17 وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۔ (الطلاق:2)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا اللہ ان کے لئے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا۔"

18 وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا (الطلاق: 4)

"اور جو شخص اللہ سے ڈرے اس کے معاملے میں وہ سہولت پیدا کر دیتا ہے۔"

- تقویٰ گناہوں کی بخشش کا سبب بنتا ہے۔

19 وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗ اَجْرًا (الطلاق:5)

"جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کی برائیوں کو اس سے دور کر دے گا اور اس کو بڑا اجر دے گا۔"

- وعدے کی پاسداری تقویٰ ہے:

20 بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ○

"جو بھی اپنے عہد کو پورا کرے گا اور متقی ہو گا وہی محبوب خدا ہو گا خدا متقی لوگوں سے پیار رکھتا ہے۔" (آل عمران:76)

- اللہ متقیوں کی نذریں اور اعمال قبول کرتا ہے۔

21 اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۔ (المائدہ:27)

"اللہ تو پرہیز گاروں ہی کی نذریں قبول کرتا ہے۔"

- جنت کے حقدار متقی لوگ ہیں۔

22 تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۔ (مریم:63)

"یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اس کو بنائیں گے جو پرہیز گار رہا ہے۔"

23 إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا۔ (النبا:31)

''یقیناً متقیوں کے لئے کامرانی کا ایک مقام ہے۔''

- قیامت کے دن صرف متقی لوگوں کی دوستی باقی رہے گی، غیر متقی دوست وہاں ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔

24 اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ○

''وہ دن جب آئے گا تو متقیوں کو چھوڑ کر باقی سب دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔'' (الزخرف:67)

یعنی تقویٰ کی بنیاد پر دوستی پائیدار ہے، تقویٰ کے بغیر دوستی ناپائیدار ہے۔

- برہنگی و نیم عریانی سے نکال کر، لباس و زینت پہنانا، پھر آگے تقویٰ تک پہنچانا فطرت اسلام ہے۔

25 يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ○ (الاعراف:26)

''اے اولاد آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے کہ تمہارے جسم کے قابل شرم حصوں کو ڈھانکے اور تمہارے لئے جسم کی حفاظت اور زینت کا ذریعہ بھی ہو اور بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے۔''

- حج جیسی عبادت کے سفر میں زادِ راہ لے کر نکلنا ہے، بغیر سفر خرچ نکل پڑنا تقویٰ نہیں ہے۔

26 وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى۔ (البقرۃ:197)

''سفر حج کے لئے زادِ راہ ساتھ لے جاؤ، اور سب سے بہتر زادِ راہ پرہیز گاری ہے۔''

- متقی آدمی کو سچ بولنا لازم ہے ورنہ وہ متقی نہیں۔

27 يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا○ (الاحزاب:70)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو یعنی مومن متقی ہوتا ہے

اور اس سے جھوٹ کبھی سرزد نہیں ہوتا کیونکہ جھوٹ کبیرہ گناہ ہے۔“

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الکبائر میں جھوٹ کا ذکر ”شہادۃ الزور“ کے عنوان سے اٹھارویں نمبر پر درج کیا ہے۔ مسلمانوں میں جھوٹ کی وبا ایسی پھیلی ہے کہ بہت سے دیندار حلقے بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

فصل دوم

تقویٰ احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں

- حضور ﷺ خوف خدا اور امیر کی بات سننے اور اطاعت کرنے کی وصیت فرماتے رہے۔

1 قال رسول اللّٰہ اوصیکم بتقویٰ اللّٰہ والسمع والطاعۃ

"آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں خوف خدا اور سمع وطاعت کی وصیت کرتا ہوں۔" (احمد، ابوداؤد)

- خلوت وجلوت ہر مقام پر تقویٰ مطلوب ہے اور لوگوں سے حسن اخلاق سے پیش آنا دلیل تقویٰ ہے۔

2 قال رسول اللّٰہ اتق اللہ حیثما کنت واتبع السیئۃ الحسنۃ تمحھا وخالق الناس بخلق حسن (ترمذی)

"حضور ﷺ نے فرمایا تو جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہنا گناہ ہو جانے پر فوراً نیکی اس گناہ کو مٹا دیتی ہے۔ خلق خدا سے اخلاق حسنہ سے پیش آنا۔"

- سب سے زیادہ عبادت گزار وہ ہے جو خدا کی حرام کردہ اشیاء سے پرہیز (تقویٰ) کرے۔

3 قال رسول اللّٰہ اتق المحارم تکن اعبد الناس (ترمذی)

"آپ ﷺ نے فرمایا حرام کردہ اشیاء ومقامات سے پرہیز کرلے تو سب سے بڑا عبادت گزار ہوگا۔"

یعنی تقویٰ حاصل ہو جانے کے بعد آدمی حرام سے پوری طرح بچتا ہے اور یہی بچنا عبادت کی معراج ہے۔

- دعائے پیغمبر ﷺ کہ اے اللہ مجھے تقویٰ سے مالا مال کردے۔

4 قال رسول اللّٰہ اللھم اٰت نفسی تقواھا۔ (مسلم)

"حضور ﷺ دعا فرماتے اے اللہ! میرے نفس کو تقویٰ نصیب کر۔"

یعنی بغیر تقویٰ کے زندگی بے کیف و سرور ہے، جیسے اخروٹ میں مغز ہی نہ ہو، خالی اخروٹ کے خول کو کیا کیا جائے گا جو اصل جوہر سے خالی ہو۔

- اولاد کے درمیان عدل کرنا تقویٰ ہے:

5 قال رسول اللّٰہ اتقوا اللّٰہ واعدلوا بین اولادکم (بخاری)

"آپ ﷺ نے فرمایا اللہ سے ڈرتے رہو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل وانصاف سے کام لو۔"

یعنی ان کے درمیان بے انصافی نہ کرو کہ کسی بچے کو زیادہ نواز دیا کسی کو محروم کر دیا یہ خلاف تقویٰ ہے۔

- دنیا اور عورت کے بارے میں تقویٰ کی ضرورت ہے۔

6 قال رسول اللّٰہ فاتقوا الدنیا واتقوا النساء...... الخ

"حضور ﷺ نے فرمایا: دنیا...... اور عورتوں کے بارے میں پرہیزگاری اختیار کرو۔" (سنن بیہقی)

یقیناً شیطان بہت گھاگ ہے، بڑا صیاد ہے، پرہیزگاروں کو عورتوں کے ذریعہ پھنسا دیتا ہے۔

- ہادیٔ اعظم ﷺ متقی اکبر، عفیف اعلیٰ، غنی مطہر اللہ سے یہ دعا کیا کرتے تھے:

7 کان رسول اللّٰہ یقول اللھم انی اسألك الھدی والتقی والعفاف والغنی۔ (مسلم)

"حضور ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت کا سوالی ہوں، تقویٰ کا طالب ہوں، عفت و پاکدامنی کا طلبگار ہوں، شان استغنا کا محتاج ہوں۔"

- زمانے میں معزز و محترم متقی ہوتا ہے:

8 عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال سئل رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من اکرم الناس؟
قال اتقاھم لِلّٰہِ (بخاری)

''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں زیادہ عزت والا کون ہے؟
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہو۔''

یعنی یہ نہیں فرمایا کہ زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ مالدار ہو یا کسی قبیلے یا ملک کا سربراہ ہو، بلکہ عزت متقی کو زیب دیتی ہے باقی لوگ ذلت کے مستحق ہیں۔

☐ تقویٰ کا صدر مقام دل ہے نہ کہ محض ظاہری شکل وصورت۔

9 قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم التقوی ھھنا التقویٰ ھھنا، التقویٰ ھھنا
ویشیر الی صدرہ (مسلم)

''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تقویٰ یہاں ہے تقویٰ یہاں ہے، تقویٰ یہاں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ فرمارہے تھے۔''

یعنی نمائشی تقویٰ مطلوب نہیں ہے کہ ہاتھ میں لوٹا اور تسبیح ہو ماتھے اور ٹخنوں پر گٹے پڑے ہوں مگر دل میں خوف خدا کی بجائے خوف حکومت ہو، جس دل میں خوف خدا آتا ہے وہ دل غیر اللہ سے بے نیاز و بے باک ہو جاتا ہے۔ متقی آدمی دلیر ہوتا ہے، باطل سے ٹکرانا پڑے تو جوانمردی دکھاتا ہے۔ متقی کی ہمتیں جوان ہوتی ہیں، وہ نرم دم گفتگو اور گرم دم جستجو ہوتا ہے۔ جس دل میں تقویٰ نہیں وہ دل بیمار ہے۔ دل بیمار کس کام کا؟ صحت مند دل ہی اصل چیز ہے۔ دل کی صحت جسم کے تمام رگ و پے میں سرایت کرتی ہے۔ مریض دل جسم کے رگ رگ میں صحت افزا خون نہیں پہنچائے گا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقویٰ کا مقام جسم کے کسی ظاہری حصے میں نہیں بتایا لیکن سادہ لوگ اسے انسان کے ظاہر میں دیکھتے ہیں اور ظاہری و نمائشی تقویٰ پر فریفتہ ہو کر پر فریب جال میں پھنس جاتے ہیں۔ پھر اس سے ان کا چھٹکارا مشکل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ تقویٰ کے نمائشی کاریگر اپنے ماننے والوں کو سحر زدہ کر دیتے ہیں۔

فصل سوم

تقویٰ سلف صالحین کی زبان وکردار میں

1 كان ابوبكر رضی اللہ عنہ يقول في خطبته امابعد فاني اوصيكم بتقوى الله۔ (جامع العلوم والحکم)

”ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے خطبہ میں یہ فرمایا کرتے تھے اما بعد حضرات! میں تمہیں اللہ کے خوف کی وصیت کرتا ہوں یعنی خلیفہ اول کا قوی خطاب یوں نہیں شروع ہوتا تھا۔ (Ladies and Gentlemen) یا خواتین و حضرات! بلکہ ابتداء ہی خوف خدا سے کرتے تھے، کیونکہ خود خوف خدا ان کے اندر گھر کر چکا تھا۔“

2 كتب عمر رضی اللہ عنہ الى ابنه عبدالله رضی اللہ عنہ اما بعد، فاني اوصيك بتقوى الله فانه من اتقاه وقاه (حوالہ التقویٰ احمد فرید)

”عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ میں تجھے خوف خدا کی تلقین کرتا ہوں۔ جس نے اس سے خوف کھایا وہ اس کی پناہ میں آ گیا اور غیر اللہ کے خوف سے بچ گیا۔“

اب ہم دیکھ لیں کہ بیٹوں کو کیا نصیحتیں کرتے ہیں۔ انگریزی اسکولوں میں سائنسی علوم پڑھا کر، جسے اقبال رحمہ اللہ فرماتے ہیں انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ، دنیا سمیٹنے میں لگے ہوئے ہیں اور دین ہاتھ سے دے کر دنیا کی ناکام تجارت کر رہے ہیں۔

3 كتب عمر بن عبدالعزيز الى رجل اوصيك بتقوىٰ الله عزوجل التي لا يقبل غيرها۔

”عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ایک آدمی کو خط لکھا کہ میں تجھے اللہ عزوجل کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں، اس ذات کے علاوہ کوئی تقویٰ قبول نہیں کرتا۔“

4 قال ابن القیم رحمہ اللہ: ودّع ابن عون رجلا فقال: علیك بتقویٰ اللّٰہ فان المتقی لیست علیه وحشة۔

''علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ابن عون رحمہ اللہ نے ایک آدمی کو الوداع کرتے وقت کہا خوف خدا کو پلے باندھنا۔ متقی پر کبھی وحشت طاری نہیں ہوتی۔ یعنی وہ رنج و ملال (Depression) کا شکار نہیں ہوتا۔ اسے تنہائی پریشان نہیں کرتی بلکہ تنہائی کو بھی غنیمت سمجھتا ہے اور اپنے خدا سے لو لگاتا ہے، تنہائی اسے پریشان کرتی ہے جس کا خدا نہ ہو۔ جس کا خدا ہوتا ہے وہ اس سے تنہائیوں میں راز و نیاز کرتا ہے۔ اپنے دل کے دکھڑے سناتا ہے جو کہ سرِعام سنانا مشکل ہوتا ہے۔

5 قال زید بن اسلم: کان یقال: من اتقی اللّٰہ احبه الناس وان کرھوا۔

''زیدہ بن اسلم رحمہ اللہ نے بتایا کہ یہ کہا جاتا تھا جو اللہ سے ڈرتا ہے لوگ اس سے نہ چاہتے ہوئے بھی محبت رکھتے ہیں۔''

بعض دفعہ لوگ پرہیزگار شخص سے حسد و بغض رکھتے ہیں مگر اس کے تقویٰ کا نجی محفلوں میں اعتراف کرتے ہیں۔ اس کی خوبیوں کو تسلیم کرتے ہیں لیکن پبلک کے سامنے ان کی مجبوریاں انہیں حق گوئی سے محروم کر دیتی ہیں۔''

6 قال الثوری رحمہ اللہ لا بن ابی ذئب: ان اتقیت اللّٰہ کفاك الناس، وان اتقیت الناس لن یغنوا عنك من اللّٰہ شیئا۔

''امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے ابن ابی ذئب سے فرمایا اگر تو اللہ سے ڈرتا رہے تو لوگ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور اگر تو لوگوں سے ڈرنے لگا تو اللہ کی پکڑ سے یہ لوگ ذرا بھی نہ بچا سکیں گے۔

7 قال سهل بن عبداللہ: ومن یتق اللّٰہ فی اتباع السنة یجعل له مخرجا من عقوبة اهل البدع ویرزقه من حیث لا یحتسب۔

''سہل نے کہا اتباع سنت نبوی ﷺ میں جو اللہ سے ڈرتا رہا تو اللہ اسے اہل بدعت کے شر سے بچنے کا راستہ سجھائے گا اور اسے رزق وہاں سے دے گا جہاں سے اس کا گمان نہ ہوگا۔''

8 قال سفیان بن عینیه الحیاء اخف التقویٰ۔

''سفیان رحمہ اللہ نے فرمایا شرم وحیاء تقویٰ سے کم تر چیز ہے۔''

یعنی جس میں شرم وحیا ہے ضروری نہیں کہ وہ متقی ہو، اس کے برعکس جس میں تقویٰ ہے اس میں شرم وحیا بدرجہ اتم موجود ہے۔

9 قال رجل للحسن البصری اینام ابلیس؟ قال لونام لوجدنا راحة۔

''امام حسن بصری رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا حضرت! کیا ابلیس بھی سوتا ہے؟ جواباً فرمایا: اگر وہ خبیث سوتا تو ہمیں راحت نہ مل جاتی۔''

کم از کم اس کے سوتے ہوئے تو وسوسوں سے سکون ملتا۔ مگر اس کی رسی اللہ نے تا قیامت دراز کر دی ہے۔ نہ خود چین کرتا ہے نہ دوسروں کو چین کرنے دیتا ہے۔ اہل تقویٰ کی کیا کیا سوچیں ہوتی ہیں؟

10 قال بعض السلف لو اعلم ان اللّٰه یقبل منی سجدة باللیل وسجدة بالنهار لطرت شوقا الی الموت، ان اللّٰه عزوجل یقول انما یتقبل من المتقین۔

''سلف صالحین میں کسی کا کہنا تھا اگر میں یہ جان لیتا کہ خداوند کریم میری راتوں کے ایک سجدے کو قبول کر لے گا اور میرے دنوں کے ایک سجدے کو شرف قبولیت بخش دے گا تو میں شوق سے موت کی طرف پرواز کرتا کیونکہ خدا کا فرمان ہے کہ وہ صرف متقی لوگوں کے عمل قبول کرتا ہے۔ بقول غالب۔

ہم خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

11 قال علی: التقویٰ ھی الخوف من الجلیل والعمل بالتنزیل والقناعة بالقلیل والا ستعداد للرحیل۔ (الترغیب)

''علی رضی اللہ عنہ نے تقویٰ کی یہ تعریف بیان کی ہے کہ رب جلیل کا خوف، قرآن پر عمل، تھوڑے پر قناعت وصبر، رحلت کی تیاری، یہ تقویٰ ہے۔''

فصل چہارم

تقویٰ کا مفہوم و مرتبہ

قرآن و حدیث اور اسلاف سے جو کچھ گذشتہ صفحات میں ذکر ہوا ہے۔ اس سے تقویٰ کی شدید اہمیت کا پتہ چلتا ہے کہ تقویٰ انسانی زندگی میں نہایت ضروری ہے۔ یہ سیرت و کردار سنوارنے میں مرکزی کردار ادا کرتا ہے۔ اگر حقیقی تقویٰ نصیب نہ ہو تو ساری دینداری و عبادت گزاری نگاہ خدا میں پرکاہ کی حیثیت نہیں رکھتی۔

لہٰذا تقویٰ کا مفہوم اسلاف امت کی زبانی یہ ہے:

سئل ابو هريره عن التقوىٰ فقال: هل اخذت طريقا ذا شوك؟ قال نعم قال فكيف صنعت؟ قال اذا رأيت الشوك عزلت عنه او جاوزته او قصرت عنه قال ذالك التقوىٰ۔

"ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ تقویٰ کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے جواباً پوچھا کہ کیا آپ کبھی پرخار راستے سے گزرے ہیں؟ سائل نے کہا جی ایسی راہ سے میرا گزر ہوا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پھر سوال کیا کہ ایسے راستے پر گزرتے وقت آپ نے کیا کیا تھا؟ سائل نے کہا: جب کانٹے دار راستے پر چلا تو بچ بچ کر چلا، دامن سمیٹتا ہوا چلا، خود سکڑتا ہوا چلا، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا بس یہی تقویٰ ہے۔"

تشریح:

خارزاروں سے گزرتے ہوئے قدم قدم پر کانٹے ہیں اور ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا ہوتا ہے۔ ورنہ پاؤں زخمی ہوں گے چھالے پڑ جائیں گے، چلنا محال ہوگا، منزل پر پہنچنے کا وقت راہوں میں ختم ہو جائے گا۔ ان خارزاروں میں اگر شام کے سائے آ گھیریں تو راہی منزل کھو بیٹھتا ہے۔ راستے پر کھڑی کانٹوں والی جھاڑیاں کبھی دائیں سے دامن میں الجھتی ہیں اور کبھی بائیں سے۔ کانٹوں میں کپڑا پھنس جائے تو وقت ضائع ہوتا ہے۔ دانا وہ

ہے جو اپنے الجھے ہوئے کپڑے کو اتنا سا پھاڑ کر کانٹوں کے حوالے کر دے اور جانب منزل رواں دواں رہے تاکہ منزل کھوئی نہ ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی عمدہ تمثیل سے بات کتنی واضح ہوگئی ہے کہ یہ دنیا صاف ستھرا راستہ نہیں بلکہ نرا خارزار ہے۔ لہٰذا دنیا کے خارزار میں قدم سنبھل کر رکھیں، دامن بچا بچا کر گزریں تبھی خیریت سے آخرت کی منزل ہاتھ آتی ہے ورنہ دنیا کی رنگینی و رعنائی میں کھو کر آدمی منزل سے نامراد رہتا ہے۔ کتنی ہی آلائشیں صراط مستقیم سے بھٹکانے والی ہیں۔ سب سے محفوظ رہنا لازم ہے۔ یہ تقویٰ کی بہترین مثال ہے۔

- ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول جو ذکر ہو چکا ہے کہ تو اپنے آپ کو کسی سے بہتر نہ سمجھے۔" آدمی کو چونکا دینے کے لئے کافی ہے خرابیاں تبھی معاشرے میں زیادہ ہیں کہ ہر کوئی اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر و برتر سمجھ رہا ہے۔ بقول اقبال رحمہ اللہ صحیح خود آگاہی ہمیں نصیب نہیں ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

نا مناسب ہے اے دل ناداں
اک جذامی ہنسے زکامی پر

یعنی حیرت ہے اس جذامی (کوڑھی جسم) پر جس کے جسم کا ہر ایک حصہ کوڑھ زدہ ہے اور وہ مذاق اڑا رہا ہے زکام زدہ آدمی کا جسے صرف چھینکیں آ رہی ہیں۔

کتنی دلسوزی کی بات ہے کہ ہر شخص دوسرے کے عیب تلاش کرتا ہے اور اپنے گریبان میں نہیں جھانکتا۔ دوسروں کی چغلیاں مزے لے لے کر کی جاتی ہیں اور محظوظ ہوتے ہوئے سنی جاتی ہیں۔ یہ نہایت افسوسناک امر ہے کہ شیطان کی خوشنودی کے کام ہو رہے ہیں اور خدائے رحمان کی رضا کا احساس ہی نہیں ہے۔ یہ حرکات خلاف تقویٰ ہیں۔

- کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ!

منازل التقویٰ ثلاثة : تقویٰ من الشرك، تقویٰ عن البدعة، تقویٰ عن المعاصی الفرعیة۔

"یعنی تقویٰ کے تین درجے ہیں:

1 شرک باللہ سے بچنا۔

2 دین میں نئی ایجادات سے بچنا۔

3 اللہ کی نافرمانیوں سے بچنا۔

قال میمون بن مھران: المتقی اشد محاسبة لنفسه من الشریك۔

''میمون رحمہ اللہ فرماتے ہیں متقی آدمی اپنے نفس کے محاسبہ میں شدید ترین ہوتا ہے وہ اپنے ساتھی کا اتنا احتساب نہیں کرتا جتنا اپنی ذات کا احتساب کرتا ہے کیونکہ نفس تو اپنا بگڑا ہوتا ہے۔''

قیل: التقویٰ ھی ان لا یراك اللّٰه حیث نھاك، ولا یفتقدك حیث امرك۔

''تقویٰ کی تعریف کسی نے یہ بھی کی ہے کہ خدا نے آپ کو جہاں سے روکا ہے وہ تجھے وہاں نہ دیکھے اور جہاں کا تجھے حکم دیا ہے تو وہاں سے غائب نہ ہو، مثلاً اللہ نے تجھے مسجد جانے کا حکم دیا اور آپ جا پہنچے سینما میں، یعنی وہ تو تجھے مسجد میں دیکھنا پسند کرتا ہے اور تو خدا کی ناپسندیدہ جگہ پر جا پہنچا۔ یہ احساس کہ ہر آن میرا خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔ یہ تقویٰ ہے۔

- الماوردی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں جو اللہ نے فرمایا:

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى

''کہ نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو۔''

لان فی التقویٰ رضا اللّٰه تعالیٰ وفی البر رضا الناس ومن جمع بین رضا اللّٰه تعالیٰ ورضا الناس فقد تمت سعادته وعمت نعمته

''تقویٰ میں اللہ کی رضا ہے اور بر (نیکی) میں لوگوں کی خوشی ہے۔ جس نے خدا اور بندوں کی رضا کو یکجا سمیٹ لیا اس کی سعادت اور خوش بختی کمال

تک پہنچی اور اسے عظیم نعمت ملی۔"

قال ابن خويذ بن منداد في احكامه: والتعاون على البر والتقوىٰ يكون بوجوه، فواجب على العالم ان يعين الناس بعلمه فيعلمهم، ويعينهم الغني بماله، والشجاع بشجاعته في سبيل اللّٰه، وان يكون المسلمون متظاهرين كاليد الواحدة۔

"ابن خویذ نے کہا...... تعاون علی البرو التقویٰ...... کئی طرح سے ہے۔

1. عالم دین پر واجب ہے کہ علم دین میں لوگوں سے تعاون کرے اور انہیں دین سکھائے۔
2. مالدار کو لازم ہے کہ وہ اپنے مال سے ان کی مدد کرے۔
3. بہادر آدمی پر واجب ہے کہ راہ خدا میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ پھر سب مسلمان مل کر ایک دوسرے کا سہارا اور قوت بنیں جیسے ایک ہاتھ ہوتا ہے۔

قال الغزالي: التقوىٰ ان تقوم عليها بقوة العزم فتمنعها عن كل معصية وتصونها عن كل فضول، فاذا فعلت ذلك كنت قد اتقيت اللّٰه تعالىٰ في عينك واذنك ولسانك وقلبك وبطنك وفرجك وجميع اركانك، والجمتها بلجام التقوىٰ۔

"امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تقویٰ یہ ہے کہ پختہ قوت کے ذریعہ خدا کی نافرمانی سے بچ جائے، ہر فضول کام سے اس کی حفاظت کرے، جب تو یہ کرے گا تو تو اللہ سے ڈرے گا اپنی آنکھ، کان، زبان، دل، شکم، شرمگاہ اور دیگر سارے اعضاء میں تقویٰ کی لگام سے انہیں باندھے رکھے گا۔ یعنی تقویٰ ایک ایک انسانی جوڑ پر قبضہ جمالیتا ہے تو کسی جوڑ سے نافرمانی سرزد نہیں ہوتی۔"

لمحہ فکریہ

مذکورہ حقائق کی روشنی میں ہمارے لئے کوئی چارہ باقی نہیں رہتا کہ تقویٰ کو بہر صورت اپنالیں ورنہ بے لگام زندگی کسی کام کی نہیں۔ ہر دم اور ہر جگہ تقویٰ مطلوب ہے۔ خوف خدا بہت بڑی نعمت ہے۔ جسے بھی حاصل ہو جائے۔ اللہ سے ڈر کر، دنیا میں بچ کر، بحفاظت نکل جانا عظیم الشان کامیابی ہے۔ چاروں طرف قدم قدم پر ٹھوکریں کھانے والے، بھٹکنے والے، ایک عقلمند کے لئے عبرت ہیں۔ جس کے ہوش وحواس قائم ہیں، جو نیند میں مدہوش نہیں وہ ضرور حالات سے سبق لیتا ہے۔ مگر اکثریت ان کی ہے جو خواب میں صرف ایک ہی ڈالر کے متوالے ہیں۔ جبکہ انہیں جاگتے ہوئے لاکھوں کروڑوں ڈالروں کی پیش کش ہے یعنی جنت کی۔ خواب میں ملنے والی رقم کا بھرم اس وقت کھل جائے گا جب آدمی نیند سے بیدار ہوگا۔ پھر ہاتھ ملتا رہ جائے گا۔ یہ دنیا بھی ایک خواب ہے اس خواب میں حاصل کی ہوئی چیزیں مرتے وقت بے قیمت ہو جائیں گی۔

اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

1. اللہ نے اپنی اطاعت اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے درمیان ربط فرما دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے "قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ" (آل عمران: 32)
"اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ فرما دیجئے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔"

2. قرآن کریم نے اطاعت رسول کو عین اطاعت الٰہی قرار دیا ہے:
مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (النساء: 80)
"جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہا مانے اس نے اللہ کا کہا مانا۔"

3. جو کچھ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس لے کر آتے ہیں اس کی اتباع لازم وضروری ہے
وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر: 7)
"جو کچھ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں دیں اسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔"

4. نیز قرآن کریم میں حکم آیا ہے کہ باہمی نزاع کی صورت میں قرآن وحدیث کی

طرف رجوع کرنا واجب ہے۔اللہ کا فرمان ہے:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا

''اگر تمہارا کسی بات میں جھگڑا ہو جائے تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہ تمہارے حق میں بہتر اور اس کا انجام بہت اچھا ہے۔'' (النساء:59)

پانچ برائیاں

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مندرجہ ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

اے مہاجرین کی جماعت!

میں خدا سے تمہارے لئے پانچ (5) بڑی برائیوں میں پڑنے سے پناہ مانگتا ہوں۔

1. جب کسی قوم میں علی الاعلان فحش کام ہونے لگتے ہیں تو وہ لوگ طاعون اور دوسری گوناگوں بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں جن سے ان کے اسلاف محض ناآشنا اور بے خبر تھے۔
2. جب کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگتی ہے تو وہ قحط سالی، سخت مصائب اور حکمرانوں کے مظالم میں پھنس جاتی ہے۔
3. جب کوئی قوم زکوٰۃ ادا نہیں کرتی تو ان پر بارش بند ہو جاتی ہے، اگر ان کے چوپائے نہ ہوں تو ان پر بارش کی ایک بوند بھی نہ برسے۔
4. جب کوئی قوم اللہ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عہد شکنی کرتی ہے تو اللہ ان پر دشمن مسلط کر دیتا ہے جو ان کے اموال چھین لیتا ہے۔
5. جب کسی ملک کے حکام احکام خداوندی کے مطابق فیصلے کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور احکام خداوندی میں اپنی مرضی برتتے ہیں تو اللہ ان کی قوم میں لڑائی ڈال دیتا ہے۔

(ابن ماجہ)

❁❁❁

جھوٹ اسلام کی نظر میں!

انسان میں دو (2) طرح کی کوتاہیاں اور کمزوریاں ہوتی ہیں

1 ایک قسم جس کا تعلق انسان اور خدا سے ہوتا ہے، خدائی عبادات اور حقوق اللہ میں کوتاہی کرنے سے خدا ناراض ہوتا ہے، اور حسبِ جرم اس کی سزا مقرر کر دی گئی ہے، مثلاً کوئی نماز میں غفلت کرے، یعنی بے وقت پڑھے، ارکان و شرائط نماز کا لحاظ نہ کرے، یا زکوٰۃ ادا تو کرے، مگر اس میں بھی ڈنڈی مارے۔ حج کی استطاعت ہوتے ہوئے بھی حج کو ٹالتا رہے، جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ ڈالنے سے گریزاں رہے، یا حقوق اللہ ادا تو کرے، مگر ان میں ریاکاری ہو، رمضان کے روزے لاپروائی سے رکھے، الغرض، جتنے بھی اللہ کے حق ہیں، ان میں کوتاہی کرنے سے انسان کا اپنا ہی نقصان ہوتا ہے، کسی اور کا کچھ نہیں بگڑتا۔

2 دوسری قسم کی کوتاہیاں وہ ہیں، جن سے

- خدا بھی ناراض ہوتا ہے۔
- کوئی دوسرا انسان بھی پریشان ہوتا ہے۔
- ایسی کوتاہی کرنے والا خود بھی نقصان اٹھائے گا۔

یہ قسم حقوق العباد کی ہے۔ اسلام نے ہر طبقے کے حقوق مقرر کر دیئے ہیں، ان میں کوتاہی زیادہ سنگین جرم ہے، مثلاً اگر میں نماز میں کوتاہی کروں یا زکوٰۃ یا حج میں تو اس کا نقصان میری ذات تک ہے، کسی اور کا کوئی نقصان نہیں ہے۔

لیکن اگر میں جھوٹ بولوں گا یا فریب کروں گا، کسی سے قرض لیا نہ دیا، بدزبانی کرنا، چغلیاں کھانا، مسلمانوں کو ستانا، والدین کی نافرمانی، بیوی سے ظلم، شوہر کی نافرمانی، اولاد سے بے جا محبت یا نفرت، یتیم سے زیادتی، مہمان کی رسوائی، ہمسایوں سے جھگڑے، ملازموں سے بدسلوکی، رفقائے سفر سے تلخی، بیمار کی عیادت نہ کرنا، مسلمان

کی عزت برباد کرنا، درشت روئی سے پیش آنا، لوگوں کے پردے چاک کرنا، تکبر اور غرور میں رہنا، غصہ سے پیش آنا، کسی کی نقل اتارنا، کسی کی مصیبت پر خوش ہونا، بے جا طرفداری کرنا، برے مذاق، وعدہ خلافی، عیب جوئی، حسد وبغض، بدنگاہی وغیرہ، یہ وہ کوتاہیاں ہیں، جن پر نہ صرف خدا ناراض ہوتا ہے بلکہ دیگر انسان متاثر ہوتے ہیں اور معاشرہ بگڑتا ہے، فساد بڑھتا ہے اور امن وسکون برباد ہو جاتا ہے، لہٰذا جب کوئی شخص کسی پر کوئی زیادتی کرے گا تو اس کے جواب آں غزل کے طور پر، انتقام کے جذبات ابھریں گے۔ پھر انتقام در انتقام کی آگ، پورے معاشرے کو جہنم زار بنا دے گی، سوسائٹی کا امن وسکون ہر فرد کا حق ہے، حضور ﷺ نے جس معاشرے کی بنیاد رکھی تھی، اس کے سکون کا یہ عالم تھا کہ خلیفۃ الرسول ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ کا قاضی مقرر کیا۔ ایک یا دو سال گزرے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دربار خلافت میں استعفیٰ پیش کر دیا۔

خلیفہ نے پوچھا: عمر رضی اللہ عنہ! کیا اس ذمہ داری سے گھبرا گئے ہو؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے خلیفہ رسول! گھبرایا نہیں ہوں، اصل وجہ یہ ہے کہ گزشتہ پورے عرصہ میں کوئی ایک مقدمہ بھی عدالت میں نہیں آیا، کیونکہ مدینہ شریف کا ہر باشندہ حقوق العباد سے پوری طرح آشنا ہے، ہر فرد اپنے حقوق کے دائرے میں رہتا ہے، کوئی کسی پر دست درازی نہیں کرتا، لہٰذا عدالت کے اس عہدہ پر خواہ مخواہ قابض رہنا ضروری نہیں ہے، جن کوتاہیوں اور معاشرتی بیماریوں کی معمولی سی فہرست اوپر گزر چکی ہے، وہ بڑے موذی مرض ہیں، ان میں سے یہاں فی الحال، ایک روگ اور بیماری کا ذکر قرآن وحدیث کی روشنی میں پیش کیا جاتا ہے۔

جھوٹ کے بارے میں قرآن کریم کے ریمارکس

1 اللہ پر جھوٹ باندھنا، سچائی کو جھٹلانا ظلم عظیم ہے، یہ کافرانہ حرکت جہنم میں لے جائے گی۔" (الزمر: 23)

یعنی جھوٹ مومنانہ نہیں، کافرانہ شیوہ ہے۔

2 جھوٹ بدکار عورتوں کا کام ہے۔ (سورۃ یوسف:27)

3 مشرک قیامت کے روز بھی جھوٹ بولیں گے۔

یعنی جھوٹ مشرکوں کا کام ہے، اس دنیا کی عادت ہے مجبور ہو کر روزِ محشر بھی جھوٹ ہی سے کام چلانے کی کوشش کریں گے۔

4 خدا گواہ ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔ (63/1)

یعنی جھوٹ منافقانہ کام ہے، اہل ایمان کا کام نہیں۔

5 جھوٹے لوگ ظالم ہیں اور ان پر لعنت اور پھٹکار پڑے گی۔ (ہود:18)

6 جھوٹوں کے قیامت کے روز، چہرے سیاہ کالے ہوں گے۔ (الزمر:60)

7 جھوٹ بولنا فرعون کا طریقہ تھا۔ (طٰہٰ:56)

یعنی یہ فرعونوں کا شیوہ ہے۔

8 جھوٹوں کے لئے بھڑکتی آگ ہوگی۔ (الفرقان:11)

9 جھوٹوں نے دنیا میں عذاب کا مزہ چکھ لیا (الانعام:148)

10 جھوٹوں نے دنیا میں بھی رسوا کن عذاب پایا۔ اور آخرت کا عذاب اس سے شدید تر ہے۔ (الزمر:52)

11 قوم نوح نے جھوٹ کو اپنایا تو غرق ہوگئی۔ (الشعراء105-120)

12 قوم عاد نے جھوٹ اپنایا، آخر کار ہلاک و برباد ہوئی۔ (الشعراء123-139)

13 قوم ثمود نے جھوٹ کو وطیرہ بنایا، بالآخر ان پر عذاب آیا۔ (الشعراء141-158)

14 قوم لوط نے جھوٹ کو شیوہ بنایا تو انہیں پتھروں کی بارش سے نیست و نابود کیا گیا۔ (الشعراء:160-174)

15 قوم شعیب نے بھی جھوٹ اختیار کیا، تو عذاب عظیم سے تباہ ہوئے۔ (الشعراء:176-190)

16 جھوٹ سے سارے اعمال ضائع ہو گئے۔ (الاعراف:147)

17 کفار مکہ اپنی خواہش نفس کے پیچھے لگے تو جھٹلا گئے۔ (القمر:3)

یعنی نفسانی خواہشات جھوٹ اگلواتی ہیں۔

18 روزِ محشر ہرامت سے ایک فوج کی فوج جھوٹوں کی گھیر کرلائی جائے گی۔(النمل:83)

19 حد سے گزرنے والے اور بدعمل ہی جھوٹ کا راستہ اپناتے ہیں۔(المطففین:12)

20 کافروں کا دھندہ جھوٹ ہے۔ (الانشقاق:22)

21 یہودی جھوٹ پر کان لگاتے ہیں۔ (المائدہ:41)

22 جھوٹ سننے والے اور حرام مال کھانے والے ہیں۔ (المائدہ:42)

یعنی جھوٹے حرام خور بھی ہیں۔

23 جھوٹی زبانوں کے لئے کوئی بھلا نہیں ہے۔ (النحل:62)

24 بے ایمان لوگ ہی جھوٹ گھڑتے ہیں۔ (النحل:105)

25 جھوٹی بات پر قسمیں کھاتے ہیں۔ (المجادلہ:14)

یعنی چوری بھی اور سینہ زوری بھی۔

26 جھوٹے کو اسلام کی دعوت دی جاتی ہے۔ (الصّف:7)

یعنی جھوٹا اسلام سے باہر ہے۔

27 جھوٹے بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ (الانعام:144)

یعنی جھوٹ سے گمراہی پھیلتی ہے۔

28 اللہ جھوٹے اور منکر حق کو ہدایت نہیں دیتا۔ (الزمر:3)

یعنی جھوٹ اور ہدایت دو مخالف چیزیں ہیں۔

29 خدا سچے اور جھوٹے کو الگ الگ چھانٹتا ہے۔ (العنکبوت:3)

30 اللہ حد سے گزرنے والے اور کذاب کو ہدایت نہیں دیتا۔ (المؤمن:28)

یعنی جھوٹا بے ہدایت ہوتا ہے۔

31 کل ہی انہیں معلوم ہوا جاتا ہے کہ کون پرلے درجے کا جھوٹا ہے۔(القمر:54)

32 وہاں (جنت میں) کوئی بے ہودہ اور جھوٹی بات نہ سنیں گے۔ (النباء:38)
یعنی جنت میں جھوٹوں کا کوئی کام نہیں۔

33 جھوٹوں کا انجام زمین میں چل پھر کر دیکھ لو۔

(آل عمران:137) (الانعام:11) (النحل:63)

34 تباہی ہے اس روز جھوٹوں کی۔ (الطّور:11) + (المرسلات:15)

35 جھوٹوں کے دباؤ میں ہرگز نہ آؤ۔ (القلم:8)

میمون بن مہران رحمہ اللہ نے کہا: بعض دفعہ آدمی نماز پڑھتا ہے تو اپنے آپ کو لعنت بھیجتا ہے، جب وہ تلاوت کرتے ہوئے پڑھتا ہے "اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ" کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہو، حالانکہ وہ خود ظالم ہوتا ہے، کسی نہ کسی پر زیادتی کر کے آیا اور نماز میں یہی آیت پڑھی یا سنی۔

کذب کی تشریح

کذب جھوٹ کو کہتے ہیں، قرآن کریم میں جگہ جگہ اس کی مذمت آئی ہے۔

1 معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی: (وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ...... الخ) (سورۃ النحل:116) "اور اپنی زبانوں کے جھوٹے بیان سے نہ کہا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے"۔

معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس آیت کی رو سے جھوٹ کا تعلق زبان سے ہے۔ یہ ہے زبان کا جھوٹ۔

2 (اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ) (المنافقون:1)

"یہ منافق قطعی جھوٹے ہیں۔"

یعنی منافق کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، یہ ان کا کہنا صرف زبان کا کہنا ہے، عقیدے کے طور پر دل سے یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول نہیں مانتے ہیں، اس لئے یہ جھوٹ اعتقادی ہوا۔ پہلا جھوٹ زبانی ہے، یعنی کبھی زبان جھوٹ بولتی ہے

اور خلاف واقعہ بات کرتی ہے اور کبھی زبان موافق واقعہ بات کرتی ہے جبکہ اندر سے دل منکر ہوتا ہے، اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

یعنی ہر زمانہ میں مومنوں کا طریقہ ایک ہی رہا ہے، بلال حبشی رضی اللہ عنہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ایسے عظیم المرتبت لوگوں نے جان بچانے کے لئے کبھی جھوٹ نہیں بولا ہے، ہمیشہ وہی بات زبان سے کہی۔ جس کو وہ دل سے سچی سمجھتے تھے، اقبال رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

قلندر جز دو حرف لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا
(بال جبریل)

یعنی قلندر وہ مرد مومن ہے جو اپنے اندر شان فقر و استغناء رکھتا ہے، فقیہ سے مراد وہ عالم دین جو تزکیہ نفس کے بجائے اپنا وقت منطقی موشگافیوں میں بسر کرتا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ دینی مسائل میں تو ماہر ہو جاتا ہے لیکن غلبۂ اسلام کا جذبہ اس کے دل میں پیدا نہیں ہوتا، فقیہ پر طعن کرنے سے تحقیر فقہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ بیمار ذہنیت ہے جس کی وجہ سے انسان فقہی مسائل میں اس قدر غرق ہو جائے کہ حقیقت یا مقصد حیات اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جائے، اگر ایک شخص ساری عمر ان فروعی مسائل میں الجھا رہے اور اقامت دین الٰہی میں حصہ نہ لے، تو مقصد حیات یقیناً فوت ہو جائے گا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تحقیق مسائل کرتے تھے مگر ان کا اصل ہدف غلبہ اسلام تھا، وہ اپنے اصل ہدف سے کبھی غافل نہ ہوئے تھے، آج ساری عمر درس توحید و رسالت دیتے گزر جاتی ہے، کبھی اعلاء کلمۃ اللہ کا ولولہ دل میں پیدا نہیں ہوتا کہ توحیدی نظام کو بالفعل دنیا میں قائم کریں۔ اور جو نظام ہائے باطل اپنی جڑیں مضبوط کر چکے ہیں ان کی بیخ کنی

کریں، انہیں جڑوں سے اکھاڑ پھینکیں۔ جنہوں نے انسانیت کو مصیبتوں کی آگ میں جھونک رکھا ہے۔ کہیں سے تو ٹھنڈی ہوا کا جھونکا انہیں آکر راحت وسکون دے۔

اقبال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غلبۂ اسلام اور اسلامی انقلاب کے لئے لغت ہائے حجازی کے ذخیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف **لا الہ الا اللہ** کا مفہوم سمجھ آجانا کافی ہے۔ لہٰذا قلندر اور فقیہہ دو (2) متضاد فکر ہیں۔

1. قلندر وہ ہے جو باتیں بہت کم کرے اور اپنی ساری توجہ نظام الٰہی کے قیام پر مرکوز کرے۔
2. فقیہہ شہر وہ ہے جو باتیں بہت زیادہ کرے اور اسلامی نظام سے کوسوں دور رہے۔

ایک اور شعر میں اقبال رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

علم کا مقصود ہے، پاکی عقل و خرد
فقر کا مقصود ہے عفت قلب ونگاہ

یعنی جس علم پر ہمیں ناز ہے وہ عقل کو پالش کر سکتا ہے، مگر دل ونگاہ کو پالش نہیں کر سکتا، قلب ونظر کو پالش اور صیقل فقر سے ملتی ہے۔ لہٰذا علم سے آگے فقر وغنا تک رسائی ضروری ہے، خیر کہانی دور نکلی جا رہی ہے، بات ہو رہی تھی جھوٹ اور کذب کی۔

مفسرین کرام نے قرآن کریم میں، کذب کو درج ذیل معانی پہنائے ہیں۔

1. نفاق (منافقت): وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ
"اور جو جھوٹ وہ بولتے ہیں، اس کی پاداش میں ان کے لئے درد ناک سزا ہے۔" (البقرہ:10)
2. شرک باللہ: فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ (الزمر:32)
"پھر اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا"
3. قذف المحصنات: (پاکدامن عورتوں پر تہمت) فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ (النور:13)

"اب کہ وہ گواہ نہیں لائے ہیں، تو اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔"

4 بمعنی انکار: مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی

"کوئی اس کے وقوع کو جھٹلانے والا نہ ہوگا۔" (واقعہ2)

5 خلاف واقعہ بات: "لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ"

"کوئی اس کے وقوع کو جھٹلانے والا نہ ہوگا۔" (واقعہ 2)

6 لغوی معنی میں جھوٹ: بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَ هُمْ

"بلکہ جب ان کے پاس حق آیا اسی وقت اسے جھٹلا دیا۔" (ق:5)

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تالیف "ریاض الصالحین" میں ایک باب باندھا ہے۔ باب "تحریم الکذب" یعنی علامہ موصوف جھوٹ کو حرام سمجھتے ہیں، اس بات کے تحت دو آیات قرآنی استدلال کے طور پر لائے ہیں:

1 وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (بنی اسرائیل:36)

"کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔"

یعنی لوگ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں وہم و گمان کے بجائے علم کی پیروی کریں۔ یہ جھوٹ کی وہ قسم ہے جو شک وشبہ اور وہم وگمان کی بنیاد پر پھیلتی ہے، علم و یقین کا یا شعور وفہم کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

2 مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (ق:18)

"کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لئے ایک حاضر باش نگران موجود نہ ہو۔"

امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا احساس

امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے قرآن کریم کی تین (3) آیات لوگوں کو بتاتے ہوئے بہت شرم آتی ہے۔

1 أَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ (البقرۃ:44)

''تم دوسروں کو تو نیکی کا راستہ اختیار کرنے کے لیے کہتے ہو، مگر اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔''

2 وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ (ہود:88)

''اور میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ جن باتوں سے میں تم کو روکتا ہوں ان کا خود ارتکاب کروں۔''

3 يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصف:2)

''اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو، جو خود نہیں کرتے ہو؟''

(تفسیر قرطبی جلد:18)

مذکورہ آیت کے بارے میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتے اور ڈینگیں مارتے کہ میں نے جنگ لڑی ہے، میں نے اپنی تلوار سے مارا ہے حالانکہ فی الحقیقت انہوں نے کچھ نہیں کیا ہوتا تھا، تب یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر فتح البیان القنوجی، جلد 14)

علامہ زمخشری رحمہ اللہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: یہ کلام جھوٹ بولنے اور وعدہ خلافی کرنے کے بارے میں آئی ہے، جب کچھ مسلمانوں نے کہا کہ کاش ہمیں معلوم ہو جائے کہ کون سا عمل اللہ کو محبوب ترین ہے، تو ہم وہ عمل شوق سے کریں، اس میں اپنے مال خرچ کریں، اپنی جانیں کھپا دیں، تو اللہ نے جہاد فی سبیل اللہ کا عمل بتایا، لیکن وہ جنگ احد کے روز فرار ہو گئے تو اللہ نے ان کو بے وفائی پر انہیں عار دلائی ہے۔

(تفسیر الکشاف، جلد 4)

علامہ طبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ایسے مسلمان جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد سے میدان احد چھوڑ کر فرار ہوئے تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی مبارک زخمی ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دانت مبارک ٹوٹے (شہید ہوئے) (تفسیر ابن جریر، جلد 14)

سید مودودی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک سچے مسلمان کے قول و عمل میں مطابقت

ہونی چاہیے، جو کچھ کہے اسے کر کے دکھائے اور کرنے کی نیت یا ہمت نہ ہو تو زبان سے بھی نہ نکالے، کہنا کچھ اور کرنا کچھ، یہ انسان کی ان بدترین صفات میں سے ہے جو اللہ کی نگاہ میں نہایت مبغوض ہیں، کجا کہ ایسا شخص اس اخلاقی عیب میں مبتلا ہو جو اللہ پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتا ہو۔ (تفسیر تفہیم القرآن، جلد 5)

سچائی کی فضیلت اور جھوٹ کی مذمت قرآن میں

- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ

  ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو'' (التوبۃ:119)

- وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا (مریم:41)

  ''اور دعا کرو کہ پروردگار! مجھے جہاں بھی تو لے جا، سچائی کے ساتھ لے جا، اور جہاں سے بھی نکال، سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے۔''

- وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا

  ''اور اس کتاب میں ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کرو، بے شک وہ ایک راست باز انسان اور نبی تھا۔'' (مریم:41)

- مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ (الاحزاب:23)

  ''اہل ایمان میں سے ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے، ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا ہے اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے۔''

- وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ (الزمر:60)

”آج جن لوگوں نے خدا پر جھوٹ باندھے ہیں، قیامت کے روز تم دیکھو گے کہ ان کے منہ کالے ہوں گے، کیا دوزخ میں تکبر کرنے والوں کے لئے کافی جگہ نہیں ہے؟“

- وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا (مریم:54)

”اور اس کتاب میں اسماعیل کا ذکر کرو، وہ وعدے کا سچا تھا اور رسول نبی تھا۔“

- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور بات سیدھی کرو“ (الاحزاب:70)

- قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ (الذاریات:10) یعنی (لعن الکذبون) کہ جھوٹے لعنتی ہیں۔ (تنبیہ الغافلین)

- وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا

”اور اس کتاب میں ادریس علیہ السلام کا ذکر کرو، وہ ایک سچا انسان اور ایک نبی تھا۔“ (مریم:56)

جھوٹ، حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں:

- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم پر سچ بولنا لازم ہے کیونکہ سچائی نیکی کی راہ بتاتی ہے اور نیکی جنت تک پہنچاتی ہے۔ جب تک آدمی سچ بولتا رہتا ہے اور سچائی کی تلاش میں رہتا ہے، تب تک اللہ کے ہاں صدیق (بہت سچا) لکھا جاتا ہے، جھوٹ کو چھوڑ دو، کیونکہ جھوٹ گناہوں کی راہ دکھاتا ہے اور گناہ جو ہیں وہ دوزخ کی آگ تک پہنچاتے ہیں، جب تک آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کی جستجو میں رہتا ہے تب تک وہ اللہ کے ہاں کذاب (بہت جھوٹا) لکھا جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

- ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے۔ ”اصدقوا اذا حدثتم“ جب

بات کرو، سچ کرو، یہ فرمان بصیغۂ امر اور بصیغۂ جمع ہے۔

سب مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے، زبان رسالت ﷺ سے۔

''کہ ہمیشہ سچ بولو، جھوٹ نہ بولو، اور سارے ہی سچے بنو کوئی کوئی نہیں اور کبھی کبھی نہیں۔'' (تصحیح الاسناد: رواہ الحاکم)

☐ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''آدمی جب تک جھوٹ بولتا اور جھوٹ کا متلاشی رہتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نکتہ لگتا رہتا ہے، یہاں تک کہ سارا دل ہی کالا ہو جاتا ہے، اللہ کے ہاں جھوٹے لوگوں میں لکھا جاتا ہے یعنی قیامت کے روز انہی میں اٹھایا جائے گا اور انہی کے ساتھ عذاب دیا جائے گا۔ (رواہ موطا)

☐ حضور ﷺ نے فرمایا: میں نے شب معراج میں دیکھا، ایک آدمی کے رخسار پھاڑے جا رہے ہیں، یہ وہ جھوٹ بولنے والا تھا، جو دنیا میں جھوٹ بولتا اور عوام الناس میں اسے پھیلاتا تھا اور رخساروں کے پھاڑنے کا عذاب مسلسل، قیامت تک اسے دیا جاتا ہے۔ (رواہ البخاری فی الادب)

☐ حضور ﷺ نے منافق کی تین (3) نشانیوں میں سے ایک یہ فرمائی: ''اذا حدث کذب'' جھوٹ سے بات کرتا ہے، صحیح مسلم میں یہ بھی ہے، چاہے وہ نمازی، روزے دار اور مسلمان ہونے کا مدعی ہو۔ (بخاری و مسلم)

علامہ منذری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایسا شخص، آپ دیکھیں کہ وہ حقوق اللہ کا ادا کرنے والا ہے، لیکن اس نے اپنے ایمان کے محل (Palace) میں دراڑ ڈال لی ہے، وہ شگاف اتنا بڑا ہے اور دیوار اتنی بوسیدہ ہوگئی ہے، کہ اس پر رنگ و روغن کرنا بے کار ہے، حضور ﷺ نے جھوٹ سے منع فرمایا تھا، مگر اس نے جھوٹ سے ایمان ناقص کرلیا، ایک جھوٹ کئی جھوٹوں پر مجبور کرتا ہے، دوسروں کو پریشان کرتا ہے، خود بھی حزن و ملال میں مبتلا رہتا ہے، ذلیل و رسوا ہوتا ہے، خدا اور رسول ﷺ کو ناپسند ہوتا ہے۔ (الترغیب والترھیب، جلد سوم)

☐ حضور ﷺ نے فرمایا: ''مومن پر ہر قسم کا الزام لگ سکتا ہے، ہر کمزوری اس سے سرزد ہوسکتی ہے، سوائے بددیانتی اور جھوٹ کے'' (رواہ احمد)

یعنی ہر گناہ اور خطا، اس سے ممکن ہے مگر مؤمن کبھی جھوٹا اور خائن نہیں ہوسکتا۔

- حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت ہے۔ "الکذب مجانب الایمان" جھوٹ ایمان کے کنارے کنارے چلتا ہے یعنی اندر داخل نہیں ہوتا۔ (رواہ البیہقی)

- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: کیا مومن بزدل ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! پھر پوچھا گیا: کیا مومن بخیل ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! پھر پوچھا گیا: کیا مؤمن جھوٹا ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ (مرسلاً رواہ مالک)

یعنی بزدلی اور بخیلی بھی اگرچہ اعلیٰ کردار کے منافی ہے لیکن جھوٹ تو تمام رذائل میں زیادہ ردی اور گھٹیا چیز ہے۔

- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایمان اور کفر ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے، سچ اور جھوٹ اکٹھے نہیں ہو سکتے، دیانتداری اور بددیانتی ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ (رواہ احمد)

علامہ منذری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایمان کفر کو بھگاتا ہے، سچائی جھوٹ سے دور بھاگتی ہے، امانت خیانت کو قبول نہیں کرتی۔ لہٰذا مومن کامل کی نشانی یہ ہے کہ اس میں یہ تینوں (3) صفات پائی جائیں۔

1 ایمان 2 صدق 3 امانت

- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خبردار! جھوٹ چہرے کو سیاہ کردے گا اور چغلی عذاب قبر دلوائے گی، یعنی قیامت میں جھوٹے کا کالا منہ ہوگا۔ چغل خور قبر میں دھرلیا جائے گا۔ (رواہ ابن حبان والبیہقی)

- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: والدین سے حسن سلوک عمر میں برکت دیتا ہے۔ جھوٹ سے رزق میں برکت نہیں رہتی اور دعا قضا کو ٹال دیتی ہے۔ (الترغیب والترہیب)

یعنی جھوٹ رزق کو بے برکت یوں کر دیتا ہے کہ بظاہر چاہے آدمی کے پاس دولت کے انبار ہوں مگر ذہنی سکون برباد ہو جاتا ہے، حالانکہ ذہنی سکون دنیا کی تمام نعمتوں میں بڑی نعمت ہے، پھر دوسری بے برکتی یہ ہے کہ ساری نعمتیں پانے کے باوجود آدمی خدا

کی نعمتوں سے لطف اندوز نہ ہو سکے، ایسے دولت مندوں کو اکثر شوگر، بلڈ پریشر، عارضہ قلب، دمہ جیسے موذی مرض لاحق ہوتے ہیں۔ دو (2) بڑی عظیم الشان دنیوی نعمتوں سے محروم ہیں۔

1 ذہنی سکون 2 جسمانی صحت۔

یہ ہے رزق میں بے برکتی کہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی محروم رزق ہے۔

- حضور ﷺ نے فرمایا: جب کوئی جھوٹ بولتا ہے تو رحمت کا فرشتہ، جھوٹ کی بدبو سے ایک میل دور چلا جاتا ہے، (قال الترمذی، حدیث حسن)

- عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حضور ﷺ کو جھوٹ سے زیادہ کسی اور برائی سے نفرت نہ تھی، جب کوئی آپ ﷺ کے سامنے جھوٹ بولتا تو دیر تک آپ ﷺ کی طبیعت پر اثر رہتا کہ جھوٹے کو توبہ کی تجدید کرنی چاہیے۔

(رواہ احمد وابن حبان)

- عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز میری والدہ نے مجھے پکارا، حضور ﷺ ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے، میری ماں نے کہا: ادھر آؤ میں تمہیں چیز دوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: اسے کیا دینا چاہتی ہو؟ میری ماں نے کہا: کھجور دوں گی، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تو اسے کچھ نہ دیتی تو جھوٹی لکھی جاتی۔

(رواہ ابوداؤد والبیہقی)

یعنی حضور ﷺ نے عورت سے سوال کر کے حکیمانہ انداز میں سمجھا دیا اور سچائی کا درس دیا، جیسے کسی پیاسے کو عین موقعہ پر میٹھے پانی کا گلاس دے دیا جائے، حضور ﷺ موقع ومحل دیکھ کر حکمتیں سکھاتے تھے، عام طور پر مائیں بچوں کو بلانے کے لئے یونہی جھوٹی تسلی دے کر بلاتی ہیں اور چیز کوئی نہیں دیتیں، یعنی بچوں کو بچپن ہی میں جھوٹ کی عادت ڈال دیتی ہیں، جس سے بچوں کے جوان اور بوڑھے ہونے تک ماں باپ کے کردار کی خامیاں اولاد میں جڑ پکڑ جاتی ہیں۔ یہ باتیں بظاہر معمولی ہیں،

مگر ان کے اثرات دور رس ہیں۔

☐ حضور ﷺ نے فرمایا: اس شخص کے لئے ویل ہے۔(یعنی جہنم) جو لوگوں کو ہنسانے کی خاطر، جھوٹی باتیں سناتا ہے، اس کیلئے ویل ہے۔اس کے لئے ویل ہے۔

(ابوداؤد، ترمذی وغیرہ)

☐ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کہتی ہیں : ہم نے حضور ﷺ کی ایک زوجہ کو آپ ﷺ کے گھر بھیجا، جب ہم آپ ﷺ کے گھر آپ ﷺ کی دلہن کو لئے ہوئے پہنچے تو آپ ﷺ، دودھ کا بڑا پیالہ نکال کر لائے، پھر آپ ﷺ نے بقدر خواہش پیا اور اس کے بعد اپنی بیوی کو دیا۔تو انہوں نے کہا: مجھے تمنا نہیں ہے۔تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم بھوک اور جھوٹ کو جمع نہ کرو۔" (راہِ عمل)

یعنی حضور ﷺ نے محسوس کر لیا کہ بھوک انہیں لگی ہے لیکن تکلف فرما رہی ہیں، اسلئے آپ ﷺ نے جھوٹے تکلف سے منع فرمادیا۔

☐ حضور ﷺ نے فرمایا: کیا میں آپ کو (اکبر الکبائر) تین (3) بڑے بڑے گناہ بتاؤں؟ صحابہ نے کہا: جی ہاں!

آپ ﷺ نے فرمایا:

1 شرک باللہ

2 والدین کی نافرمانی

آپ ﷺ ٹیک لگائے بیٹھے تھے کہ اچانک سیدھے ہو کے بیٹھ گئے پھر فرمانے لگے،

3 تیسرا گناہ کبیرہ جھوٹی بات ہے۔

جھوٹی بات ہے، اس کو آپ ﷺ نے اتنی بار دہرایا کہ ہم سوچنے لگے کہ کاش! آپ ﷺ اب خاموش ہو جائیں۔ (متفق علیہ)

☐ حضور ﷺ نے فرمایا: شب معراج میں مجھے دکھایا گیا کہ کچھ لوگوں کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں، جب وہ کٹ جاتے ہیں تو دوبارہ پھر درست ہو

جاتے ہیں، میں ﷺ نے پوچھا: جبریل! یہ کون لوگ مبتلائے عذاب ہیں؟ اس نے بتایا: یہ آپ ﷺ کی امت کے وہ خطیب ہیں جو کہتے کچھ تھے اور کرتے کچھ تھے، کتاب الٰہی پڑھتے تھے، مگر عمل اس کے خلاف کرتے تھے۔ (تفسیر قرطبی بحوالہ الجامع الکبیر للسیوطی)

☐ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واعظم الخطایا اللسان الکذوب۔ گناہوں میں بڑا گناہ جھوٹی زبان ہے۔

☐ نبی اکرم ﷺ نے جھوٹی گواہی کو بڑے گناہوں میں شمار کیا ہے۔
(بخاری ومسلم کی طویل حدیث)

علامہ صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: کبیرہ گناہ وہ ہے جس کی شریعت نے سزا مقرر کی ہو یا عذاب آخرت کی وعید دی گئی ہو۔ (ترجمہ بلوغ المرام)

☐ حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے جھوٹی بات میری طرف منسوب کی، قیامت کے روز اسے کہا جائے گا کہ جو (شعیر Barley) کے دانے کے دونوں سروں کو پکڑ کر انہیں گانٹھ (گرہ) دو لیکن وہ انہیں ہرگز گرہ نہ دے سکے گا۔
(کنز العمال: حدیث 2949)

اصحابِ رسول ﷺ اور صلحاءِ امت کے خیالات

☐ عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ایک علاقے کے گورنر تھے، وہاں سے جب واپس آئے تو ان کی بیگم نے تقاضا کیا کہ جیسے دیگر گورنر اپنے گھر کچھ نہ کچھ لاتے ہیں، کیا تم بھی ہمارے لئے کچھ لائے ہو؟ معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میرے ساتھ ایک ناظر (نگران) مقرر تھا، بیوی کہنے لگی: عجیب بات ہے! آپ تو حضور ﷺ کے امین تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ کے امین تھے، عمر رضی اللہ عنہ نے تمہارے ساتھ ناظر کیوں مقرر کیا؟ یہ بات رفتہ رفتہ عورتوں نے گھر گھر پہنچا دی حتیٰ کہ عمر رضی اللہ عنہ تک یہ شکایت پہنچی۔ خلیفہ نے معاذ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: میں نے کونسا آپ کے ساتھ ناظر بھیجا تھا؟ معاذ رضی اللہ عنہ نے جواباً کہا: میں نے آپ کا نام بالکل نہیں لیا تھا۔ میرے کہنے کا مطلب تھا کہ میرے ساتھ

ناظر یعنی نگران اللہ تعالیٰ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہنس پڑے اور کچھ مال عنایت فرمایا اور کہا لے جاؤ اپنی بیوی کو خوش کرو۔

☐ ایسا ہی واقعہ عبداللہ بن عتبہ نے بیان کیا کہ میں اپنے والد کے ساتھ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا۔ میں اچھے لباس میں تھا، جب ہم باہر نکلے تو میرا اچھا لباس دیکھ کر لوگوں نے کہا: کیا یہ تمہیں امیر المؤمنین نے عطا کیا ہے؟ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ مگر میرے والد نے فوراً کہا: جھوٹ مت بولو، حالانکہ یہ جملہ جھوٹ نہ تھا، پھر بھی حاکم وقت کو دعا دینے کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اس نے کسی انعام واکرام سے نوازا ہے، یوں یہ بات جھوٹی اور بے اصل تھی، اس لئے میرے والد نے منع کر دیا تھا۔

(احیاء العلوم غزالی رحمۃ اللہ علیہ)

☐ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب باندھا ہے المتشبع بما لم ینل، وما ینھی من افتخار الضرۃ یعنی جو چیز نہ ملے، اس کا بہانہ کرنا کہ مجھے ملی ہے اور سوت (سوکن) کو فخر جتانے سے روکنا۔ (کتاب النکاح صحیح بخاری)

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے باب باندھا ہے۔ النھی عن التزویر فی اللباس والمتشبع بما لم یعط یعنی فریب کا لباس پہننے کی ممانعت اور جو نہ ہو اس کے ہونے کا دعویٰ کرنے کی ممانعت۔ (کتاب اللباس، صحیح مسلم)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے باب باندھا ہے۔ ماجآء فی المتشبع بمالم یعطه، یعنی اپنے پاس جو چیز نہ ہو اس پر اترانے کے بیان میں۔ (ابواب البر والصلۃ، جامع ترمذی)

ان ابواب کے تحت مذکور محدثین نے یہ حدیث ذکر کی ہے، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک عورت نے حاضر ہو کر عرض کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میری ایک سوت (سوکن) ہے اگر میں اسے جلانے کے لئے کہہ دوں کہ میرے شوہر نے مجھے کچھ دیا ہے (حقیقت میں کچھ دیا نہ ہو) ایسا کہنے سے کیا مجھے گناہ ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی فریب کے دو کپڑے پہن لے" یعنی یہ دہرا گناہ ہے۔

1 حسد میں جل کے بات کرنا۔ 2 جھوٹ بولنا۔

اسی حدیث کے ضمن میں علامہ بدیع الزمان رحمہ اللہ لکھتے ہیں: یعنی علم وفضل اور تفقہ فی الدین کسی کو حاصل نہ ہو اور کپڑے علماء کے پہن کر دکھاتا پھرے کہ لوگ اس کی اسی طرح تعظیم وتکریم کریں۔ یعنی ایسا جاہل عالمانہ بھیس بنا کے لوگوں کو فریب دیتا ہے۔ یہ فریب جھوٹ کے زمرے میں آتا ہے۔

- امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو فرمایا: بیٹا! جھوٹ مت بولنا، اگرچہ جھوٹ چڑیا کے گوشت کی طرح مزے دار ہوتا ہے، مگر تھوڑی سی بات سے جھوٹ بولنے والے کی قلعی کھل جاتی ہے۔
- عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب سے مجھے پاجامہ باندھنے کی تمیز اور شعور ہوا ہے اس وقت سے میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا ہے۔
- امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جھوٹ اس لئے حرام ہے کہ اس سے دوسروں کو ضرر اور نقصان پہنچتا ہے۔ (احیاء العلوم)
- عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا: "التقی ملجم" متقی آدمی کے منہ پر لگام ہوتی ہے یعنی وہ خوف خدا سے زبان ہی نہیں کھولتا اور جو خوف خدا سے خالی ہوتے ہیں وہ بے تحاشا بولتے ہیں اور ہر اچھی بری بات کرتے چلے جاتے ہیں اور زبان قینچی کی طرح چلتی ہے اور سب کچھ کاٹتی چلی جاتی ہے۔
- ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: مصیبت اور آزمائش زبان کے ساتھ بندھی ہوئی ہے۔
- داناؤں کا قول ہے: من ضاق صدرہ اتسع لسانہ یعنی جس کا دل تنگ ہوگا اس کی زبان دراز ہوگی۔
- زیادہ باتیں کرنے والا (حاطب لیل) رات کو لکڑیاں چننے والے کی طرح ہے۔ ایسے اندھیرے میں حاطب لیل کے ہاتھ میں بعض دفعہ لکڑی کے بجائے سانپ یا بچھو آتا ہے اور وہ اسے ڈنک لگا جاتا ہے۔
- خاموشی حکمت ہے مگر اسے اپنانے والے بہت تھوڑے لوگ ہیں۔ (العقد الفرید)

اہل رخصت اور اہل عزیمت

☐ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ عبدالملک بن مروان نے حجاج کو حکم لکھ بھیجا کہ فلاں فلاں قیدیوں کے سامنے تلوار لہرا کر پوچھو کہ جو شخص کفر کا اقرار کرے اسے چھوڑ دیا جائے گا اور جو کافر ہونے سے انکار کرے، اسے قتل کر دیا جائے۔

عامر شعبی اور مطرف بن عبداللہ اور سعید بن جبیر تینوں پیش کئے گئے۔ شعبی اور مطرف نے تعریض و کنایہ سے کام لیا اور جان بچا گئے، مگر سعید بن جبیر نے اقرار کفر نہ کیا اور قتل ہونا گوارا کر لیا۔ یعنی جھوٹ بولنا پسند نہ کیا اور جان خدا کے حوالے کر دی۔

☐ ایسا ہی واقعہ خلیفہ واثق باللہ کے زمانے کا ہے۔ جب واثق نے فتنۂ خلق قرآن کے لئے احمد بن ابوداؤد کو مقرر کیا۔ وقت کے علماء کو آزمایا گیا۔ ان میں سے ایک عالم حارث بن مسکین نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ قرآن (نعوذ باللہ) مخلوق ہے۔

حکومت وقت کو خوش کرنے کیلئے یہاں تک کہا گیا کہ تورات، انجیل، زبور اور قرآن یہ چاروں (4) کتابیں مخلوق ہیں، اس طرح قتل ہونے سے اپنے آپ کو بچایا گیا اور جھوٹ سے جان بچائی، مگر فقیہہ بغداد احمد بن نصر رحمہ اللہ نے یہ کفریہ کلمہ کہنے سے انکار کر دیا انہیں سولی پر لٹکایا گیا اور شہید کر دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

بہر کیف، جان بچانے کی اگرچہ شریعت میں رخصت ہے مگر عزیمت کی راہوں پر چلنے والوں کا نام دونوں جہانوں میں روشن ہوتا ہے۔ (العقد الفرید، جلد دوم، سوم)

جسے اسلام کی عظمت پر کٹ مرنا نہ آتا ہو
مسلمانوں کے بیڑے کا کھیوا ہو نہیں سکتا

اپنی جان بچانے والے، صرف اپنی ہی جان بچایا کرتے ہیں اور راہ خدا میں جان کھپانے والے اسلام کا پرچم بلند کرتے ہیں، یہی اہل عزم وہمت، قوموں کی راہبری کا حق رکھتے ہیں، مگر گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر علم وفتویٰ کے مسند نشین، زہد وتقویٰ کی نمائش کرنے والے، اپنے ارادتمندوں سے خوب خراج تحسین پانے والے، راہ حق کے مرد میدان بہت کم پائے گئے ہیں، ان کی اکثریت ظلم وجبر سے ہمیشہ چشم پوش یا مصالحانہ رویہ رکھتی ہے۔

زبان کی اہمیت

- ابوالدرداء کا قول ہے: زبان سے جو کام لینا ہو، وہ کانوں کے کام سے نصف ہونا چاہئے، کیونکہ قدرت نے دو کان دیئے ہیں اور زبان ایک دی ہے، لہٰذا بولنے سے زیادہ سننا ضروری ہے۔
- خردمندوں کا کہنا ہے: جس کی باتیں زیادہ ہوں گی اس کی خطائیں زیادہ ہوں گی، جس کی خطائیں زیادہ ہوں گی اس کے اخلاق برے ہوں گے، جس کے اخلاق برے ہوں گے، اس کے دوست کم ہوں گے۔ (العقد الفرید، جلد دوم)

جھوٹ صرف تین (3) مقامات پر مباح (جائز) ہے

ام کلثوم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صرف تین (3) مقام پر جھوٹ کی رخصت کی اجازت سنی ہے۔

1. لوگوں میں صلح کرواتے وقت
2. دورانِ جنگ
3. میاں بیوی کی صلح کے وقت (رواہ مسلم)

اس حدیث سے حصر ثابت ہوا کہ تین (3) ہی مقام مذکور ہیں، مگر آج عوام سے لے کر حکمرانوں تک کی اکثریت، بلکہ دنیا دار علمائے دین تک، جھوٹ کو مذکور تین (3) مقام سے ہٹ کر کہاں کہاں استعمال کرتے ہیں؟ یہ بات نہایت قابل غور ہے، جس کی طرف سے اہل قیادت غافل ہوئے، ان کی غفلتوں کا نتیجہ ہے کہ جھوٹ زبان زدِ عام ہوا، سیاست میں جھوٹ، معاشرت میں جھوٹ، معیشت میں جھوٹ، تعلیم میں جھوٹ، بچوں سے جھوٹ، بیویوں سے جھوٹ، شوہروں سے جھوٹ، نوکروں سے جھوٹ، افسروں سے جھوٹ، بڑوں سے جھوٹ، چھوٹوں سے جھوٹ، دنیاوی طلبہ میں جھوٹ، دینی طلبہ کی اکثریت میں جھوٹ، دنیاوی علماء میں جھوٹ، ٹی وی پر جھوٹ، اخباروں میں جھوٹ، ریڈیو پر جھوٹ۔ کیا یہ سارے طبقے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے

مطابق تین (3) ہی مقام پر جھوٹ روا سمجھتے ہیں، یا مقام رخصت سے ہٹ کر، حیلے سازیاں کر کے، یہود کے نقش قدم پر چلتے ہیں؟ حکمران طبقہ روزانہ جھوٹ بولتا ہے تو عوام الناس کو بے وقوف بنانے کیلئے۔ سیاستدان جھوٹ بولتے ہیں، تو کرسی اقتدار کے حصول ناحق کیلئے۔ دکاندار جھوٹ بولتے ہیں تو گاہکوں کو پھانسنے کے لئے۔ صحافی جھوٹ لکھتے ہیں تو حکمرانوں سے ناجائز مراعات حاصل کرنے کے لئے۔

وکلاء جھوٹ بولتے ہیں تو دکان زرگری بڑھانے کیلئے۔ دیہاتوں اور شہروں کے سردار اور چوہدری جھوٹ بولتے ہیں تو اپنے غرور نفس کی تسکین کے لئے، ایک دوسرے پر جھوٹے مقدمے بنواتے ہیں تو جھوٹی انا کے لئے۔ مذہبی جنونی لوگ ایک دوسرے پر برستے ہیں تو (بغیا بینھم) باہمی چپقلش کے لئے۔ لیکن نام دین کا لے کر دنگل رچاتے ہیں، جھوٹ کی لعنت سے ہر طبقے کے سلیم الفطرت لوگ خال خال بچنے والے ہیں، مگر امت مسلمہ کی چادر وحدت جھوٹ سے تار تار ہوئی ہے۔ کیا یہ لوگ واقعی انہی تین (3) مقامات پر جھوٹ کہتے ہیں جو پیغمبر ﷺ نے فرمائے ہیں؟

مفکرِ اسلام سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"جھوٹ سے یوں گریز کریں جیسے آپ (غلاظت) گندگی کھانے سے بچتے ہیں۔" (ذاتی خط میں نصیحت)

سید کا یہ جملہ ذہن نشین ہو جائے، تو جھوٹ سے نفرت ہو جاتی ہے، جیسے گندگی سے نفرت ہوتی ہے، پھر جھوٹ زندگی سے رخصت ہو جاتا ہے، جب آدمی سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول بلیغ پر غور کرتے ہوئے ان کے ذاتی سیرت و کردار پر نظر دوڑاتا ہے تو ان کی زندگی میں بھی عملاً نہ جھوٹ ملتا ہے، نہ جھوٹ کے جواز میں حیلے بہانے نظر آتے ہیں، یہ عظمت کردار اپنا لوہا منوا کر چھوڑتی ہے، حق پرستوں کی سیرت دیکھیں تو بے دروغ دکھائی دیتی ہے، انبیاء کرام، صحابہ کرام، صلحائے امت، ائمہ دین،

سب کی زندگیاں تابناک و درخشاں ہیں، اس امت کی دینی و دنیاوی سرفرازی انہیں کے نقش قدم پر چلنے میں ہیں۔

جو لوگ دنیاوی مفادات اور مجبوریوں میں جھوٹ کو جائز قرار دیتے ہیں وہ دراصل علمائے یہود کے نقش قدم پر جا رہے ہیں، تکذیب و کذب بیانی کی وجہ سے، شریعت موسیٰ کے ساتھ کھیلنے کی وجہ سے، خدا نے انہیں ذلت و مسکنت میں مبتلا کیا تھا، اور اہل اسلام کو راہ حق اپنانے کی وجہ سے دنیا میں عظمت و رفعت عطا کی تھی، مگر جوں جوں مسلمان راہ حق سے ہٹتے گئے تو آج یہودیوں سے بھی بدتر حالت میں جا گرے، کبھی تو اہل قیادت کو ہوش کے ناخن لینے چاہئیں۔ خود بھی سدھریں عوام کو بھی سدھاریں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

حرف اول

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الَّذِیْ ھَدَانَا لِاتِّبَاعِ سُنَّۃِ نَبِیِّہِ الْکَرِیْم
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْمُرْسَلِیْنَ اَمَّا بَعْد......!

اللہ کا بھیجا ہوا دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، جس میں فرد اور معاشرہ دونوں کے لئے ایسی تعلیمات اور احکام ہیں جن پر عمل کرنے کے نتیجے میں ایک صالح اور پاکیزہ معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ اسلام کی کچھ تعلیمات اور احکام ایسے ہیں کہ وہ مرد و زن دونوں کے لئے لازمی اور مشترک ہیں، ان میں سے لباس کے احکام بھی ہیں لباس کی اہمیت اور ضرورت سورہ اعراف کی اس آیت سے اجاگر ہوتی ہے:

یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا۔

''اے اولاد آدم! تحقیق ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمہاری شرم گاہوں کو چھپاتا ہے اور وہ زینت کا باعث ہے۔'' (الاعراف:26)

اس آیت میں لباس کو بنی آدم کے لئے ستر اور زینت کا باعث قرار دیا گیا ہے اور پرہیزگاری کا لباس بہت بہتر ہے۔ شریعت اسلامیہ نے جس قدر لباس کی اہمیت اور ضرورت بیان کی ہے اسی قدر لباس سے آج کل کے انسان خصوصاً عورتیں الرجک (Alergic) نظر آتی ہیں۔ اکثریت کے جسموں پر صرف نام کا لباس ہوتا ہے یا تو وہ اس قدر باریک ہوتا ہے کہ نیچے سے جسم صاف نظر آتا ہے۔ یا تنگ اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ جسم کے تمام خدوخال نمایاں ہوتے ہیں۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ عورتوں کا لباس روز بروز مختصر ہوتا جا رہا ہے۔ پہلے برقع اور پھر چادر اتری اور اب تو باریک دوپٹے بھی اترتے جا رہے ہیں۔ شیطان اور اس کے مغربی چیلے چانٹے انسانوں کو بالکل بے لباس کردینے کے درپے ہیں بلکہ اپنے ہاں تو انہوں نے ننگوں کی سوسائٹیاں بھی تشکیل دی ہوئی ہیں۔ کندھے تک سمٹے بازو اور کاٹ دار پائنچے تو عام رواج پا چکے ہیں حتیٰ کہ قمیضوں پر جگہ جگہ سوراخ کیے جاتے ہیں تاکہ جسم کی جلد زیادہ سے

زیادہ نمایاں ہو، بے حیائی پھیلے اور شیطان خوش ہو۔
عزیز دوستو! اللہ نے بہت پہلے ہمیں شیطان کی چالوں سے بچ کر رہنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ سورۃ اعراف میں فرمایا:

يَبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا۔

”اے بنی آدم! کہیں شیطان تمہیں فتنے میں نہ ڈال دے جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکلوا دیا تھا جب اس نے ان دونوں کا لباس اتروایا تھا تا کہ انہیں ان کی شرم گاہیں دکھادے۔“ (الاعراف:27)

شیطان نے اپنے چیلے اس کام کے لئے لگائے ہوئے ہیں کہ نت نئے ڈیزائن صرف عورت کو بے لباس کرنے کے لئے تیار کرتے ہیں، پھر بھی شیطان انسانوں سے خوش نہیں۔ اس کی خوشی اس میں ہے کہ جس طرح وہ خود جہنم میں جائے گا اسی طرح وہ انسانوں کو بھی زیادہ سے زیادہ اپنے ساتھ دوزخ میں گھسیٹ لے جائے اور اپنے اس گھناؤنے منصوبے میں وہ کامیاب ہوتا نظر آتا ہے۔ بے لباسی اور بے حیائی کا نتیجہ زنا اور حرام کاری ہے اور یہ بھی شیطان کا مقصود ہے کیونکہ اس طریقے سے زیادہ سے زیادہ انسان جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ اسلامی معاشروں میں لباس کا مسئلہ ان دنوں انتہائی سنگین صورت اختیار کرتا جارہا ہے، حالانکہ انسانی معاشرت میں لباس کی بڑی اہمیت ہے۔ کسی قوم یا مذہب کا تشخص اسی سے برقرار رہتا ہے۔ ہم مسلمان اپنے اس ظاہری تشخص سے عاری ہوتے جارہے ہیں۔ جو تشخص ہمیں اسلامی لباس نے عطا کیا تھا۔ اسی لئے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بانگ درا کی مشہور نظم ”جواب شکوہ“ میں فرمایا ہے:

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

آج مغربی تہذیب نے عورت کو نیلام کا مال بنا ڈالا ہے۔ جسے لباس میں ہمیشہ

مستور رہنا چاہیے تھا، اس کے وجود کو تجارتی گرم بازاری پیدا کرنے کا ذریعہ بنالیا گیا ہے۔ عورت کے جنس بازار بننے کی وجہ سے پوری دنیا میں فتنہ اور فساد کا ایک سیلاب اُمڈ آیا ہے۔ جس کی طغیانی میں عفت و عصمت اور شرم وحیا کی سب اقدار بہہ گئی ہیں۔ الیکٹرانک میڈیا نے بے حیائی کے اس سیلاب میں زبردست طغیانی پیدا کر دی ہے۔ بے پردگی اور بے حیائی کا یہ سیلاب ہمیں جن ہلاکتوں سے دوچار کر چکا ہے ان سے بچاؤ کے لئے ہر ذی شعور مسلمان کو ایک تحریک پیدا کرنی چاہیے۔ امت کے افراد، اداروں اور تعلیمی و سماجی حلقوں میں اس تحریک کو عام کیا جائے۔

زیر نظر مضمون محترم مولانا عبداللہ دانش ﷾ کا ہے، جو دینی حلقوں میں معروف اور عالمی شہرت یافتہ شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کے رشحات قلم سے بیسیوں کتابچے مختلف موضوعات پر شائع ہو چکے ہیں۔ اللہ ان کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے اور دین حنیف کی خدمت کی مزید توفیق ارزانی کرے!

اس کتابچے ’’آداب لباس وفضیلت انسان‘‘ کی تیاری میں جن احباب نے کوشش کی ہے اللہ ان کی کوششوں کو قبول فرمائے، خصوصاً محترم جناب ملک عبدالقیوم صاحب نگران مدرسہ تجوید القرآن رحمانیہ قابل صدستائش ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کے اس حصے کو جو خاص طور پر آرام وسکون کا متقاضی ہے، دین حنیف کی تبلیغ کے لئے وقف کیا ہوا ہے تاکہ دینی موضوعات پر تیار شدہ کتب عامۃ الناس تک پہنچ سکیں۔ جن کے مطالعے سے ان کی دنیاوی اور اخروی زندگی میں خیر وفلاح کا دور دورہ ہو۔

ابو زید اقبال صدیق المدنی

شعبان 1427ھ

اگست 2006ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

آدابِ لباس وفضیلت انسان

انسان روزِ اول سے معزز تھا اور لباس نفیس میں تھا

فرمان الٰہی ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا۝

(بنی اسرائیل: 70)

''ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی وتری میں سواریاں عطا کیں، اور انکو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔''

تشریح:

یہودیت ونصرانیت کی طرح اسلام کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ انسان پیدائشی گنہگار اور ایک ذلیل ترین مخلوق ہے جسے پیدا کر کے خالق خود پچھتایا نعوذ باللہ! ملاحظہ ہو عہد نامہ عتیق، اور خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی اور اس کے دل کے تصورات اور خیالات روز بروز صرف بد ہی ہوتے ہیں۔تب خداوند زمین پر انسان کے پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دلگیر ہوا اور خداوند نے کہا! میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا ہے، روئے زمین پر سے مٹا ڈالوں گا۔انسان کو بھی، اور حیوان کو بھی اور کیڑے مکوڑے اور آسمان کے پرندوں تک، کیونکہ میں ان کے بنانے سے پچھتاتا ہوں۔ (Genesis : Ch 6, Vi 5-8)

فضیلت بشر

آیت کے حوالے سے مفسرین کے اقوال:

- کچھ مفسرین نے ''کثیر'' کے معنی ''کل'' کیے ہیں۔ (ابن کثیر)
- کبھی ''اکثر'' سے مراد ''کل'' ہوتی ہے۔ (معالم التنزیل)

- سب پر فضیلت بخشی (مدارک)
- بعض نے فرشتوں پر فضیلت بتائی ہے۔ (ابن کثیر)
- ہو سکتا ہے کوئی مخلوق، انسان سے بھی افضل ہو، جس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ (تفسیر الکشاف، بیضاوی)
- کچھ مفسرین نے جبرائیل و میکائیل کو انسان سے افضل مانا۔ (تفسیر ماجدی 60/3)

لباس نور میں:

آدم علیہ السلام جنت میں لباس نور میں تھے۔ جب شیطان کے بہکاوے میں آ کر اللہ کی نافرمانی کر بیٹھے تو وہ لباس چھن گیا اور بے پردہ ہو گئے۔ (تفسیر ابن جریر)

فرمان الٰہی ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ○

"اے اولاد آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے کہ تمہارے جسم کے قابل شرم حصوں کو چھپائے اور یہ بات باعث زینت ہے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے شاید کہ لوگ اس سے سبق لیں" (الاعراف، آیت:26)

تصریحات:

قابل شرم حصوں کے لئے اللہ نے ...... سَوْاٰت ...... کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ "یہ" سَوْاۃ کی جمع ہے۔

وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ...... یَسُوْءُ صَاحِبُھَا انْکِشَافُھَا مِنْ جَسَدِہٖ ...... آدمی اپنے جسم کا حصہ کھلنے کو برا سمجھتا ہے۔

رِیْشٌ لفظ کے کئی معانی مفسرین نے ذکر کئے ہیں ...... الجمال ...... خوبصورتی حسن و زینت وغیرہ۔

لِبَاسُ التَّقْوٰی...... ایمان، حیاء، عمل صالح، اللہ کا خوف اور شرمگاہ کا چھپانا وغیرہ۔

لِبَاسُ التَّقْوٰی...... بقول سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ حسن خلق ہے۔ (تفسیر حقانی جلد چہارم)

لِبَاسُ التَّقْوٰی...... وہ لباس جو پرہیز گاری پیدا کرے تاکہ عذاب الٰہی سے بچ نکلے۔ اللہ انسان کو کپڑوں کی زینت کا حکم دیتا ہے۔ میاں بیوی کو بھی ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے۔ (تفسیر ابن جریر طبری پنجم)

اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا...... لباس کیسے نازل کیا؟ بارش برسائی اور اس سے روئی وغیرہ اگ آئی۔ اس طرح ریشم کے کیڑے کو پانی سے زندگی ملی، بھیڑوں اور دیگر جانوروں کو پانی سے حیات ملی اور اون حاصل ہوئی۔ مومن کپڑوں سے معذور ہو کر بھی باحیا رہتا ہے جبکہ بدکار کپڑے پہن کر بھی عریاں ہوتا ہے۔ (تفسیر رازی)

اَنْزَلْنَا...... ہم نے اتارا کا مطلب ہے...... خَلَقْنَا لَكُمْ...... ہم نے تمہارے لئے پیدا کیا، ہم نے عطا کیا، ہم نے حکم دیا، ہم نے فیصلہ کیا، ہم نے تقسیم کیا، ہم نے مقدر کیا وغیرہ...... اَیْ اَنْزَلْنَا لباسَيْنِ لِبَاسَ مُوَارَاةٍ وَلِبَاسَ زِيْنَةٍ ...... یعنی ہم نے دو لباس تمہارے لئے نازل کئے۔ ایک پردہ داری کا لباس، دوسرا زیب و زینت کا لباس۔

(تفسیر روح المعانی پنجم)

جاہلیت میں طواف کعبہ کا لباس:

دور جاہلیت میں عرب بیت اللہ کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے اور اس کی دلیل یہ دیتے کہ جن کپڑوں میں ہم گناہ کرتے رہے ہیں ان میں طواف نہیں کریں گے۔

(حوالہ مذکورہ)

اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا...... یہ حکم ہے شرمگاہوں کو چھپانے کا یعنی واجب ستر کا ہونا۔ لباس تقویٰ پر کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

اِذَا الْمَرْءُ لَمْ يَلْبَسْ ثِيَابًا مِّنَ التُّقٰى
تَقَلَّبَ عُرْيَانًا وَّاِنْ كَانَ كَاسِيًا

وَخَيْرُ لِبَاسِ الْمَرْءِ طَاعَةُ رَبِّهٖ
وَلَا خَيْرَ فِيْمَنْ كَانَ لِلّٰهِ عَاصِيًا

"جب تک کوئی شخص تقویٰ کا لباس زیب تن نہ کر لے وہ ننگا ہے اگرچہ اس نے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ اپنے رب کی فرمانبرداری سے بہتر عمل کون سا ہے؟ اور اللہ کے نافرمان کے لئے بھلائی کہاں ہے؟"

دورِ جاہلیت:

1 طواف کعبہ کے وقت صرف قریش باللباس ہوتے، باقی مردون کے وقت ننگے طواف کرتے اور عورتیں رات کے وقت طواف کرتیں اور وہ بھی برہنہ ہوتیں۔

برہنگی میں طواف پر ان کی دو دلیلیں تھی:

(الف) ہمارے آباؤ اجداد ایسا کرتے تھے۔

(ب) گناہگار کپڑوں میں طواف درست نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

اِذَا اَنْتَ تَلْبَسْ ثِيَابًا مِّنَ التُّقٰی
عُرِيْتَ وَاِنْ وَارَی الْقَمِيْصَ قَمِيْصُ

"جب تک تو تقویٰ کا لباس نہ پہنے تو درحقیقت ننگا ہے چاہے لباس پر لباس پہنا رہے۔" (تفسیر فتح البیان، چہارم)

2 جاہلی دور میں عورتیں خانہ کعبہ کا طواف ننگے بدن کرتی تھیں اور شرمگاہ پر صرف ہاتھ رکھتیں اور سوال کرتیں کہ کوئی چیتھڑا مجھے شرمگاہ چھپانے کو دے سکتا ہے؟ نیز یہ شعر گنگناتی تھیں۔

اَلْيَوْمَ يَبْدُوْ بَعْضُهٗ اَوْ كُلُّهٗ
وَمَا بَدَا مِنْهُ فَلَا اُحِلُّهٗ

"آج جسم کا بعض حصہ کھل جائے گا یا سارا جسم ننگا ہوگا اور جو حصہ برہنہ ہوگا

اسے کسی کے لئے حلال نہ کروں گی یعنی عریاں ہو کر بھی جسم کی حفاظت
کروں گی۔"

3 لوگ اسی جہالت و بدعت اور گمراہی میں غرق تھے کہ اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو مبعوث کیا اور یہ حکم نازل فرمایا...... يَابَنِيْ آدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ...... اے اولاد آدم! اپنی زینت پکڑلو۔"

اور پھر نبی ﷺ کے منادی نے یہ اعلان عام فرمایا آئندہ کوئی بیت اللہ کا طواف برہنہ ہو کر نہ کرے۔ عریانی کی روشن خیالی کی تاریخ نبی کریم ﷺ سے پہلے کے ادوار جاہلیت سے چلتی ہے، لہٰذا اسلام دقیانوس نہیں، بلکہ بے حیائی دقیانوسی اور جہالت ہے۔

باپردہ امام:

عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب ہماری قوم نبی ﷺ کے ہاں سے مسلمان ہو کر واپس ہوئی تو نبی ﷺ نے فرمایا:

لِيَؤُمَّكُمْ اَكْثَرُكُمْ قِرَاءَةً لِلْقُرْآنِ ۔

"تم میں جو قرآن کا زیادہ قاری ہو وہ امامت کروائے۔"

چنانچہ انہوں نے مجھے بلا کر رکوع وسجود سکھائے، پھر میں انہیں نماز پڑھاتا تھا میرا لباس صرف ایک پھٹی پرانی چادر تھی۔ لوگ میرے والد سے کہتے، اپنے بیٹے کی پیٹھ تو ڈھانک لو۔" (تفسیر قرطبی ہفتم)

خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ...... اپنی زینت پکڑو" یعنی ......لِبَاسَ زِيْنَتِكُمْ...... اپنی زیبائش کا لباس پہنو۔

زینت سے یہ بھی مراد ہے کہ خوشبو لگا کر، کنگھی کر کے، اچھا لباس پہن کر نماز پڑھے کیونکہ نمازی نے اپنے رب سے مناجات اور سرگوشیاں کرنی ہیں۔ زینت اور عطر بیزی اچھی خوبی ہے، جیسے باپردہ یعنی اچھا لباس اور پاکیزگی ضروری ہے۔ (تفسیر مدارک)

اللہ کا فرمان ہے:

يَابَنِيْ آدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْ آتِكُمْ وَرِيْشًا۔

''اے اولاد آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے کہ تمہارے جسم کے قابل شرم حصوں کو چھپائے اور یہ باعث زینت ہے۔'' (الاعراف:26)

اس آیت کے ذریعے سے اللہ اپنے بندوں پر احسان جتلاتا ہے۔ یہ اس کا فضل، اس کی نعمت اور اس کا احسان ہے ورنہ ہم ننگے کس سے لباس اور زینت پاتے اور کہاں سے اس کا شعور ملتا؟

نئے لباس پر شکر:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب کوئی نیا لباس پائے پھر اسے پہنے تو یہ دعا شکرانے کے طور پر پڑھے:''

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ كَسَانِیْ مَااُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِیْ حَيَاتِیْ۔

''سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے مجھے پہنایا، اس لباس نے میرے ستر کو چھپایا، میں نے اپنی زندگی میں لباس سے حسن و جمال پایا۔''

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے اس لباس کو استعمال کے بعد آگے صدقہ کر دیا وہ شخص اللہ کی جوار رحمت میں آ گیا، چاہے زندہ ہو یا مر جائے۔''

ابو مطر نے علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ایک نوجوان سے قمیض خریدی، تین درہم قیمت ادا کی، اسے پوری کلائیوں اور ٹخنوں تک پہنا پھر مذکورہ دعا پڑھی۔

لباس اللہ کا احسان ہے اس سے آدمی کو خوشی نصیب ہوتی ہے۔ گرمی و سردی سے بچاؤ، نیز حسن و جمال ملتا ہے۔ اسی طرح دیگر اشیاء ہیں، مثلاً کھانا، پینا، سواریاں، شادیاں وغیرہ یہ سب احسان خداوندی ہیں اور زندگی کی خوشیاں ہیں، لیکن ان نعمتوں کو پانا ہی اصل مقصد نہیں

ہے بلکہ یہ نعمتیں حاصل ہو جانے کے بعد بندے کو اللہ کی بندگی خوب دل لگا کر کرنی چاہیے۔ ظاہری لباس کی خوبیاں اور فائدے تو ذکر ہو چکے۔ لباس تقویٰ، یعنی باطنی لباس کیا ہے؟ وہ تقویٰ ہے، وہ قلب و روح کا جمال ہے۔ ظاہری لباس کبھی تنہائیوں میں اتر جاتا ہے مگر باطنی لباس کبھی بندے سے اتر نہیں سکتا۔ (تفسیر الکریم الرحمٰن فی تفسیر کلام المنان جلد اول)

صحیح حدیث میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ جَمِیْلٌ وَیُحِبُّ الْجَمَالَ۔

''بے شک اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔''

خوبصورت کپڑے پہننا یہ اہل ایمان پر انعام الٰہی ہے۔ خاص کر عید کے مواقع پر، جمعہ کے روز، دینی اور جائز تقریبات پر ملاقاتوں کے وقت۔ ایسے مواقع پر پھٹے پرانے کپڑے پہننا سنت نہیں ہے اور نہ ہی یہ لباس تقویٰ ہے۔ (ایسر التفاسیر، جلد دوم)

آج کے ذرائع ابلاغ

اسلام لباس کے ذریعے انسان کو حیا سکھاتا ہے۔ مگر کفر کی ملتیں انسان کو عریاں کرتی ہیں اور بے حیا بناتی ہیں۔ کفر کا قلم، فلم، ریڈیو، ٹی وی، انٹرنیٹ، سارا میڈیا بے حیائی کا علمبردار ہے۔ نبی ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے بھی انسان بے حیا تھا اور آج علم نبوت سے عاری لوگ بھی شرم و حیا سے عاری نظر آتے ہیں۔ سید قطب شہید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''دنیا کے میڈیا کا کنٹرول یہود کے پاس ہے، ساری افراتفری اسی سے ہے۔ (فی ظلال القرآن جلد ہشتم)

جنت میں گناہ کرنے سے آدم علیہ السلام کا لباس عزت اتار لیا گیا تھا جس پر وہ نہایت شرمندہ ہو کر جنت کے درختوں کے پتوں سے اپنے بدن کو ڈھانکنے لگے۔ پھر دنیا میں اللہ نے آدم کو کپڑا بنانا سکھایا جس سے ستر ڈھانکنا میسر آیا، اس بات کو اللہ اپنی بڑی نعمت اور من آیات اللہ کہتے ہیں۔

گناہ کی پانچ (5) اقسام:

1. فواحش: جن گناہوں کا برا اثر حسب ونسب پر پڑتا ہے وہ زنا اور بدکاریاں ہیں۔
2. اِثم: جن گناہوں کا برا اثر عقل وشعور پر پڑتا ہے وہ شراب اور منشیات ہیں۔
3. جن گناہوں کا برا اثر عزت وآبرو پر پڑتا ہے۔
4. البغی بغیر الحق: (ناحق ظلم) جن گناہوں کا برا اثر مال ودولت اور جان پر پڑتا ہے۔
5. الشرک باللہ: جن گناہوں کا برا اثر روح اور دین پر پڑتا ہے۔ (تفسیر حقانی جلد 4)

چند احادیث کا تطابق:

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تم قیامت کے روز برہنہ پا اور عریاں اٹھائے جاؤ گے۔'' عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا مرد اور عورتیں ایک دوسرے کو دیکھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اس روز معاملہ اس سے زیادہ سخت ہوگا۔'' یعنی ہوش وحواس کھوئے ہوئے ہوں گے، دیکھنے کا شعور کہاں ہوگا۔'' (متفق علیہ)

آپ ﷺ نے فرمایا:

''لوگو! اللہ کی طرف تم ننگے پاؤں، پیدل، ننگے بدن، بے ختنہ جمع کئے جاؤ گے۔''

پھر آپ ﷺ نے آیت تلاوت فرمائی:

كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ۔

''جس طرح ہم نے پہلے تخلیق کی ابتداء کی تھی اسی طرح ہم پھر اس کا اعادہ کریں گے۔'' (الانبیاء:104)

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

''مخلوق میں سے سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔''

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا وقت مرگ قریب آیا تو نیا لباس منگوا کر زیب تن کیا اور فرمایا میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا تھا:

''مرنے والا جس لباس میں مرے گا اسی لباس میں اٹھایا جائے گا۔''

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کو نئے کپڑے کا کفن پہنایا پھر فرمایا اپنے مردوں کو اچھا کفن پہناؤ کیونکہ وہ اسی لباس میں اٹھائے جائیں گے۔

1 اکثر علماء کہتے ہیں کہ یہ شہیدوں کے بارے میں ہے کہ اسی لباس میں اٹھیں گے۔

2 امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ ننگے اٹھائے جائیں گے اور کچھ لباس کے ساتھ ہی اٹھیں گے۔

3 بعض علماء نے کہا کہ قبروں سے بالباس اٹھیں گے لیکن محشر میں پہنچتے پہنچتے لباس پھٹ جائیں گے۔

4 بعض نے کہا لباس میں اٹھانے سے مراد نیک اعمال کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

ران ستر ہے کہ نہیں:

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر میں لیٹے ہوئے تھے، ران یا پنڈلی سے چادر سمیٹے ہوئے تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اسی حال میں رہے، پھر عمر رضی اللہ عنہ آئے تو اسی حال میں رہے، پھر جب عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کپڑے درست فرما لیے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کیا میں ایسے آدمی سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔"

تشریح:

ران شرمگاہ میں شامل ہے یا نہیں؟ دونوں طرف کی احادیث کو جمع کرنے کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے محاکمہ کیا ہے، ران ننگا کرنے والی روایت سند کے اعتبار سے زیادہ درست ہے اور ڈھانپنے والی اَحْوَطْ (احتیاط کے لائق) ہے۔ (تفسیر مظہری جلد سوم)

1 حدیث انس یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ران سے کپڑا ہٹایا۔ (اصح اسناداً)

2 حدیث جرہد یہ ہے کہ ران شرمگاہ میں ہے...... وَلَوْ قُلْنَا فَهُوَ مَرْجُوْحٌ بِالنِّسْبَةِ اِلٰی حَدِیْثِ اَنَسٍ...... حدیث انس سند کے اعتبار سے قوی تر ہے اور حدیث جرہد احتیاط کے لحاظ سے بہتر ہے تا کہ اختلاف سے نکلا جا سکے۔ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں سنداً حدیث انس راجح ہے اور حدیث جرہد مرجوح ہے۔ (فتح الباری جلد اول)

دراصل انسان کی شرافت و متانت اسی بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ پورے لباس میں ہو، لیکن کہیں کہیں اجازت بھی ہے، یعنی سر عام ران ننگے نہ ہوں۔ مثلاً گھر پر، کھیل کے میدان میں، تیراکی میں، مزدوری میں، گٹر وغیرہ کی صفائی میں، ورزش میں اور اسی طرح کے کاموں میں ران ننگے کرنا جائز ہے۔ آج کل انگریزوں کی نقالی میں جو موسم گرما میں شوقیہ نیکریں پہن کر پھرتے ہیں، یہ درست نہیں اگرچہ ہم حرام نہیں کہہ سکتے، لیکن یہ لباس کا تقاضا پورا نہیں کرتیں۔ اللہ نے محض لباس ہی نازل نہیں کیا بلکہ ساتھ زینت بھی نازل کی ہے۔ زینت پورا لباس ہے نہ کہ نامکمل (Shorts) البتہ پنڈلی تک یا ٹخنے تک لنگی، شلوار، پاجامہ یا کھلی پینٹ درست ہے اس میں زیب و زینت ہے ورنہ ننگی ٹانگوں کے بال دکھاتے پھرنا کون سی پسندیدہ چیز ہے؟ اسی طرح مکمل بازوؤں والی قمیض یا شرٹ پہننا، زیب و زینت کی دلیل ہے، ورنہ دوسروں کو اپنی بغلوں کے بال دکھاتے پھرنا کوئی قابل تعریف عمل نہیں ہے، البتہ ایسی حالتیں دیکھ کر دوسروں کو کراہت ہوتی ہے، اپنے طور پر چاہے آدمی محسوس کرے یا نہ کرے۔ یہ تو مردوں کی بات تھی۔

اب آیئے عورتوں کے بارے میں مغرب کی نقالی میں مسلمان عورت نے:

1. سب سے پہلے چہرے کا پردہ ترک کیا۔
2. پھر رفتہ رفتہ دوپٹہ سرک کر گلے میں آ گیا۔
3. اب زیادہ مغرب کی گرویدہ بیگمات نے سر کے بالوں کی کٹنگ دم کٹی عورتوں کی طرح کروائی ہے تاکہ منظر عام پر دیکھنے والے خوش ہوں حالانکہ اپنا حسن غیر محرموں کو دکھانا حرام ہے۔

روشن خیالی یا دقیانوسی:

عریانی کی روشن خیالی کی تاریخ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کے ادوار جاہلیت سے چلتی ہے، لہٰذا اسلام دقیانوسی نہیں بلکہ بے حیائی دقیانوسی ہے۔

1. روشن خیالی نے جوان لڑکیوں کے بازو بالکل ہی برہنہ کر ڈالے، اب شرٹ بغیر

بازو کے ہے تاکہ چمکتے ڈولے کندھوں تک حسن نظارہ پیش کرسکیں۔

2 چھاتی کو چھپانے کا حکم تھا مگر ٹائٹ قسم کی انگیا (سینہ بند) پہن کر اپنے پستانوں کا سائز دکھاتے پھرنا۔

3 گلا ایسا بنوانا کہ آدھا سینہ عریاں نظر آئے۔

4 مشرقی روایات میں عورتوں کا پہناوا پینٹ نہیں تھا، اب اس کا بھی رواج اور فیشن ہو گیا ہے۔

5 پھر اس پر صبر نہ آیا تو مغرب کی نقل میں جین کی پینٹ پہن لی، حالانکہ یہ گرم ملکوں کے لئے نہیں بلکہ سرد ملکوں کے لئے ہے۔ کیونکہ یہ دوسوتی کاٹن سے بنتی ہے جو کہ گف اور موٹا مضبوط کپڑا ہوتا ہے، اس سے ہوا کا گزر تک نہیں ہوتا، چاہے ٹانگیں ہر وقت پسینے سے شرابور رہیں۔

6 تقلید مغرب میں اس بے وقوفانہ حرکت پر بھی صبر نہ ہوا تو انتہائی ٹائٹ پینٹ کا رواج چل نکلا کہ پیچھے سے پیٹھ کے دونوں سرین الگ الگ اور نمایاں نظر آئیں، شرٹ بھی شارٹ پہنی کہ جو پیٹھ سے اوپر رہے تاکہ پیچھے سے دیکھنے والوں کو ذرا رکاوٹ محسوس نہ ہو۔

عورت کو یوں نیم عریاں کر کے سربازار لانے کا نتیجہ یہی ہوگا کہ مغرب کی طرح آزادانہ معاشرہ تشکیل پا جائے۔ شرم و حیا کو ختم کر کے بے حیائی کا انجام یہ ہوگا کہ خاندانی نظام برباد ہو جائے۔ عفت و پاکدامنی کا جنازہ نکالنے سے حاصل یہ ہوگا کہ حرامی بچوں کو جنم دیا جائے یا اسقاط حمل اور مانع حمل حیلے استعمال کئے جائیں۔ جب مغرب میں عورت کو شمع محفل بنا لیا گیا تو حریص مردوں نے قدم قدم پر انہیں اپنی ہوس کا نشانہ بنایا اور عورت بے گھر ہوئی۔ بے اولاد ہوئی۔ بے عزت ہوئی اور بے سہارا ہوئی، پھر بھی سمجھتی ہے کہ ہمیں مساوی حقوق مل گئے ہیں۔ ایسی عورت جب خود کما کے گھر لائے گی وہ نہ خاوند کی بہترین بیوی بن سکتی ہے اور نہ اولاد کی اچھی ماں بن سکتی ہے۔ یوں سمجھئے کہ گھر برباد ہوا۔ خاوند محبت کو ترستا رہا، بچے ماں کی الفتوں سے محروم ہوئے۔ بچے نہ سنبھالے گئے تو آوارہ ہو کر بدمعاش بنے یا سرکاری یتیم خانوں میں جمع کروا دیئے گئے۔ پھر کہتے ہیں جرائم بہت زیادہ ہیں، جیلیں بھری رہتی ہیں، آخر کیوں؟ اس لئے کہ یہ عورت کو برہنہ کرنے کی سزا

ہے۔ ساری خرابی کی جڑ یہی ہے۔ اگر عورت پردے میں ہوتی، گھر کی پوری طرح نگرانی کرتی، خاوند کی وفادار ہوتی، بچوں کی پاسبان ہوتی تو قوموں کی نسلیں بربادی سے بچ جاتیں اور اگر عورت کو صحیح دینی تعلیم دی جاتی تو قوموں کے نونہال عظیم انسان بنتے۔ عریانی و فحاشی کو لوگ روشن خیالی کہتے ہیں، یہ پرلے درجے کے دقیانوس اور قدامت پسند ہیں کیونکہ یہی عریانی و فحاشی نبی اکرم ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے دنیا میں موجود تھی۔ نبی اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تو دنیا کو حیا نصیب ہوئی، عورت کو تحفظ ملا، عزت ملی، جب عورت نے اپنا فریضہ صحیح طرح سے ادا کیا تو اس کے بطن سے مسلمانوں کے بڑے بڑے امام پیدا ہوئے، جرنیل پیدا ہوئے، نیک حکمران پیدا ہوئے اور انصاف پرور جج پیدا ہوئے۔ اب جو امام مذہبی رشوتیں لیں، جو جرنیل قوموں کو لوٹیں، جو حکمران ظلم ڈھائیں، جو جسٹس انصاف کا خون کریں، ان سب کے پیچھے ان کی بدکردار، بے حیا، فیشن ایبل ماں ہے۔ جس نے ایسے اماموں، جرنیلوں، حکمرانوں، اور جسٹسوں کی تربیت کا حق ادا نہ کیا۔ اگر ماں حیادار ہوتی تو بچوں کو حیا ملتی، اگر ماں پرہیز گار ہوتی تو بچوں کی زندگی میں تقویٰ آتا، اگر ماں برہنہ نہ ہوتی تو بچوں کو عفت و پاکدامنی کا سبق سکھاتی۔

یہی کام انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں کرتے رہے۔ قوموں کی فلاح، نبیوں کی پیروی میں ہے نہ کہ شیطان اور نفسانی خواہشات میں۔ اسلام نے وحشیوں کو اعلیٰ انسان بنایا، شیطان نے انسانوں کو حیوان بنا دیا۔

نماز کیلئے کتنے کپڑے؟

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم سب کو دو کپڑے میسر ہیں؟'' پھر سائل نے عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جب اللہ تعالیٰ کشادگی دے تو کشادگی اختیار کرو، تہہ بند اور اوپر والی چادر اوڑھے، تہہ بند اور قمیض میں نماز ادا کرے، تہہ بند اور چوغہ میں نماز پڑھے، پاجامہ، شلوار کے ساتھ، اوپر چادر اوڑھ کر نماز پڑھے، شلوار قمیض میں پڑھے،

نیکر اور لمبے کرتے میں پڑھے وغیرہ یعنی دو دو کپڑوں میں نماز پڑھے چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں معاشی حالات بہتر نہیں تھے تو ایک کپڑے میں نماز کی اجازت دی تھی جب معاشی خوشحالی آئی تو خلیفہ دوم نے دو کپڑوں میں نماز کو بہتر بتایا۔ (تفسیر مظہری جلد سوم)

مولانا دریا آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریحات:

مولانا بائبل اور قرآن کے بیان کا موازنہ کرتے ہیں:

1 قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ شجر ممنوعہ کا پھل کھانے سے پہلے آدم وحوا نور کے لباس میں ملبوس تھے۔ بائبل کہتی ہے وہ دونوں یعنی آدم وحوا ننگے تھے اور شرماتے نہ تھے۔

And they were both naked, the man and his wife and were not ashamed (GENSIS: Ch:2-V:25)

2 آج مختلف خوشنما ناموں سے جنسی بے شرمی و بے حیائی کی کوششیں کی جارہی ہیں سب آدمی کو آدمیت کی بلندی سے گرا کر پستی ابلیسیت کی طرف لے جارہی ہیں۔

3 آدم وحوا کے پہلے ہی گناہ کا نتیجہ عریانی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ (تفسیر ماجدی جلد دوم) آج لوگ عریانی کو فیشن سمجھتے ہیں حالانکہ یہ سزا کے طور پر اللہ کی طرف سے نافذ ہوئی تھی۔

4 آدم وحوا نے مؤثر مناجات کی اور گناہ کی معافی مانگی مگر بائبل ان کی مناجات سے یکسر خالی ہے۔

5 آدم کا اترنا کس زمین پر ہوا؟ اس کے بارے میں قرآن خاموش ہے۔ تفسیروں اور روایتوں میں جو حکائتیں ہیں ان میں کوئی صحیح حدیث نہیں بلکہ سب کا ماخذ اسرائیلیات ہیں لہٰذا اس معاملے میں خاموشی ہی بہتر ہے۔

6 بائبل نے آدم کی جنت کو آسمان پر نہیں اس روئے زمین پر مانا ہے۔ حالانکہ وہ آسمانوں میں ہے۔

7 لباس وحجاب مقاصد شرعی میں سے ہیں۔ برہنگی اور نیم عریانی کا فلسفہ، خواہ اس کی تبلیغ یورپ اور امریکہ سے ہو رہی ہو یا اس کی ترویج ایشیا اور افریقہ کے وحشی وغیر مہذب

قوموں میں ہو، بہر حال ایک شیطانی فلسفہ ہے۔

آج کل داعیوں اور مبلغوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن مجید نے انسان کی اولین معصیت کا پہلا پھل جو بتایا وہ یہی لعنت عریانی ہے۔

8 قرآن مجید ہمیں حلال وحرام کی تمیز بتاتا ہے مگر بائبل کہتی ہے کوئی چیز باہر سے آدمی میں داخل ہو کر اسے ناپاک نہیں کرسکتی۔ (تفسیر ماجدی MARK:Ch,&-V:15)

اسی لئے اکثر عیسائی وبعض یہودی شراب خوب پیتے ہیں خنزیر تک مزے سے کھاتے ہیں وغیرہ۔

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی تصریحات:

آدم کی سرگزشت کی تاریخ صرف تورات ہی سے شروع نہیں ہوتی بلکہ آثار قدیمہ کے انکشافات نے اسے بہت پہلے عہد قدیم تک پہنچا دیا ہے۔ کم از کم یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ تورات سے کئی ہزار سال پہلے بابل اور مصر میں کسی ایسے واقعہ کا اعتقاد عام تھا چنانچہ کلدانی اینٹوں پر اس کے نقوش ملے ہیں۔ اور زیوس کے معبد میں اس کی تصاویر نمایاں ہیں اور ہیروغلیفی نقوش بھی اس کے اشاروں سے خالی نہیں۔ (تفسیر ترجمان القرآن جلد دوم)

پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ:

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر پر تشریف فرما تھے بعض لوگ باہر منتظر کھڑے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب باہر تشریف لے جانے لگے تو اپنی ریش مبارک اور گیسو ہائے عنبرین کو درست فرمایا اور عمامہ مبارک کو سنوارا۔ میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ بھی یوں اہتمام فرما رہے ہیں؟ تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! جب کوئی اپنے بھائیوں کی ملاقات کیلئے جائے تو تیار ہو کر جائے کیونکہ اللہ خود بھی جمیل ہے اور جمال کو پسند بھی فرماتا ہے۔ (تفسیر ضیاء القرآن جلد دوم)

مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ:

1 شیطان کا سب سے پہلا حملہ انسان پر یہ ہوا کہ اس کا لباس اتر گیا۔ آج کل بھی

شیطان اپنے شاگردوں کے ذریعے سے جب انسان کو گمراہ کرنا چاہتا ہے تو تہذیب وشائستگی کا نام لے کر سب سے پہلے اس کو برہنہ یا نیم عریاں کر کے سرِ عام سڑکوں اور گلیوں میں لا کھڑا کرتا ہے۔ شیطان نے جس چیز کا نام ترقی رکھ دیا ہے وہ تو عورت کو شرم وحیا سے محروم کر کے، منظر عام پر نیم برہنہ حالت میں لے آنے کے بغیر حاصل ہی نہیں ہوتی۔

2 اسلام نے ستر پوشی کا انتظام کیا ہے، ایمان لانے کے بعد پہلا فرض ستر پوشی ہے۔اس کے بعد نماز روزہ وغیرہ عبادات کا حکم ہے۔

3 آج کل فلاسفروں کا یہ قول بالکل غلط ہے کہ انسان اول ننگا پھرا کرتا تھا، پھر ارتقائی منزلیں طے کر کے اس نے لباس ایجاد کیا۔ (معارف القرآن جلد سوم)

سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ:

1 انسان کے اندر شرم وحیا کا جذبہ ایک فطری جذبہ ہے اور اس کا اولین مظہر وہ شرم ہے جو اپنے مخصوص حصوں کو دوسروں کے سامنے کھولنے میں آدمی کو فطرتاً محسوس ہوتی ہے۔ قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ یہ شرم انسان کے اندر تہذیب کے ارتقاء سے مصنوعی طور پر پیدا نہیں ہوئی ہے اور نہ یہ اکتسابی چیز ہے، جیسا کہ شیطان کے بعض شاگردوں نے قیاس کیا ہے در حقیقت یہ وہ فطری چیز ہے جو روز اول سے انسان میں موجود ہے۔

2 شیطان کی پہلی چال جو اس نے انسان کو فطرت انسانی کی سیدھی راہ سے ہٹانے کے لئے چلی یہ تھی کہ اس کے اس جذبہ شرم وحیا پر ضرب لگائے اور برہنگی کے راستے سے اس کے لئے فواحش کا دروازہ کھولے، اور اس کو جنسی معاملات میں بدکردار کر دے۔ بالفاظِ دیگر اپنے حریف کے محاذ میں ضعیف ترین مقام جو اس نے حملہ کے لئے تلاش کیا وہ اس کی زندگی کا جنسی پہلو تھا اور پہلی ضرب جو اس نے لگائی وہ اس محافظ فصیل پر لگائی جو شرم وحیا کی صورت میں اللہ نے انسانی فطرت میں رکھی تھی۔ شیاطین اور ان کے شاگردوں کی یہ روش آج تک جوں کی توں قائم ہے۔ ''ترقی'' کا کوئی کام ان کے ہاں شروع نہیں ہو سکتا جب تک کہ عورت کو بے پردہ کر کے وہ بازار میں نہ گھسیٹ لائیں اور اسے کسی نہ کسی طرح عریاں نہ کر دیں۔

3 یہ بھی انسان کی عین فطرت ہے کہ وہ برائی کی کھلی دعوت کو کم ہی قبول کرتا ہے، عموماً اسے جال میں پھانسنے کے لئے ہر داعی شرک کو خیر خواہ کے بھیس میں آنا پڑتا ہے، جیسے اللہ نے ابلیس کا قول نقل فرمایا:

اِنِّیۡ لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیۡنَ۔ (الاعراف:21)

''میں یقیناً تم دونوں (آدم وحوا) کا خیر خواہ ہوں۔''

بلندی کہ پستی:

انسان کے اندر بلند مرتبہ پانے اور حیات جاوداں حاصل کرنے کی ایک فطری پیاس موجود ہے۔ شیطان کو پہلی کامیابی اسے فریب دینے کے لئے اسی ذریعے سے ہوئی۔ اس نے انسان کی اس خواہش سے اپیل کی۔ شیطان کا سب سے زیادہ چلتا ہوا حربہ یہ ہے کہ وہ آدمی کو بلندی پر لے جانے اور موجودہ حالت سے بہتر حالت پر پہنچا دینے کی امید دلاتا ہے، پھر اس کے لئے وہ راستہ پیش کرتا ہے جو اسے الٹا پستی کی طرف لے جائے۔

4 عام طور پر جو مشہور ہو گیا ہے کہ شیطان نے پہلے حوا علیہا السلام کو دام فریب میں گرفتار کیا، پھر انہیں آدم علیہ السلام کو پھانسنے کا آلہ کار بنایا لیکن قرآن اس کی تردید کرتا ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ شیطان نے دونوں کو دھوکہ دیا اور دونوں ہی اس سے دھوکا کھا گئے۔

بظاہر یہ چھوٹی سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن جن لوگوں کو معلوم ہے کہ حضرت حوا کے متعلق اس مشہور روایت نے عورت کے اخلاقی، قانونی اور معاشرتی مرتبے کو گرانے میں کتنا زبردست حصہ لیا ہے وہی قرآن کے اس بیان کی حقیقی قدر و قیمت سمجھ سکتے ہیں۔ (تفہیم القرآن)

قصہ آدم کا خاص پہلو

قصہ آدم کے ایک خاص پہلو کی طرف توجہ منعطف کر کے اہل عرب کے سامنے خود ان کی زندگی کے اندر شیطانی اغوا کے ایک نمایاں ترین اثر کی نشاندہی فرمائی جاتی ہے۔ یہ لوگ لباس کو صرف زینت اور موسمی اثرات سے جسم کی حفاظت کے لئے استعمال کرتے تھے لیکن اس کی سب سے پہلی بنیادی غرض یعنی جسم کے قابل شرم حصوں کی پردہ پوشی ان کے

نزدیک کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی، انہیں اپنے ستر دوسروں کے سامنے کھول دینے میں کوئی باک نہ تھا۔ برہنہ عام نہا لینا، راہ چلتے قضائے حاجت کے لئے بیٹھ جانا، تہہ بند کھل جائے تو ستر کے بے پردہ ہو جانے کی پروانہ کرنا، ان کے شب وروز کے معمولات تھے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ ان میں سے بکثرت لوگ حج کے موقع پر کعبہ کے گرد برہنہ طواف کرتے تھے اور اس معاملہ میں ان کی عورتیں ان کے مردوں سے بھی کچھ زیادہ بے حیا تھیں۔ ان کی نگاہ میں یہ ایک مذہبی فعل تھا اور نیک کام سمجھ کر وہ اس کا ارتکاب کرتے تھے۔ پھر چونکہ یہ کوئی عربوں ہی کی خصوصیت نہ تھی دنیا کی اکثر قومیں اسی بے حیائی میں مبتلا رہی ہیں اور آج تک ہیں۔

ظاہری لباس سے تقویٰ تک:

انسان کے لئے لباس کا ذریعہ صرف ستر پوشی اور وسیلہ زینت وحفاظت ہونا ہی کافی نہیں بلکہ فی الحقیقت اس معاملے میں جس بھلائی تک انسان کو پہنچانا مطلوب ہے وہ ہے لباس تقویٰ یعنی پوری طرح ساتر بھی ہو، زینت میں بھی حد سے بڑھا ہوا یا آدمی کی حیثیت سے گرا ہوا نہ ہو، فخر وغرور اور تکبر وریا کی شان لئے ہوئے بھی نہ ہو اور پھر اُن ذہنی امراض کی نمائندگی بھی نہ کرتا ہو جن کی بنا پر مرد زنانہ پن اختیار کرتے ہیں اور عورتیں مردانہ پن کی نمائش کرنے لگتی ہیں۔ ایک قوم دوسری قوم کے مشابہ بن کے خود اپنی ذلت کا زندہ اشتہار بن جاتی ہے۔ (حوالہ مذکورہ)

اُسوۂ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

احادیث میں آتا ہے:

1 رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوبصورت لباس پسند تھا، قمیض پسند تھی، کبھی تنگ آستینوں والا رومی جبہ (Gown) پہنتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شلوار بھی خریدی اگرچہ پہن نہ سکے۔ ہتھیلی تک آستین والی قمیض پہنتے۔ نصف پنڈلی تک تہہ بند باندھتے، فرمایا ٹخنوں تک بھی پہن سکتے ہو، ٹخنوں سے نیچے نہیں ورنہ اللہ قیامت کے روز ٹخنوں سے نیچے پہننے والوں کی طرف نظر کرم سے نہ دیکھے گا اور فرمایا! ٹخنوں سے نیچے لٹکنے والا کپڑا نار جہنم میں ہوگا۔

2 جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (قبل از اعلان نبوت) اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تعمیر میں شریک ہوئے، پتھر اٹھا کر لا رہے تھے۔ چچا نے بھتیجے پر ترس کھاتے ہوئے کہا، اپنا تہہ بند اتار کر کندھے پر رکھو، کہیں کندھے زخمی نہ ہو جائیں۔ چچا نے خود آپ کا تہہ بند اتار کر کندھے پر رکھا تو آپ بے ہوش ہو کر (شرم کے مارے) زمین پر گر گئے۔ ہوش میں آنے پر اپنی چادر کی صدا دینے لگے اور تہہ بند باندھ کر سکون میں آئے۔ (صحیح بخاری، حدیث 1582)

خواتین کا لباس:

عورتیں اپنا لباس ٹخنوں کے نیچے تک پہنیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"کتنی ہی عورتیں لباس پہن کر بھی ننگی ہیں، دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے والی ہیں۔ دوسروں پر ریجھ جانے والی ہیں۔ ایسی عورتیں جنت کی خوشبو تک نہ پا سکیں گی جبکہ جنت کی مہک پانچ سو (500) سال کے فاصلے سے سونگھی جا سکے گی۔"

تشریح:

اس حدیث میں کتنی سخت وعید ہے ان عورتوں کے لئے جو باریک لباس پہنتی ہیں کہ جسم نظر آتا ہے یا نہایت نامکمل لباس پہنتی ہیں کہ جسم سارا عریاں دکھائی دیتا ہے یہ خواتین جنت سے بالکل محروم رہیں گی۔

دیگر لباس:

1 جسم پر کس کے چادر لپیٹنے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا جس سے بازو اور ٹانگیں بندھ کے رہ جائیں، بلکہ لباس ایسا ہو کہ بازو اور ٹانگیں حرکت میں آزاد رہیں ورنہ معمولی دھکا ایسے آدمی کو گرا سکتا ہے اور یہ دشمن کے مقابلے میں انتہائی نقصان دہ طریقہ ہے۔

2 ایسا لباس نہ پہنے کہ شرمگاہ ننگی ہو۔

3 ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفید چادر اوڑھے سو رہے تھے۔

4 فتح مکہ کے روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ (پگڑی) تھا۔

5 ایک بار سرخ چادر اوڑھے سو رہے تھے، لیکن عام لباس میں مردوں کے لئے سرخ و زرد رنگ کو ناپسند فرماتے تھے۔

6 کبھی سبز رنگ کی چادروں میں دیکھے گئے۔

7 ہر رنگ دار کپڑوں کی خواتین کو اجازت دے دی۔

8 کبھی اُون کا چوغہ پہنے ہوئے ہوتے۔

9 کبھی سیاہ بالوں سے بنا ہوا کمبل استعمال فرماتے۔

10 خود ریشم کبھی نہ پہنا، بلکہ امت کے مردوں پر حرام فرمایا اور عورتوں کے لئے حلال فرمایا۔ صرف مجبوری میں بقدر ضرورت اجازت بھی دے دی۔ مستقل نہیں۔

11 عارضی طور پر سردی اور گرمی کے بچاؤ کے لئے چہرہ لپیٹنے کی اجازت دی، عام حالات میں نہیں۔

12 آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیا لباس پہن کر اللہ کا شکر ادا کرتے۔

جمعہ کے لئے لباس:

جمعہ کے روز اچھا لباس اور صاف ستھرا لباس پہننے کی تلقین فرمائی کہ محنت مزدوری والے لوگ میلے اور گندے کپڑے پہن کر جمعہ نہ پڑھیں کیونکہ اس سے دوسروں کو بدبو آئے گی۔ فرشتے بھی بدبو کے قریب نہیں پھٹکتے۔ آج کل لوگ اکثر جرابیں پہنے رکھتے ہیں تو پاؤں سے بدبو آتی ہے۔ مسجد کے کارپٹ پر جہاں جہاں قدم رکھتے ہیں وہاں سجدہ کرنے سے سخت کوفت ہوتی ہے۔ اس لئے پاؤں اور جرابوں میں بدبو پیدا نہ ہونے دیں۔ کبھی کبھی جرابیں اتار کر پاؤں کو تازہ ہوا لگنے دیں۔

خلفائے راشدین کا طرزِ عمل:

خلفاء چونکہ مسلمانوں کے رہنما تھے۔ عربی مقولہ ہے...... اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ...... لوگ اپنے بادشاہوں کے طریقے پر چل پڑتے ہیں۔"

اس لئے خلفاء عظام نے خستہ لباس پہنے کہ لوگ کہیں عیاشی میں آگے نہ نکل جائیں۔ حد سے تجاوز نہ کر جائیں، اس لئے انہوں نے سادگی کو اپنایا۔ عمر رضی اللہ عنہ کے قمیض پر کبھی تین (3) پیوند دیکھے گئے، کبھی منبر پر خطبہ دیتے وقت بارہ (12) پیوند لوگوں کو نظر آئے۔

لباس شہرت، لباس ذلت ہوگا:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''دنیا میں ریا اور شہرت کا لباس قیامت کے روز ذلت کا سبب ہوگا۔

صاحب حیثیت آدمی کو رغبت دلائی کہ خستہ لباس نہ پہن، یہ کفرانِ نعمت ہے۔ اللہ کی نعمتوں کی قدر اور ان کا اظہار ہونا چاہئے۔ کہیں کوئی محتاج اس صاحب حیثیت کو خستہ لباس میں دیکھ کر دھوکہ نہ کھا جائے اور وہ اپنی حاجت پیش نہ کر سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر چمڑے کا تھا، جس میں کھجور کے ریشے بھرے تھے، تکیہ بھی ایسا ہی تھا سادہ چٹائی پر سو جاتے اور چٹائی کے نشانات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمر پر ثبت ہو جاتے۔ سادہ جوتے یعنی چپل پہن لیتے۔

آداب کے پہلو:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب جوتا پہنو تو دایاں پاؤں پہلے ڈالو، جب جوتا اتارو تو بایاں پاؤں پہلے نکالو۔ جب آپ کپڑے پہنتے تو دائیں جانب پہلے ڈالتے۔ آپ اکثر سر میں تیل لگاتے، داڑھی کو کنگھی کرتے، روزانہ کنگھی کرنے کو ناپسند فرمایا کہ مومن کنگھی پٹی میں روزانہ قیمتی وقت ضائع نہ کرے۔ آپ خوشبو کا استعمال خوب کرتے، سر اور داڑھی کے بالوں میں اسے بساتے۔ آپ نے خوشبو سے کبھی انکار نہ کیا، بلکہ خوشبو، تکیہ اور دودھ کو قبول کرنے کی ہدایت فرمائی۔ (شرح السنۃ ج:12)

سراویل:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِتَّخِذُوْ السَّرَ اوِيْلَاتِ فَاِنَّهَا مِنْ اَسْتَرِثِيَا بِكُمْ وَحَسِّنُوْا بِهَا نِسَاءَ كُمْ اِذَا خَرَجْنَ۔ (کنز العمال 15/298)

''سراویل (پاجامہ) پہنا کرو، یہ زیادہ باپردہ لباس ہے، اپنی خواتین کو اس سے زینت بخشو، جب وہ باہر نکلیں۔ ابن جوزی رحمہ اللہ نے اسے موضوعات میں درج کیا ہے جو کہ درست نہیں۔ (والحدیث عدۃ طرق)

1 تشریح لغوی: ''مفرد صیغہ......سِرْوَالٌ سِرْوَالَۃٌ سِرْوِیْلٌ ......ہے ان کی جمع سَرَاوِیْلُ سَرَاوِیْلَاتٌ ہے۔ مفہوم......لِبَاسٌ یَسْتُرُ النِّصْفَ الْاَسْفَلَ مِنَ الْجِسْمِ...... ایسا لباس جو جسم کے نچلے آدھے حصے کو ڈھانپے۔'' (المنجد عربی)

2 پاجامہ (المنجد اردو مترجم)

3 Trousers, Pants (المورد عربی انگلش)

تشریح: عمومی لباس کے عموماً دو (2) حصے ہوتے ہیں۔

1 جسم کے بالائی حصے کو ڈھانپنے والا مثلاً قمیض، شرٹ وغیرہ۔

2 جسم کے نچلے حصے کو ڈھانپنے والا مثلاً پاجامہ، پینٹ، تہہ بند، لنگی وغیرہ۔

دراصل عہد قدیم میں انسانی لباس انتہائی سادہ ہوتا تھا۔ تہہ بند کمر کو باندھ لیتے اور اوپر والے حصے کو چادر سے چھپا لیتے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لباس میں جدت آتی گئی۔ اہل عرب بھی عموماً تہہ بند اور کھلا کرتا پہنتے تھے جو لمبا ہوتا تھا۔ سِرْوَالٌ یہ ایرانی ایجاد تھی، ایسا لباس جو بجائے تہہ بند کے دونوں ٹانگوں کو الگ الگ چھپا لے اس کی ساخت بھی ترقی کرتے کرتے کھلا پاجامہ، چوڑی دار پاجامہ، شلوار وغیرہ کی شکل اختیار کر گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی کھلے پاجامے اور شلوار قسم کا لباس پہننے کا حکم دیا۔ یہ لباس کھلے تہہ بند کی نسبت زیادہ ساتر ہے اور اسلام کی منشاء بھی یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ پردہ کرنے والا لباس پہنا جائے۔ تہہ بند سے چلتے ہوئے ہوا کا جھونکا بے پردہ کر سکتا ہے۔ بیٹھے ہوئے یا لیٹے ہوئے بے پردگی کا امکان ہے جو کہ شلوار اور پاجامے سے ممکن نہیں۔ احرام پہننے والا ضرورتاً انڈرویئر پہن سکتا ہے۔ حج کو جاتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پالکی اٹھانے والے احرام باندھے ہوئے، جب چلتے تو ہوا سے ان کے تہہ بند ادھر ادھر اڑتے، اور وہ بے ستر ہو جاتے تھے۔ تب اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں حکم دیا کہ تہہ بند کے نیچے (تُبَّان) نیکریں پہن لیں۔ (فتح الباری، کتاب الحج، ج 3، ص 501)

مغربی لباس:

مغربی ملکوں میں پینٹ کا رواج ہوا کیونکہ موسم سرد ہونے کی وجہ سے شلوار یا پاجامے جیسا لباس کافی نہ تھا۔ موٹے اور مضبوط کپڑے کی پینٹ نے اس کی جگہ لے لی۔ دوسرا دینی لحاظ سے اہل مغرب کو ساتر لباس کی فکر نہ تھی، انہوں نے ڈھیلی پینٹ کے بجائے چست پینٹ اختیار کی۔ البتہ مسلمان ضرورت کے وقت پینٹ بھی پہن سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ چست اور ٹائٹ نہ ہو کہ انگ انگ جدا جدا نظر آنے لگے۔ ایک ضعیف بلکہ موضوع روایت ہے۔

اِطْوُوْا ثِيَابَكُمْ تَرْجِعُ اِلَيْهَا اَرْوَاحُهَا فَاِنَّ الشَّيْطَانَ اِذَا وَجَدَ ثَوْبًا مَطْوِيًّا لَمْ يَلْبَسْهُ وَاِذَا وَجَدَهٗ مَنْشُوْرًا لَبِسَهٗ۔ (کنز العمال)

"اپنے کپڑے لپیٹ کر، تہہ کر کے رکھا کرو ایسا کرنے سے ان میں نفاست آتی ہے۔ شیطان جب کپڑے کو تہہ شدہ دیکھتا ہے تو اسے پہنتا نہیں ہے لیکن جب اسے بکھرا ہوا دیکھتا ہے تو اسے پہن لیتا ہے۔"

تشریح:

کپڑے چاہے لباس کی شکل میں ہوں یا بستر کی شکل میں، انہیں ترتیب سے تہہ لگا کے رکھنا سلیقہ شعاری کی دلیل ہے۔ بکھرے ہوئے بے ترتیب کپڑے بے ذوقی کی دلیل ہے۔ گھر کی ایک ایک چیز قرینے سے پڑی ہوئی بھلی معلوم ہوتی ہے۔ منتشر اشیاء سے جی گھبرانے لگتا ہے۔ حقیقت روایت۔ مذکورہ روایت کو حدیث رسول نہیں کہا جا سکتا، البتہ کسی دانا کا قول ضرور ہے کیونکہ جس روایت کی ثقہ سند نبی ﷺ تک نہ پہنچے وہ حدیث نہیں ہو سکتی۔ بہر کیف مفہوم کے اعتبار سے بات اچھی ہے چاہے کہنے والا کوئی ہو۔

بٹن لگانا:

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: زُرَّهٗ عَلَيْكَ وَلَوْ بِشَوْكَةٍ...... "اپنے قمیض کا دامن بٹن لگا کر تھام لے، بٹن نہیں تو کانٹے ہی سے دامن بند رکھ۔" (کنز العمال)

تشریح:

عرب لوگ بعض دفعہ معاشی تنگی کی بنا پر تہہ بند نہیں پہن سکتے تھے صرف لمبا کرتا پہن

لیتے۔ ایسے کرتے کہ بٹن بند نہ کریں تو رکوع کی حالت میں یا ویسے ہی جھکتے ہوئے شرم گاہ پر نظر پڑتی تھی، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دامن بند رکھو چاہے کانٹے سے ہو۔ آج بھی شریف لوگ گلے میں بٹن بند رکھتے ہیں اور بدمعاش لوگ گلا کھلا رکھ کے دوسروں پر رعب ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود گرمی کے موسم میں بٹن بند نہیں کرتے تھے تاکہ سینے کو ہوا لگے، ایسے کرنا جائز ہے، لیکن سینے کو چوڑا کر کے، اکڑ کر چلنا، اور سینہ کھلا رکھنا غرور کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

مشابہت لباس:

اللہ نے اس آدمی پر لعنت فرمائی جو زنانہ لباس پہنتا ہے اور اس عورت پر لعنت فرمائی جو مردانہ لباس پہنتی ہے۔ (ابوداؤد، کتاب اللباس)

یعنی مرد کو لباس کے ذریعے سے اپنی مردانگی کا خیال رہے اور عورت کو اپنی نسوانیت کا لحاظ رہے۔ ایک دوسرے کی نقل نہ اتاریں اپنے اپنے دائرہ فطرت کے اندر رہیں۔

عورت کے پردے کی حد:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ذُيُوْلُ النِّسَاءِ شِبْرًا قِيْلَ اِذًا تَبْدُوْ اَقْدَامُهُنَّ؟ قَالَ فَذِرَاعٌ لَا يَزِدْنَ عَلَيْهِ۔ (مسند احمد حدیث نمبر 26411)

''عورتوں کا دامن ایک بالشت تک ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا پھر تو ان کے پاؤں ننگے رہیں گے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر ایک ہاتھ (18 انچ) تک نیچے بڑھالیں۔ اس سے زیادہ نہ بڑھائیں۔''

تشریح:

اس فرمان میں غور طلب بات یہ ہے کہ عورت کا لباس نیچے اتنا لمبا ضرور ہو کہ

پاؤں کو چھپا سکے، کم ہوگا تو پاؤں ننگے ہوں گے۔ جو شریعت عورت کے پاؤں تک کو چھپانے کا حکم دے، وہ شریعت چہرہ چھپانے کا حکم کیوں نہ دے گی؟ چہرے میں دلکشی زیادہ ہے یا پاؤں میں کشش زیادہ ہے؟ معلوم ہوا عورت سرتاپا چھپانے کی چیز ہے۔

ایک لطیفہ:

شاہ فیصل رحمہ اللہ پہلی بار پاکستان آئے، کراچی ایئر پورٹ پر اترے دیکھا کہ کراچی میں خواتین ننگے چہرے سے پھر رہی ہیں۔ شاہ نے پوچھا...... مَنْ هُنَّ؟ وہ کون عورتیں ہیں؟'' جواب دیا گیا هُنَّ مَسْتُورَاتٌ...... وہ مستورات ہیں۔'' (مستور کے معنی چھپی ہوئی چیز کے ہیں) شاہ نے کہا...... لَا هُنَّ مَكْشُوفَاتٌ...... ''نہیں وہ تو مستور کے بجائے کھلی ہوئی ہیں چھپی ہوئی نہیں ہیں۔''

درندوں کے چمڑے:

عمر رضی اللہ عنہ نے منع فرمایا کہ درندوں کے چمڑوں کا بچھونا بنایا جائے یا لباس۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کے سر پر لومڑی کے چمڑے کی ٹوپی دیکھی تو اسے حکم دیا اور اس نے اسے پھاڑ ڈالا۔ اسی طرح بلی کے چمڑے کی ٹوپی پھاڑ ڈالی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چیتے کی زین بنا کر سوار ہونے سے منع فرمایا:

تشریح:

ان جانوروں کے چمڑے سے بنے ہوئے لباس اور بستر وغیرہ میں فخر وغرور ہے نیز درندگی کی کراہت ہے۔

عورت کا پردہ:

اسلام نے عورتوں کے بہت حقوق مقرر کیے ہیں پردے کے بارے میں دو انتہائیں مسلم معاشرے میں پائی جاتی ہیں، جن کی اصلاح ضروری ہے۔

- تفریط لباس:

1. برائے نام پردہ بلکہ بے پردگی کا نام پردہ سمجھ لیا گیا ہے اور یہاں تک سننے

میں آتا ہے کہ پردہ دل کا ہوتا ہے یا آنکھ کا ہوتا ہے ظاہری پردے کی کیا ضرورت ہے؟

2 اگر ہم خواتین کو پردے میں رکھیں گے تو مغرب والوں کو کیا جواب دیں گے؟ یورپ تو پہلے ہی پروپیگنڈا کرتا ہے کہ مسلم عورتوں کو زبردستی پردے میں رکھا گیا ہے اوران کی آزادی سلب کرلی گئی ہے، لیکن یہ لوگ نہیں جانتے کہ پردے سے عورت عزت کے حصار میں آ گئی ہے، ہر حریص مرد کی نگاہوں سے محفوظ ہوگئی ہے ورنہ سرعام عریاں خواتین ہر مرد کی نفسانی خواہش کے نشانے پر ہوتی ہیں، جہاں اس کا بس چلتا ہے عورت کی عزت سے کھیلتا ہے۔ عورت کی زینت اور حسن وزیبائش کا حق دار صرف اس کا خاوند ہے نہ کہ ہر فردِ بشر۔

افراطِ لباس:

عورت کے پردے کی دوسری انتہا یہ ہے کہ عورت ہر حال میں کپڑوں میں ملبوس رہے۔ اسے کوئی خلوت نصیب نہ ہو جہاں وہ کھلی ہوا میں سانس لے سکے، آخر وہ بھی جاندار ہے۔ اس کے بھی کوئی احساسات ہیں، اسے بھی تنہائی میسر ہو، جہاں وہ سر کھول سکے، بال دھو سکے، بالوں کو سکھا سکے اور کنگھی پٹی کر سکے۔ خلوت میں بغلوں کو ہوا لگا سکے، چھاتی کے نیچے ہوا پہنچا سکے۔ گرم ملکوں میں جوئیں پڑ جائیں گی، بغلوں میں بدبو پیدا ہو جائے گی۔ پستانوں کے نچلے حصے ہر وقت پسینے کی وجہ سے گل جائیں گے، کپڑے کا میل، غم، بیماری، جوؤں، اور مہلک جراثیم کا باعث ہوسکتا ہے۔ لہٰذا اسلام ایسے پردے کا حکم نہیں دیتا جس سے عورت صفائی وستھرائی سے محروم ہو اور اس کے سر میں کیڑے پڑ جائیں اور اس کے جسم سے بدبو آنے لگے۔ جن گھرانوں میں مشترکہ خاندانی سسٹم ہے اور وہ مذہبی گھرانے ہیں وہاں یہ قباحتیں عام ہیں۔

پردے میں میانہ وری:

اسلام جہاں پردے کا سختی سے حکم دیتا ہے وہاں گھروں اور خلوتوں میں خواتین کو ذاتی جسم کی صفائی وغیرہ کا پورا حق دیتا ہے۔ پردے کے مختلف مدارج ہیں۔

1 اجنبی غیر محرموں سے باضابطہ اور مکمل پردہ۔

2 رشتہ دار غیر محرموں سے ذرا کم درجے کا، بھائیوں سے اور کم، ماموں اور چچا سے بھی کم درجے کا پردہ، والدین سے اور کم درجہ، خاوند سے مکمل بے تکلفی، اپنے بچوں سے اور نوعیت کا پردہ، ان سب مراتب کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے۔ ہر مقام پر ایک ہی نوعیت کا پردہ لازم نہیں۔

لباس وغیرہ جھاڑ کر استعمال کریں:

1 لباس چاہے صندوق سے نکالیں یا الگنی (Hanger) سے اتاریں اسے جھاڑ کر پہنیں، ممکن ہے کوئی بچھو، کوئی کیڑا چھپا ہوا کاٹ لے، بلکہ ممکن ہو تو استری کر لیں، اس سے گندے جراثیم بھی مرجاتے ہیں۔ صاف ستھرا لباس مطلوب ہے۔

2 بستر کو بھی جھاڑ کر استعمال کریں ہوسکتا ہے کوئی کیڑا مکوڑا چھپا ہو ڈس لے یا کوئی سوئی تنکا اور کوئی چیز نقصان دینے والی سوتے میں بے آرام کرتی رہے۔

3 بند جوتا، موزے اور جرابیں بھی جھاڑ کر استعمال کریں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ جنگل میں رفع حاجت کے بعد وضو کیا۔ اپنا موزہ پہنا، دوسرے موزے کو ایک سبز پرندہ آیا اور اسے لے کر اڑا، فضا میں بلندی پر لے جا کر اسے نیچے گرایا تو اس میں سے کالا اڑتا ہوا سانپ نکلا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ نے پرندے کے ذریعے سے میری عزت افزائی کی ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا پڑھی:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِهٖ وَمِنْ شَرِّ مَنْ یَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْنِ وَمِنْ شَرِّ مَنْ یَّمْشِیْ عَلٰی اَرْبَعٍ۔

”اے اللہ! بے شک میں تیری پناہ مانگتا ہوں ہر اس شے کے شر سے جو زمین پر پیٹ کے بل چلتی ہے اور اس کے شر سے جو دو پاؤں پر چلتی ہے اور اس کے شر سے جو چار پاؤں پر چلتی ہے۔“ (طبرانی اوسط 222/9 حدیث:9304)

مستحب لباس:

فقیہ ابواللیث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "آدمی کو چاہیے کہ اپنے ہم عصر اور ہم قوم لوگوں جیسا لباس پہنے نہ بہت مہنگا نہ بہت گھٹیا۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو (2) قسم کے لباس سے منع فرمایا:

1. نہایت قیمتی
2. نہایت ادنیٰ

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایسا لباس نہ پہنو کہ بے وقوف لوگ بھی آپ کو حقیر و ذلیل سمجھیں، نہ ایسا لباس پہنو کہ دانا لوگ آپ کو برا جانیں یعنی درمیانے درجے کا لباس بہتر ہے۔ شوخ، بھڑکیلا لباس غیر مہذب لوگوں کا شیوہ ہے اور انتہائی خستہ اور میلا کچیلا لباس فقیروں اور مسکینوں کا ہے۔

امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

1. پہلے زمانے میں شہرت وغرور کا لباس انتہائی لمبا ہوتا تھا جو زمین پر گھسٹتا جائے۔
2. پھر ایک دور آیا کہ شہرت کا لباس وہ ہوا جو انتہائی مہنگا ہو۔
3. پھر تیسرا دور آیا کہ شہرت کا لباس مختصر ہونے لگا۔ (تنبیہ الغافلین: 332)

لباس کی طہارت وغیرہ:

شیخ محمد بن صالح عثیمین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انسان لباس کا خواہش مند ہے کہ قابل شرم حصے چھپائے۔ لباس دو (2) قسم کے ہیں:

1. لباس حسّی
2. لباس معنوی

لباس حسی، ظاہری ملبوسات ہیں اور لباس معنوی لباس تقویٰ ہے۔

لباس ظاہری میلا ہو جائے تو اسے صاف کرنے کے لئے پانی، دھوبی، لانڈری وغیرہ کی ضرورت و مشقت ہے۔ لیکن لباس تقویٰ کو اجلا کرنے کے لئے صرف سچی توبہ اور

استغفار کافی ہے۔اس سے تقویٰ کا لباس بغیر کسی خرچ اور تردد کے پھر سے چمکدار ہو جاتا ہے۔سارا میل کچیل کٹ کر صاف وشفاف ہو جاتا ہے۔ (سورۃ آل عمران،135)

لباس کے رنگ:

انسان کے لئے جائز ہے کہ وہ سفید کپڑے پہنے یا سیاہ، سبز، زرد یا سرخ، لیکن خالص سرخ رنگ سے نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا اگر ملا جلا رنگ ہو تو جائز ہے۔

پردہ داری اور حیا:

نبی اکرم ﷺ قضائے حاجت کے لئے دور جنگل میں تشریف لے جاتے کہ کوئی دیکھ نہ سکے کیونکہ آپ ﷺ انتہا درجہ کے حیادار تھے۔یہ کمال ادب ہے کہ آدمی کو رفع حاجت کے وقت کوئی دیکھ نہ سکے، باتھ روم میں ہو تو لاک لگا کر اپنی حاجت پوری کرے اور کسی سے بات چیت نہ کرے۔

لباس اور وضو:

غزوہ تبوک کے موقع پر ایک مرتبہ آپ ﷺ نے وضو کیا، بازو دھونے لگے تو جبہ مبارک کی آستینیں تنگ تھی، پھر آپ نے بازو جبہ کے اندر سے نکال کر دھوئے۔پاؤں دھونے کی باری آئی تو مغیرہ رضی اللہ عنہ نے جھک کر آپ کے موزے مبارک اتارنے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا رہنے دو میں نے پاؤں پر موزے باوضو پہنے تھے۔آپ نے موزے پر صرف مسح فرمایا۔

گلے کا بٹن کھولنا:

ایک مرتبہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے گلے کے بٹن کھلے دیکھے جو کہ گرمی کی وجہ سے کھلے تھے۔معاویہ رضی اللہ عنہ نے سمجھا شاید بٹن کھلے رکھنا سنت ہے، حالانکہ یہ آپ کا عام طریقہ نہ تھا۔گرمی کی وجہ سے اگر کوئی اوپر والا بٹن کھول لے تو جائز ہے۔بغیر سبب کے بٹن کھلے رکھنا درست نہیں ورنہ تو بٹن لگانا ہی فضول ہے، اور دین میں فضول چیز کا تصور بھی نہیں۔ (شرح ریاض الصالحین، ہفتم:297)

خواتین ناخن پالش اتار کر وضو اور غسل کریں تو زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ پختہ روغن کی طرح (Nail Polish) کی تہہ جم جاتی ہے اور اکثر علما اسی بات کے قائل ہیں۔ جبکہ بعض اہل علم نیل پالش سمیت وضو کو جائز سمجھتے ہیں۔ رسول ﷺ نے بازوؤں تک پانی پہنچانے کے لئے جبہ کے اندر سے بازو نکال کر دھوئے۔ رسول ﷺ کو قمیض پہننا پسند تھا اور قمیض کی کفیں ہاتھ کے پہنچوں تک ہوتی تھیں یعنی گٹ تک۔ (شرح ریاض الصالحین، جلد ہفتم)

ٹخنوں سے نیچے کپڑا:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر غرور و تکبر کے بغیر، شلوار، پینٹ اور لنگی وغیرہ ٹخنے سے نیچے رہے تو گناہ نہیں ہوتا، دلیل ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دی جاتی ہے حالانکہ صحیح بخاری میں یہ الفاظ ہیں:

''جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ وعید سنی کہ ٹخنے سے نیچے کپڑا رکھنے والا روز محشر اللہ کی نظر رحمت سے محروم ہو گا تو انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! میری چادر نیچے سرک جاتی ہے، حالانکہ میں اس کی حفاظت و اصلاح کرتا رہتا ہوں۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

''تو ان متکبروں میں سے نہیں ہے۔'' (صحیح بخاری کتاب اللباس)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اَتَعَاهَدُ کے تحت لکھا ہے میں غافل اور بے خبر ہوتا ہوں تو چادر نیچے چلی جاتی ہے۔ دوسری روایت میں ہے...... اِنَّ اِزَارِیْ یَسْتَرْخِیْ اَحْیَانًا...... کہ کبھی کبھی میری چادر نیچے لٹک جاتی ہے خیال تو پورا رکھتے ہیں تاہم جب بھی نیچے جاتی ہے پھر اسے باندھ لیتے ہیں، یعنی نہ ابوبکر رضی اللہ عنہ میں غرور ہے نہ نیچے رکھنے کی نیت اور ارادہ ہے صرف بے بسی ہے جو شرع میں معاف ہے۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ اَبُوْبَكْرٍ اَحْنٰى لَا يَسْتَمْسِكُ اِزَارُهٗ يَسْتَرْخِيْ عَنْ حَقْوَيْ۔

''ابوبکر رضی اللہ عنہ کبڑے تھے اپنے تہہ بند کو مضبوط نہیں باندھ سکتے تھے وہ کمر سے ڈھیلا ہو جاتا تھا۔''

قیس بن ابو حازم کہتے ہیں میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاں حاضر ہوا وہ نحیف (لاغر) آدمی تھے۔

(فتح الباری، کتاب اللباس)

نقد ونظر:

شیخ محمد بن صالح عثیمین رحمہ اللہ لکھتے ہیں "ان وجوہ کی بنا پر ہمیں امام نووی رحمہ اللہ کا موقف کمزور معلوم ہوا کہ غرور کی نیت نہ ہو تو کپڑا ٹخنے سے نیچے کرنا حرام نہیں بلکہ مکروہ ہے۔ صحیح ترین بات یہ ہے کہ غرور کی نیت ہو یا نہ ہو دونوں حالتوں میں حرام ہے۔ (شرح ریاض الصالحین)

شیخ ابن علان الشافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "چادر نیچے لگ جاتی ہے بوجہ کمزور بدن کے پھر بھی میں کوشش کرتا ہوں مضبوط باندھنے کی اور اوپر اٹھانے کی۔ (دلیل الفالحین سوم)

کچھ لوگوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا:

اِلٰی اَیْن..... تہہ بند وغیرہ کہاں تک اوپر اٹھائیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِلٰی اَنْصَافِ السَّاقَیْنِ۔

"آدھی پنڈلیوں تک۔" (کتاب اللباس حدیث: 810)

تشریح:

اس حدیث کے تحت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهُوَا لْاَکْمَلُ وَالْمُسْتَحَبُّ۔

"یہ مکمل اور مستحب ہے۔"

وَالْجَائِزُ بِلَا کَرَاهَةٍ مَاتَحْتَهُ اِلَی الْکَعْبَیْنِ۔

"نصف پنڈلی سے نیچے ٹخنوں تک اجازت ہے بغیر کسی کراہت کے۔"

فَمَا نَزَلَ عَنِ الْکَعْبَیْنِ فَهُوَ مَمْنُوْعٌ۔

"جو ٹخنوں سے نیچے جائے تو وہ منع ہے۔"

(روضۃ المتقین شرح ریاض الصالحین نووی ج: 2)

سزا کی کیفیت:

شیخ محمد بن صالح عثیمین رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''جو آدمی بغیر تکبر کے قصداً ٹخنوں سے نیچے رکھے گا...... فعقوبتہ اھون...... اس کی سزا نسبتاً ہلکی ہوگی۔ کہاں تک ہلکی ہوگی؟ ہمیں نہیں معلوم بس اللہ نار جہنم کے ہر درجے کی سزا سے بچائے۔(آمین) (شرح ریاض الصالحین، 305/7)

شیخ عبدالعزیز محمد سلیمان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا:

مَا تَحْتَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فِي النَّارِ۔

''جو کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہوگا وہ جہنم میں جائے گا۔''

اس کا مطلب صرف یہ نہیں کہ غرور کا وہ کپڑا ہی دوزخ میں جائے گا بلکہ جسم سمیت جہنم میں ہوگا یعنی یہ معمولی کپڑا جہنم میں لے جانے کا سبب بن جائے گا۔ (موارد الظمآن:487/5)

اہل جہنم کا لباس:

اللہ فرماتے ہیں:

فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ۔ (الحج:19)

''جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے آگ کے لباس کاٹے جا چکے ہیں۔''

سَرَابِيلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ۔ (ابراہیم:50)

''وہ تارکول کے لباس پہنے ہوئے ہوں گے۔''

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ۔ (الزمر:16)

''آگ کی چھتریاں اوپر سے بھی چھائی ہوئی ہوں گی اور نیچے سے بھی۔''

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ۔ (الاعراف:41)

''ان کے لئے تو جہنم کا بچھونا ہوگا اور جہنم ہی کا اوڑھنا۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''نوحہ و بین کرنے والی اگر مرنے سے پہلے توبہ نہ کرے گی، قیامت کے روز اس حال میں اٹھائی جائے گی کہ اس کا تارکول کا لباس ہوگا۔'' (صحیح مسلم)

اہل جنت کا لباس:

اللہ فرماتے ہیں:

يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ (الکھف 31:)

''وہاں وہ سونے کے کنگنوں سے آراستہ کئے جائیں گے، باریک ریشم اور اطلس و دیباج کے سبز کپڑے پہنیں گے اور اونچی مسندوں پر تکیے لگا کر بیٹھیں گے۔''

تشریح:

1 قدیم زمانے میں بادشاہ سونے کے کنگن پہنتے تھے۔ اہل جنت کے لباس میں اس چیز کا ذکر کرنے سے مقصود ہے کہ وہاں ان کو شاہانہ لباس پہنائے جائیں گے۔ ایک کافرو فاسق بادشاہ وہاں ذلیل وخوار ہوگا اور ایک مومن وصالح مزدور وہاں بادشاہوں کی سی شان و شوکت سے رہے گا۔ (تفہیم القرآن جلد سوم)

2 علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں، سندس باریک ریشم کے قمیض...... اِسْتَبْرَقْ...... موٹا ریشم جس میں چمک ہوگی ارائك جیسے دلہن کیلئے عروسی کمرہ سجایا گیا ہو اس میں بچھا ہوا پلنگ۔

خوشیوں اور مسرتوں بھرے لباس:

1 نبی اکرم ﷺ نے بتایا ''جو جنت میں داخل ہوگا وہ طرح طرح کی نعمتوں سے محظوظ ہوگا، بے نصیبی اسے نہیں چھوئے گی (نہ ذلت ورسوائی، نہ فقر وفاقہ، نہ غم اور خوف) نہ اس کے کپڑے پرانے ہوں گے (ہمیشہ کپڑے نت نئے سے نئے ڈیزائن اور خوبصوت، صاف ستھرے اور چمکدار ہوں گے) نہ جوانی ڈھلے گی، جوانی ہمیشہ برقرار رہے گی ہر آن وہی رعنائی، وہی قوت وطاقت، وہی عالم شباب قائم رہے گا) جنت میں وہ کچھ ہوگا جس کا

تصور کوئی نہیں کرسکتا، کسی آنکھ نے وہ نظارے نہیں دیکھے، کسی کان نے وہ پرلطف آوازیں نہیں سنیں۔'' (رواہ مسلم)

2 حوروں کا لباس اتنا صاف شفاف ہوگا کہ اُس لباس کے ستر (70) پردوں میں سے حوروں کی ٹانگوں کی ہڈیوں میں سے مخ (گودا) نظر آئے گا، یہ جسم کی سفیدی اور حسن کی دلیل ہے۔'' (بیہقی)

3 کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر اہل جنت کا ایک کپڑا آج دنیا میں کوئی پہن لے تو ہر دیکھنے والا اس کے حسن کی تاب نہ لا سکے گا اور بے ہوش ہو جائے گا نظریں اُس خوبصورتی کو برداشت نہیں کرسکتیں۔ (الترغیب)

4 رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اہل جنت کی ایک حور اگر زمین پر آ جائے تو روئے زمین اس کی خوشبو سے مہک اٹھے، اس کے حسن سے روشن ہو جائے، اس کے سر کے دوپٹے کی قیمت دنیا و مافیہا سے زیادہ ہے۔ (بخاری و مسلم)

کفار کے بنے ہوئے کپڑے:

عَنِ الْمُغِيْرَةَ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، اَنَّ النَّبِي لَبِسَ جُبَّةً رُوْمِيَّةً ضَيِّقَةَ الْكُمَّيْنِ۔ (متفق علیہ)

''مغیرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رومی جبہ پہنا جس کے آستین تنگ تھے۔''

تشریح:

روم اس وقت تک دارلکفر تھا، وہاں کا بنا ہوا جبہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہنا۔ لہٰذا کفار کے بنے ہوئے کپڑے پہنے جا سکتے ہیں، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تفصیل نہیں پوچھی کہ دھویا ہوا ہے یا کہ نہیں؟ اب اگر کوئی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر متقی بننے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی اپنی مرضی ہے ورنہ یہ خواہ مخواہ کا تکلف ہے۔ (مرقاۃ:124/8)

صوفیانہ لباس:

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے منہاج العابدین میں واقعہ ذکر کیا ہے:

فرقد سنجی امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے۔ فرقد نے اپنے اوپر ایک چادر اوڑھ رکھی تھی اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے دیسی سوٹ پہن رکھا تھا، فرقد اسے ہاتھ سے ٹٹول رہا تھا۔ امام حسن رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کیا بات ہے میرے لباس کو غور سے دیکھ رہے ہو؟ فرقد نے کہا میرا لباس جنتیوں والا ہے اور آپ کا جہنمیوں والا۔ امام حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ان صوفیوں نے اپنا تصوف کپڑوں میں ظاہر کر رکھا ہے اور اپنے سینوں میں غرور چھپائے پھرتے ہیں۔ (مرقاۃ: 125/8)

نیا لباس:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا لَبِسَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (ابن حبان)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نیا لباس زیب تن فرماتے تو جمعہ کے روز اسے پہنتے۔"

یعنی نیا لباس چھپا کر نہیں پہنتے تھے بلکہ مجمع عام میں پہنتے تھے اور یہ سنت خلاف تقویٰ نہ تھی بلکہ عین تقویٰ کے مطابق تھی۔ یہ اظہار زینت مطلوب و مقصود ہے، بس دل میں تقویٰ ہو لباس میں نمائشی تقویٰ پسندیدہ نہیں ہے۔

دعائے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیا لباس پہنتے تھے تو یہ دعا بھی پڑھتے تھے:

اَللّٰهُمَّ! لَكَ الْحَمْدُ كَمَا كَسَوْتَنِيْهِ اَسْأَلُكَ خَيْرَهٗ وَخَيْرَ مَاصُنِعَ لَهٗ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَاصُنِعَ لَهٗ۔ (ترمذی، ابو داؤد)

"اے اللہ! تیرا شکر ہے، جو تو نے مجھے پہنایا، میں اس کی بھلائی تجھ سے مانگتا ہوں اور وہ بہتری جو اس کے لئے بنائی گئی ہے اس کا طالب ہوں اور میں اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور جو بھی شر اس کے لئے بنائی گئی ہے پناہ کا طالب ہوں۔"

تشریح:

1 یعنی میری ہمت و طاقت سے یہ لباس مجھے نہیں ملا بلکہ تیری عنایت اور تیرا فضل و کرم ہے۔ میرا دل اور ذہن سراپا شکر ہیں، میرا ایک ایک جزو بدن تیرا احسان مند ہے، میں زبان سے بھی تیرے لئے شکر کرتا ہوں میں تیری بندگی کرتا ہی رہوں، تیری رضا کا طالب

رہوں، اس کا سلسلہ ثواب جاری رہے۔

2 شر سے پناہ، یعنی کفر نہ ہونے پائے جس سے تو ناراض ہو، کہیں غرور و تکبر نہ آ جائے کہیں یہ حرام کمائی سے نہ ہو، کہیں ناپاک نہ ہو، نافرمانیوں کا سبب نہ بن جائے، کپڑوں کا حریص ہو کے نہ رہ جاؤں۔

عمر رضی اللہ عنہ نے سفید قمیض پہنا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا:

أَجَدِيدٌ قَمِيصُكَ هٰذَا اَمْ غَسِيلٌ؟

''کیا آپ کا قمیض نیا ہے یا دھویا ہوا؟''

عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! دھویا ہوا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعائیہ انداز میں فرمایا:

اِلْبَسْ جَدِيدًا وَعِشْ حَمِيدًا وَ مُتْ شَهِيدًا۔

''تو نئے لباس پہنتا رہے، قابل تعریف زندگی بسر کرتا رہے، شہادت کی سعادت نصیب ہو۔''

بادشاہ نجاشی کے تحائف:

شاہ حبشہ نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسلام قبول کرنے کے بعد خط لکھا:

1 میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم میں سے آپ کے دین پر چلنے والی ایک عورت کا آپ سے نکاح کر دیا ہے، جس کا نام ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابی سفیان ہے۔ آپ کی خدمت میں کچھ تحائف بھیج رہا ہوں۔

2 ایک قمیض

3 پاجامے

4 سبز چادر (جسے علماء و مشائخ پہنتے ہیں)

5 دو سادہ موزے۔ (مرقاۃ: 207/8)

مخصوص لباس اور اسوۂ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

بعض پیروں اور فرقہ پرستوں نے اپنے اپنے مخصوص لباس قائم کر رکھے ہیں،

کسی نے سبز رنگ، نسواری، جوگیا، سیاہ رنگ وغیرہ، پھر لباس کی تراش خراش، خاص طرز کی ٹوپیوں کے مخصوص رنگ اور بناوٹیں مختلف ہیں۔ یہ انداز لباس، ایک دوسرے سے ممتاز کرنے کے لئے مقرر کیے گئے ہیں اور دوسروں کو حقیر سمجھنے کے لئے یہ سارا دھندہ جاری ہے بلکہ بقول شخصے: ''ان پیروں اور مولویوں نے اپنی اپنی بھیڑیں پال رکھی ہیں اور ان پر خاص خاص نشان لگا رکھے ہیں تاکہ ان کے ریوڑ کی بھیڑ کسی دوسرے ریوڑوں میں مکس نہ ہو جائے اور یہ پال رکھی ہیں صرف اُون مونڈنے کے لئے، لہٰذا مسلمان کو چاہیے کہ جو حلال اور ساتر لباس میسر ہو وہ پہنے کیونکہ ہمارے پیغمبر ﷺ نے ایسا ہی کیا ہے۔''

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''آپ ﷺ کبھی غیر ملکی چادر پہن لیتے، کبھی سبز رنگ کی، کبھی چغہ پہنا، کبھی قمیض، کبھی تہہ بند، کبھی پاجامہ، کبھی جوتا، کبھی موزے، کبھی پگڑی اور کبھی سوتی کبھی اونی لباس، اگرچہ آپ ﷺ نے مختلف رنگوں کے لباس پہنے، لیکن محبوب ترین لباس سفید رنگ کا تھا، اس کی زیادہ تلقین فرمائی بالکل سرخ اور زرد رنگ سے منع فرمایا، البتہ آپ ﷺ نے لباس میں سرخ رنگ میں ملا ہوا اور دوسرا رنگ استعمال فرمایا۔ خواتین کو ہر رنگ کی اجازت دی۔ معزز لباس زیب تن فرماتے غرور تکبر کے لباس سے بچتے۔'' (زاد المعاد)

مغربی ملکوں میں جو مسلمان گرمیوں میں نیکریں پہنتے ہیں اگرچہ ساتر تو ہیں مگر زینت نہیں، اپنی ٹانگوں کے مکروہ بال دوسرے لوگوں کو دکھاتے پھرتے ہیں، پھر یہ نبی کی سنت سمجھ کر نہیں پہنتے بلکہ مغربی لوگوں کے رواج کو پورا کرتے ہیں جو کہ...... تَشَبُّه بالْكُفَّار...... کے زمرے میں آتا ہے۔ مسلمان کو پورا لباس ہی زیب دیتا ہے، جب تک کہ کوئی عذر نہ ہو۔

خلفائے راشدین کا لباس:

خلیفہ اول

1. علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں میں رسول ﷺ کے پاس تھا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی رسول ﷺ کے پاس بیٹھے تھے اور اوپر

کمبل ڈالے ہوئے تھے، جس کے دونوں پلوؤں کو اپنے سینے پر کانٹے سے ٹانک رکھا تھا۔
اتنے میں جبرائیل علیہ السلام اترے اور کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا بات ہے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کمبل میں دیکھ رہا ہوں جس کے دامن کو کانٹے سے تھام رکھا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے جبرائیل! اس نے اپنا سارا مال فتح مکہ سے پہلے پہلے مجھ پر نچھاور کر دیا ہے۔
جبرائیل علیہ السلام نے کہا بے شک اللہ انہیں سلام کہہ رہا ہے، نیز اللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھتا ہے کیا تو مجھ سے اس حال میں راضی ہے یا ناراض؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: کیا میں اپنے رب سے ناراض ہوں گا؟ میں تو اپنے رب سے خوش ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے پروردگار سے مسرور ہوں۔ (صفۃ الصفوۃ: 94/1)

2 ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کپڑے کے تاجر تھے۔ ہجرت کے وقت چالیس ہزار دینار لے کر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکلے تھے، سب کچھ لٹا کر ٹوٹے پھوٹے کمبل میں اللہ کی رضا پر خوش وخرم بیٹھے ہیں، یہ تو خلافت سے پہلے کی بات ہے مگر بطور خلیفہ جب دنیا سے رخصت ہونے لگے تو فرمایا! میرے یہی پہنے ہوئے کپڑے دھو کر کفن کے لئے استعمال کرنا۔ بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، کیا نیا کفن نہ پہنائیں؟ فرمایا کفن مردے کی رطوبتوں سے لت پت ہوگا، اسے پرانا کپڑا کافی ہے نیا کپڑا کسی زندہ کے کام آجائے گا۔

خلیفہ دوم:

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے عمر رضی اللہ عنہ کا لباس معمولی ہوتا تھا۔ اکثر لمبی قمیض پہنتے تھے۔ برنس ایک ٹوپی والا لمبا کرتا پہنتے تھے، جوتا بھی سادہ تسمے والا پہنتے تھے، کپڑوں میں اکثر پیوند ہوتا تھا، ایک دفعہ دیر تک گھر میں رہے۔ باہر سے آئے ہوئے لوگ انتظار کر رہے تھے، معلوم ہوا کہ پہننے کو کپڑے نہ تھے، اس لئے انہی کپڑوں کو دھو کر سکھایا، پھر پہنا پھر باہر نکلے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ رہبانیت اور تقشّف (عمداً پھٹے پرانے کپڑوں والا) کو پسند کرتے تھے۔ ایک دفعہ ان کا مقرر کردہ گورنر یمن ان سے ملنے آیا، جس نے فاخرہ لباس زیب تن کیا تھا، بالوں میں خوب تیل چمک رہا تھا، عمر رضی اللہ عنہ نہایت ناراض ہوئے اور موٹا کپڑا پہنا دیا۔ دوسری دفعہ آیا تو بال پریشان، پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس تھا، فرمایا یہ بھی مقصود

نہیں، آدمی کو پراگندہ نہیں رہنا چاہئے نہ ہی پٹیاں جمانی چاہئیں۔ حاصل یہ کہ نہ بے ہودہ تکلفات اور آرائش کو پسند کرتے نہ راہبانہ زندگی کو اچھا سمجھتے تھے۔ (الفاروق ص:928)

خلیفہ سوم:

1 عثمان رضی اللہ عنہ باوجود امیر ترین صحابی ہونے کے نہایت سادہ لباس پہنتے تھے۔ ان کپڑوں سے ہمیشہ پرہیز کرتے جن سے غرور و تکبر ٹپکتا ہو، تمام عمر پاجامہ نہیں پہنا، صرف شہادت کے وقت ستر کے خیال سے پہن لیا تھا۔ عموماً تہہ بند باندھا کرتے تھے، جمعہ کے روز منبر پر موٹا تہہ بند پہنے ہوئے دیکھے گئے۔ جس کی قیمت چار پانچ درہم سے زیادہ نہ تھی اور کوفی رومال لئے ہوئے تھے۔

2 رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ عثمان رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے اس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔

3 شہادت کے وقت جن کپڑوں میں ملبوس تھے انہی کپڑوں میں خونِ شہادت سے لت پت بغیر غسل دیئے دفن کیئے گئے۔ (سیر اعلام النبلاء)

4 جمعہ کے روز سہ پہر شہید ہوئے...... اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ!...... ڈر تھا کہ باغی لوگ میت کی بے ادبی نہ کریں۔ اس لئے جنازہ ہفتے کی رات کو اٹھایا گیا، اس کے ساتھ صرف سترہ (17) آدمی تھے۔ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ از طالب ہاشمی)

5 وَقِيلَ صَلّٰى عَلَيْهِ مَرْوَانُ...... یہ بھی روایت ہے کہ مروان نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (سیر اعلام النبلاء)

خلیفہ چہارم:

1 حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک عام آدمی کی طرح زندگی گزارتے تھے۔ کپڑوں میں کئی کئی پیوند ہوتے تھے۔ کپڑا اپھٹ جاتا تو اسے خود سی لیتے۔ موٹا سا تہہ بند باندھ کر اس پر ایک رسی لپیٹ لیتے تھے اور ایک موٹی سی چادر اوڑھے ہوئے دُرّہ ہاتھ میں لئے کوفہ کے بازاروں میں یہ دیکھتے پھرتے تھے کہ کوئی دکاندار ناپ تول میں بد دیانتی تو نہیں کر رہا ہے۔

2 ایک دن اپنے خادم قنبر کو ساتھ لے کر کپڑا خریدنے بازار آگئے، اپنے لئے

معمولی کپڑا اور قنبر کے لئے اچھا ملائم کپڑا خریدا۔ قنبر نے عرض کیا امیر المومنین! میرے لئے ایسے کپڑے کی کیا ضرورت ہے؟ انہوں نے فرمایا بھئی! تم جوان ہو، تمہارے لئے اچھا کپڑا مناسب ہے، میرا کیا ہے؟ بوڑھا آدمی ہوں۔

3 ایک مرتبہ عید سے پہلے لوگوں نے عرض کیا، امیر المومنین! آپ رضی اللہ عنہ کے لباس میں پیوند لگے ہوئے ہیں اگر آپ دو (2) درہم میں کپڑے کا ایک جوڑا خرید لیں اور عید کے دن اسے پہن لیں تو کتنا اچھا ہو! علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے شرم آتی ہے کہ میں نئے کپڑے پہنوں اور کوفہ میں ہزاروں آدمیوں نے پرانے کپڑے پہن رکھے ہوں۔

قیمتی ہار اور عید:

4 ایک دفعہ بصرہ سے موتیوں کا ایک قیمتی اور خوبصورت ہار بیت المال میں آیا دو تین دن کے بعد عید آ رہی تھی۔ علی رضی اللہ عنہ کی ایک پیاری بیٹی کا دل چاہا کہ عید کے دن یہ ہار پہنیں۔ انہوں نے بیت المال کے ناظم سے یہ ہار تین (3) دن کے لئے مستعار مانگ بھیجا تو اس نے بھیج دیا۔

علی رضی اللہ عنہ کی نظر اس ہار پر پڑی تو انہوں نے بیٹی سے پوچھا یہ ہار کہاں سے آیا ہے؟ بیٹی نے عرض کیا میں نے اسے تین (3) دن کے لئے بیت المال سے منگوایا ہے۔ عید پر پہن کر واپس بھیج دوں گی۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے علی کی بیٹی! کیا دوسرے صحابہ کی تمام بیٹیاں عید پر ایسے ہار پہنیں گی؟ وہ خاموش ہو گئیں۔ علی رضی اللہ عنہ نے اسی وقت وہ ہار ان سے لے کر بیت المال میں بھیج دیا۔ پھر ناظم بیت المال سے پوچھا تم نے یہ ہار میری اجازت کے بغیر میری بیٹی کو کیوں بھیجا؟ اس نے کہا وہ آپ کی بیٹی ہے۔ انہوں نے یہ ہار مانگا میں نے تین (3) دن کے بعد صحیح سالم واپسی کی شرط پر انہیں دے دیا۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا آئندہ اگر تم نے ایسی حرکت کی تو سزا سے نہیں بچ سکو گے۔ اگر میری بیٹی نے ہار واپس کرنے کے وعدہ پر نہ منگوایا ہوتا تو میں چوری کے الزام میں اس کا ہاتھ کٹوا دیتا۔ (علی رضی اللہ عنہ از طالب ہاشمی)

5 ابو لیلیٰ کا بیان ہے علی رضی اللہ عنہ سردیوں کا لباس گرمیوں میں اور گرمیوں کا لباس

سردیوں میں پہنتے۔ ابو لیلیٰ نے پوچھا! یہ کیا ماجرا ہے؟ فرمایا حضور ﷺ نے مجھے جب خیبر کی طرف بھیجا، میری آنکھیں دکھتی تھیں۔ آپ ﷺ نے میری آنکھوں پر اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا دی...... اَللّٰھُمَّ اَذْھِبْ عَنْہُ الْحَرَّ وَالْبَرْدَ...... اے اللہ! اس سے سردی اور گرمی دور کر دے۔'' اس دن سے کبھی مجھے سردی و گرمی کا احساس نہ رہا۔ (احمد ابن ماجہ)

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ:

1 جب عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت عطا کی گئی تو قوم سے خطاب کے بعد دار الحکومت میں داخل ہوئے تو جو قیمتی پردے لٹک رہے تھے وہ پھاڑ دیئے گئے، حکمرانوں کے لئے جو قالین بچھے ہوئے تھے اٹھوا دیئے گئے، انہیں فروخت کر کے قیمت بیت المال میں جمع کروا دی گئی۔

2 خلیفہ ہونے سے پہلے سب سے زیادہ خوشبوئیں استعمال کرتے تھے۔ چال میں نخرے ہوتے تھے۔ جب خلیفہ بنے تو ان کے سارے لباس (ٹوپی، پگڑی، قمیض، چغہ، قبا، چادر اور موزوں) کی قیمت صرف بارہ (12) درہم تھی۔

3 یونس بن ابوشبیب کہتے ہیں میں نے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو بیت اللہ کا طواف کرتے دیکھا تھا، ان کے ازار بند کی جگہ کمر کے سلوٹوں میں غائب تھی (یعنی بہت موٹے تھے) پھر میں نے خلیفہ ہونے کے بعد انہیں دیکھا تو نہایت کمزور ہو گئے میں چھوئے بغیر دور ہی سے ان کی پسلیاں شمار کر سکتا تھا۔

4 مسلمہ بن عبدالملک کہتے ہیں کہ میں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی بیماری میں خبر گیری کو گیا، میلا قمیض پہنے ہوئے ہیں۔ میں نے ان کی اہلیہ فاطمہ سے کہا امیر المومنین کا قمیض دھو ڈالیں، لوگ عیادت کو آتے ہیں۔ فاطمہ نے کہا اللہ کی قسم! قمیض ایک ہی ہے دوسرا قمیض ان کے پاس نہیں ہے۔ (صفۃ الصفوۃ: 351-353)

5 علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں خلافت سے قبل عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو نہایت عمدہ قیمتی اور نرم و ملائم قمیض دیا جاتا تھا تو کہتے تھے، کتنا اچھا ہوتا اگر اس میں کھردرا پن نہ ہوتا؟ جب خلافت کی ذمہ داری کندھوں پر آئی تو سخت موٹا، پیوند لگا ہوا قمیض پہنتے جلدی اسے دھوتے بھی نہ تھے اور کہتے کتنا اچھا ہوتا اگر یہ ملائم نہ ہوتا؟ (البدایۃ والنہایۃ: 9)

ائمہ اربعہ کا لباس

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ:

1 امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آپ نے چارسو (400) گنی کی قیمت کی چادر استعمال فرمائی۔ (معارف القرآن: 5550/13)

2 عبدالرحمٰن بن محمد بن مغیرہ کا بیان ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو مسجد کوفہ میں فتوے دیتے دیکھا، ان کے سر پر لمبی سیاہ ٹوپی تھی۔

3 نضر بن محمد کا بیان ہے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خوبصورت چہرے عمدہ لباس والے، خوشبو بسائے ہوئے تھے۔ میں کسی کام سے ان کے پاس گیا۔ میں نے سرخ کمبل اوڑھا تھا، مجھے خچر پر کاٹھی لگانے کا حکم دیا اور فرمایا اپنا کمبل مجھے دے دو، اور میرا کمبل تم لے لو، میں نے تبادلہ کرلیا، جب واپس ہونے لگے تو فرمایا نضر! تو نے اپنے کمبل سے مجھے شرمندہ کردیا ہے یہ تو موٹا جھوٹا ہے، میں نے کہا میں نے پانچ (5) دینار میں لیا تھا، پھر میں نے امام صاحب کو دیکھا کہ ان پر تیس (30) دینار کا کمبل تھا۔ (سیر اعلام النبلاء: 399/16)

4 امام جب نیا کپڑا پہنتے تو اسی قیمت کے کپڑے دیگر شیوخ علماء کو پہناتے۔

5 ایک بار امام ممدوح نے کسی ہم نشین کا خستہ لباس دیکھا۔ اسے کہا ذرا ٹھہریں۔ جب لوگ چلے گئے اور وہ تنہا رہ گیا تو امام نے فرمایا جائے نماز اٹھاؤ اور جو کچھ نیچے ہے وہ لے لو، اس نے مصلّٰی اٹھایا تو نیچے ایک ہزار (1000) درہم تھے، فرمایا یہ لے لو اور اپنی حالت بدلو، اس آدمی نے کہا حضرت! میں تو خوشحال آدمی ہوں۔ مجھے اس رقم کی کوئی ضرورت نہیں ہے، امام صاحب نے فرمایا تجھے یہ حدیث رسول نہیں پہنچی؟

"بیشک اللہ پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے پر نعمت کے آثار نظر آئیں۔"

تجھے اپنی کیفیت بدل لینی چاہئے کہ کہیں آپ کا دوست آپ سے دھوکے میں نہ رہے۔ (تاریخ بغداد 358,361/13)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ:

1 امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی فقر و فاقہ اور غربت و افلاس سے عبارت تھی۔ انہوں نے کبھی بھی فراغت اور بے فکری کی زندگی بسر نہ کی تھی۔ وہ بھوکے رہنے کو ایسی مالداری پر ترجیح دیتے تھے جس میں امتیاز نہ ہو کہ یہ مال حلال خالص ہے یا اس میں کسی عطیے کے ممنون احسان ہونے کی آمیزش ہے۔ وہ بسا اوقات اس پر بھی مجبور ہو جاتے تھے کہ خود کمائیں یا مزدوری کر کے اپنا کام چلائیں، جبکہ جیب خالی ہو اور دور دراز کی منزل سامنے ہو۔ یہ بات ان پر گراں گزرتی تھی کہ کسی کا عطیہ قبول کریں۔ وہ اپنے جسم کو تکلیف پہنچانا گوارا کر لیتے تھے، لیکن اپنی عزت نفس کو مجروح نہیں ہونے دیتے تھے۔ (حیات احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، ص: 150)

2 تاریخ ذہبی کے حوالے سے علی بن جہم کا بیان ہے ہم مکہ مکرمہ میں سفیان بن عیینہ کے ہاں مقیم تھے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی ہمارے ساتھ تھے، پھر کئی روز تک وہ لا پتہ رہے۔ میں خود ہی ان کی تلاش میں نکلا ان کے دروازے تک پہنچا وہ بند تھا، میں نے دستک دی اور پوچھا کیا بات ہے غائب کیوں رہے؟ فرمایا میرے کپڑے چوری ہو گئے تھے۔ میں نے کہا میرے پاس کافی دینار ہیں چاہے یونہی لے لو۔ خواہ بطور قرض لے لو، انہوں نے کہا، نہ یوں ہی لوں گا نہ بطور قرض میں نے کہا چلو اجرت پر میرا کچھ تحریری کام کر دو گے اس پر وہ راضی ہو گئے۔ میں نے اجرت کا ایک دینار دیا۔ فرمانے لگے، اس دینار کا میرے لئے کپڑا خرید لاؤ، اس کے دو ٹکڑے کر دو، ایک تہہ بند اور ایک چادر بنا دو، چنانچہ میں نے ایسا ہی کر دیا۔ (حوالہ مذکورہ، ص: 154)

3 اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اختیار کیا، لیکن دونوں کے حالات میں فرق تھا، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا حال یہ تھا کہ انہوں نے فاقہ مست ہو کر بھی خلفاء کے ہدایا و عطایا پوری شان استغناء سے واپس کر دیئے۔ وہ محنت مزدوری کرتے، اجرت پر کتابت کر کے اپنی زندگی بسر کرتے رہے، اس اعتبار سے خلفاء کے امدادی عطیوں سے انکار کر کے انہوں نے ثابت کر دیا کہ وہ بہت ہی صابر و قانع مزاج تھے۔ اس کے برعکس امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک دولت مند آدمی تھے۔ ایک اچھے اور بڑے کاروبار تجارت کے مالک تھے،

جس سے خاصا نفع کما لیتے تھے اور اپنے اس سرمائے سے ان فقہاء ومحدثین کی ضرورتیں پوری کیا کرتے تھے، جنہیں ان سے تقرب حاصل تھا۔ (حوالہ مذکورہ، ص:162)

4 عام طور پر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نہایت صاف ستھرا لباس پہنتے تھے جو بہت چمکدار اور سفید ہوتا۔ (صفۃ الصفوۃ:1/ 456)

امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ:

1 مطرف بن عبداللہ کہتے ہیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا لباس نہایت قیمتی اور عمدہ ہوتا جو کہ عدن کا بنا ہوتا۔

2 ابن ابی اویس نے بیان کیا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جب درس حدیث دینے لگتے تو پہلے وضو کرتے، پھر اپنی مسند پر بیٹھتے اور داڑھی میں کنگھی کرتے وقار اور ہیبت سے بیٹھتے پھر درس شروع کرتے۔ کسی کے سوال کرنے پر فرمایا میں تعظیم حدیث رسول میں ایسا کرتا ہوں۔

(صفۃ الصفوۃ:1/ 379)

3 امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ نفیس اور عمدہ لباس استعمال فرماتے تھے۔ ان کے لئے تو کسی صاحب نے سال بھر کے لئے تین سو ساٹھ (360) جوڑوں کا سالانہ انتظام اپنے ذمہ لیا ہوا تھا، اور جو جوڑا امام صاحب کے بدن پر ایک مرتبہ پہنچتا تھا دوبارہ استعمال نہ ہوتا تھا کیونکہ صرف ایک روز استعمال کر کے کسی غریب طالب علم کو دے دیتے تھے۔ (تفسیر معارف القرآن 13/ 550)

امام محمد بن ادریس الشافعی رحمۃ اللہ علیہ:

1 امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

مَنْ نَظَّفَ ثَوْبَهٗ قَلَّ هَمُّهٗ وَمَنْ طَابَ رِيْحُهٗ زَادَ عَقْلُهٗ

''جس نے لباس صاف ستھرا رکھا اس کا غم ہلکا ہوا۔ جس نے اپنے آپ کو خوشبو میں بسایا اس کی عقل میں اضافہ ہوا۔'' (صفۃ الصفوۃ، ص:417)

2 وَكَانَ يَقْتَصِدُ فِيْ ثِيَابِهٖ امام صاحب اپنے لباس میں میانہ روی سے کام لیتے تھے، یعنی زیادہ مہنگا نہ سستا۔ (سیرۃ الامام کتاب الام)

3 يَرْتَدِيْ ثِيَابًا خَشِنَةً نَظِيْفَةً...... صاف ستھرے اور کھردرے کپڑے پہنتے

تھے۔ (ترجمة الامام الشافعي من ديوانه)

4 وَقَالَ عَلَيَّ بُرْدَتَانِ يَمَانِيَتَانِ...... میں مکہ سے اس حال میں رخصت ہوا کہ میں نے دو یمنی چادریں اوڑھی ہوئی تھیں۔ (رحلة الامام من مكه)

5 حارث بن سریج نے ذکر کیا کہ میں امام شافعی رحمہ اللہ کے ہمراہ ہارون الرشید کے خادم کے ہاں گیا اور وہ ایسے کمرے میں تھا جہاں ریشم کا قالین بچھا ہوا تھا۔ امام صاحب اسے دیکھتے ہی باہر آ گئے خادم نے پوچھا کیا بات ہے؟ تشریف لائیں۔ امام صاحب نے فرمایا حرام بچھونا جائز نہیں۔ خادم مسکراتے ہوئے اٹھا اور دوسرے کمرے میں چلا گیا جہاں آرمینیا کا بنا ہوا قالین تھا، امام صاحب بھی اس کمرے میں چلے گئے اور خادم کو متوجہ ہو کر فرمایا یہ حلال ہے اور وہ حرام ہے۔ یہ اُس سے بہتر ہے۔ (سیر اعلام النبلاء: 10/ 76)

6 امام شافعی رحمہ اللہ آرائش وزیبائش کی ترغیب دلاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

حَسِّنْ ثِيَابَكَ مَا اسْتَطَعْتَ فَإِنَّهَا
زَيْنُ الرِّجَالِ بِهَا تُعَزُّ وَتُكْرَمُ
وَدَعِ التَّخَشُّنَ فِي الثِّيَابِ تَوَاضُعًا
فَاللهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّ وَتَكْتُمُ
فَجَدِيدُ ثَوْبِكَ لَا يَضُرُّكَ بَعْدَ مَا
تَخْشَى الْإِلٰهَ وَتَتَّقِي مَا يَحْرُمُ
وَرَثِيثُ ثَوْبِكَ لَا يَزِيدُكَ رِفْعَةً
عِنْدَ الْإِلٰهِ وَأَنْتَ عَبْدٌ مُجْرِمُ

(دیوان امام شافعی رحمہ اللہ (عنوان: 170)

جہاں تک ہو سکے خوبصورت لباس پہن، اسی سے آدمی کی زینت ہوتی ہے اور معزز و مکرم آدمی بنتا ہے، مصنوعی انکسار کے لئے کھردرے کپڑے پہننا چھوڑ دے۔ اللہ بہتر جانتا ہے تیرے ظاہر اور باطن کو جب تو اللہ سے ڈرنے والا اور اس کے حرام سے بچنے والا ہے تو پھر تجھے نئے کپڑے کوئی نقصان نہیں دے سکتے، تیرے بوسیدہ کپڑے، اللہ کی

نگاہ میں تجھے بلندی تک نہیں پہنچا سکتے بلکہ ایسا کرنے سے تو خدائی مجرم ہوگا۔"

پروفیسر شیخ ابوزہرہ مصری کا تجزیہ:

حقیقت یہ ہے کہ اُس زمانے میں ائمہ دین تین (3) قسموں میں منقسم تھے:

1. پہلی قسم وہ تھی جو حکومت اور سلطان وقت کے مال سے اجتناب کرتی تھی، اس کے ہدایا اور تحائف کو قبول کرنے سے انکار کر دیتی تھی اور اپنے انکار پر شدت کے ساتھ قائم رہتی تھی، چاہے نتائج کچھ بھی ہوں۔ اس گروہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔
2. دوسری قسم حکمرانوں کے عطیات قبول کر لیتی تھی، پھر یہ رقم محتاجوں اور اہل علم پر خرچ کر دیتی تھی، اسی قسم میں امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ قابل ذکر ہیں۔ یہ امام پند و نصائح سے حکمرانوں کو سمجھاتے تھے، لیکن حق کی خاطر آزمائشوں میں بھی پورے اترے پھر کوئی لچک نہیں دکھائی۔
3. تیسری قسم ائمہ مذکورہ کے بین بین تھی۔ مثلاً امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ عطایا قبول کر کے صدقات و خیرات کر دیتے تھے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرق:

ان دونوں اماموں نے حکمرانوں کے عطایا کو اور سرکاری عہدوں کو رد کر دیا، مگر دونوں کے ذاتی حالات مختلف تھے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فاقہ مست اور پوری شان استغنا رکھتے تھے، محنت مزدوری کر کے زندگی بسر کی، لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دولت مند آدمی تھے، ایک اچھے اور بڑے کاروبار و تجارت کے مالک تھے، اس سے خاصا نفع ہوتا جو فقہاء و محدثین پر خرچ کر دیتے۔ (حیات امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ص: 160)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی حکمرانوں کے ہاتھوں ستائے گئے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ان سے بھی زیادہ آزمائشوں کی بھٹی میں ڈالے گئے مگر ان اماموں پر آفرین ہے کہ وقت کا جبر انہیں حق سے ذرا منحرف نہ کر سکا۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر رحم فرمائے۔ آمین۔

خلفائے راشدین کی سادگی:

ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم لباس میں سادگی اس لئے رکھتے تھے کہ:

1 اکثر جو مال آتا وہ فقراء اور مساکین اور دینی کاموں پر خرچ کر ڈالتے تھے، اپنے لئے فکر نہ رکھتے تھے کہ عمدہ لباس پہنیں۔

2 دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ امت مسلمہ کے راہنما تھے، سچے خلفائے رسول تھے۔ اس لئے سادہ اور سستی پوشاک رکھتے تا کہ ان کے سرکاری نمائندے اور گورنر سادہ رہیں۔ عوام الناس پر ان کا مالی حیثیت سے رعب نہ پڑے۔ (تفسیر معارف القرآن: 13/550)

3 عمر رضی اللہ عنہ نے قومی خطاب میں فرمایا میرے لئے بیت المال سے صرف کپڑوں کا ایک جوڑا گرمی کے لئے اور ایک جوڑا جاڑے کے لئے جائز ہے۔ (خلافت وملوکیت از سید مودودی: 89)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کھانے پینے کے آداب

ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ جس موضوع پر قلم اٹھائے یا گفتگو کرے تو سب سے پہلے کتابِ الٰہی میں ہدایات دیکھے، پھر سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر بذریعہ مستند روایات نگاہ ڈالے، پھر خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کی تلاش کرے کیونکہ یہی صحابہ دراصل ساری امت سے پہلے چشمہ نبوت سے براہ راست سیراب ہوئے اور انہوں نے علم نبوت باقی امت کو منتقل کیا۔ ان پاکباز نفوس کے بعد ائمہ دین اور حکمائے امت کی فقاہت وحکمت سے کسبِ فیض کرے۔ یعنی کلام اللہ، کلام نبوت، کلام صحابہ اور کلام ائمہ کے مراتب کا پورا لحاظ رکھا جائے۔ سب کو خلط ملط نہ کیا جائے۔ اسی ترتیب وادب میں ہماری فلاح ہے۔ شان باری تعالیٰ پر شانِ نبوت کو غالب نہ کیا جائے۔ شان نبوت پر شانِ صحابہ کو غالب نہ کریں۔ شانِ صحابہ پر شانِ ائمہ کو نہ بڑھایا جائے۔ بے ترتیبی سوئے ادب اور خطرۂ ایمان ہے۔

فرمان الٰہی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (البقرہ، 172)

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! اگر تم حقیقت میں اللہ کی بندگی کرنے والے ہو تو جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں بخشی ہیں، انہیں بے تکلف کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو۔"

تشریح:

یعنی اگر تم ایمان لا کر صرف خدائی قانون کے پیرو بن چکے ہو جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے تو پھر وہ ساری چھوت چھات اور زمانۂ جاہلیت کی بندشیں اور پابندیاں توڑ ڈالو جو پنڈتوں، پروہتوں، رِبّیوں، پادریوں، جوگیوں، راہبوں اور تمہارے باپ دادا نے قائم کی

تھیں۔ جو کچھ اللہ نے حرام کیا ہے اس سے تو ضرور بچو، مگر جن چیزوں کو اللہ نے حلال کیا ہے انہیں بغیر کسی کراہت اور رکاوٹ کے کھاؤ پیو۔ اسی مضمون کی طرف نبی ﷺ کی وہ حدیث بھی اشارہ کرتی ہے۔

جس میں آپ ﷺ نے فرمایا۔

مَنْ صَلّٰی صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَ اَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ

''یعنی جس نے وہی نماز پڑھی جو ہم پڑھتے ہیں، اور اسی قبلے کی طرف رخ کیا جس کی طرف ہم رخ کرتے ہیں، اور ہمارے ذبیحے کو کھایا، وہ مسلمان ہے۔'' (صحیح بخاری، حدیث، 391)

مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھنے اور قبلے کی طرف رخ کرنے کے باوجود ایک شخص اس وقت تک اسلام میں پوری طرح جذب نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ کھانے پینے کے معاملے میں پچھلی جاہلیت کی پابندیوں کو توڑ نہ دے اور ان توہمات کی بندشوں سے آزاد نہ ہو جائے جو اہل جاہلیت نے قائم کر رکھی تھیں۔ کیونکہ اس کا ان پابندیوں پر قائم رہنا اس بات کی علامت ہے کہ ابھی تک اس کے رگ و پے میں جاہلیت کا زہر موجود ہے۔ (تفہیم القرآن، جلد اول)

☐ ''طَيِّبَاتِ'' پاک چیزیں، دوسرا ترجمہ لذیذ چیزیں بھی ہوسکتا ہے۔ اللہ اپنے پرستاروں کو اپنی نعمتوں سے لذت گیر ہونے کی دعوت دے رہا ہے۔ مطلق صورت میں ان پر کوئی قدغن عائد نہیں کر رہا ہے۔ اسلام کا مزاج خشک راہبانہ یا جوگیانہ نہیں بلکہ دوسرے مذہبوں سے کسی درجہ مختلف ہے۔

☐ ''کُلوا'' کے معنی یہاں صرف کھانے تک محدود نہیں بلکہ ہر قسم کا جائز انتفاع اس میں آ گیا ہے۔ قرآن کھانے والی چیزوں پر دو (2) شرطیں لگاتا ہے۔

1. ''حلال'' جو غذائیں بجائے خود حلال ہیں۔
2. ''طیب'' جو حلال اور جائز ذرائع سے آئی ہوں، ان پر غیر کا حق نہ ہو، مثلاً بیع فاسد نہ ہو، اجرت فاسد نہ ہو وغیرہ۔ اسلام راہبوں، سنیاسیوں، ترک لذات کرنے والوں کا مذہب نہیں بلکہ لذیذ و ذائقہ دار چیزوں کو قرآن سراہتا ہے۔

□ ’’وَاشْکُرُوا اللہ‘‘ اللہ کا شکر ادا کرتے رہو، زبان سے بھی عمل سے بھی، یعنی ان نعمتوں کی قدر کرو، ان کے حق ادا کرو، بخل سے کام نہ لو، انہیں ناجائز مقام پر استعمال نہ کرو۔ (تفسیر ماجدی، جلد اول)

اقوام عالم کھانے پینے کے معاملہ میں افراط وتفریط کا شکار ہیں

1 افراط والوں نے کوئی چیز نہ چھوڑی، حتیٰ کہ مردار، کیڑے مکوڑے، شراب، سور، سود اور زنا کی کمائی کھا گئے۔

2 تفریط کے ماروں نے صدہا پاک چیزیں بھی اپنے اوپر حرام کر ڈالیں جیسے گوشت، عمدہ کھانے، سرد پانی، اچھا کپڑا، بیوی کے پاس جانا وغیرہ۔

اسلام نے فطرت کے مطابق میانہ روی بتائی، افراط وتفریط دونوں کو رد کر دیا۔ حلال و طیب کو استعمال کرنے کا حکم دیا، نیز فرمایا: ان نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے وقت تہ دل سے نعمتیں عطا کرنے والے کا شکر کرتے رہو، یہ تمہاری عبادت بن جائے گی۔ (تفسیر حقانی، 19/3)

□ حافظ محمد لکھوی رحمہ اللہ نے پنجابی زبان میں پورے قرآن کریم کی منظوم تفسیر سات جلدوں میں کی ہے۔ اسی آیت کی تشریح کرتے ہوئے حدیث قدسی لائے ہیں، اللہ فرماتا ہے۔

معاملہ میرا نال جناں انسانا عجب سنائیں
میں پیدا کراں تنہاں اوہ احمق پوجن غیراں تائیں
میں رزق دیواں دن رات ہمیشہ جناں بھی انساناں
اوہ شکر گزاری غیراں دی کر دے الٹی سمجھ نادانا

(تفسیر محمدی جلد اول)

حدیث مذکور کے الفاظ یہ ہیں: بقول اللہ کے:

اِنِّیْ وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ فِیْ نَبَأٍ عَظِیْمٍ، اَخْلُقُ وَ یُعْبَدُ غَیْرِیْ وَاَرْزُقُ وَ یُشْکَرُ غَیْرِیْ

میں پیدا کرتا ہوں، عبادت غیر کی کرتے ہیں۔ میں رزق دیتا ہوں، شکر غیروں کا بجا لاتے ہیں۔‘‘ (الکشاف، اول)

- حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نجات تین (30) چیزوں پر منحصر ہے:

1. حلال کھانا
2. فرائض ادا کرنا
3. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کا اتباع کرنا۔

"طیب" پاکیزہ چیز جس میں شرعی حلال ہونا بھی داخل ہے، اور طبعی مرغوب ہونا بھی۔ (معارف القرآن، جلد 1، مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ)

- آج کی ترقی یافتہ دنیا میں کھانے اور استعمال کی چیزوں میں صفائی کا اہتمام کیا جانے لگا ہے۔ لیکن حرام وحلال میں تمیز اب بھی نہیں۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو دونوں باتوں کے اہتمام کا حکم دیا ہے، یعنی ظاہری طور پر بھی غلیظ اور گندی نہ ہوں، تاکہ جسمانی صحت پر برا اثر نہ پڑے، اور باطنی طور پر بھی نجس اور پلید نہ ہوں تاکہ ضمیر انسانی دم نہ توڑ دے۔

ظاہری صفائی کو قرآن نے "طیب" کے لفظ سے اور حقیقی پاکیزگی کو "حلال" کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ حرام جانور، مردار، شراب، چوری، جوا، خواہ وہ کلبوں میں ہو، رشوت، سود، کسی کی کمزوری، مجبوری اور ناداری سے ناجائز فائدہ اٹھانا، بلیک مارکیٹنگ، یہ سب حرام ذرائع ہیں جن سے ہر مسلمان کو اجتناب کرنا ضروری ہے۔ (ضیاء القرآن، جلد اول)

- مسلمانوں کو خلافت ارضی حاصل کرنا ہے۔ اس لئے انہیں صرف ان چیزوں کا استعمال کرنا چاہئے جن کی طہارت و پاکیزگی کا انہیں یقین ہو، جن کو ناجائز ذرائع سے حاصل نہ کیا گیا ہو اور جن اشیاء کی قانون الٰہی نے اجازت دے دی ہو۔ اس مقصد عظیم کے کسب وحصول کیلئے ضرورت ہوگی بہترین دل و دماغ کی اور یہ تروتازگی نہیں پیدا ہو سکتی جب تک عمدہ اور پاکیزہ چیزیں استعمال میں نہ ہوں۔ پس دنیا کی ہر چیز ایک مسلمان ہی کیلئے پیدا کی گئی ہے کہ وہ کھائے اور حکومت کیلئے تیار ہو۔ البتہ ان چیزوں سے پرہیز لازم ہے جو روحانی وجسمانی صحت کیلئے مضر ہوں، جن سے جذبات خبیثہ اور اخلاق فاسقہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو اور جن سے ارادوں میں ضعف وکمزوری آ جائے۔ یہ خصوصیات صرف اور صرف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کو حاصل ہیں کہ اس سے انسانی ارادے میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ سعد

بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے مستجاب الدعوات بنا دے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''لقمہ حلال کو لازم پکڑ لو، خود بخود مستجاب الدعوات ہو جاؤ گے۔'' یہ ہے اسلام میں اکل حلال کی اہمیت۔ (تفسیر عروۃ الوثقی، جلد اول)

☐ منجملہ عالمگیر گمراہیوں کے، ایک بنیادی گمراہی یہ تھی کہ کھانے پینے کے بارے میں طرح طرح کی بے اصل پابندیاں لگائی گئی تھیں، اور دینداری کی سب سے بڑی بات یہ سمجھی جاتی تھی کہ انسان کھانے پینے میں سب سے زیادہ توہم پرست ہو۔ ظاہر ہے کہ جس جماعت کی ذہنیت ایسی توہم پرستانہ پابندیوں میں جکڑی ہوئی ہو، وہ کبھی آزادی کے ساتھ ترقی و وسعت کا قدم نہیں اٹھا سکتی۔ (تفسیر ترجمان القرآن، از مولانا آزاد، جلد 1)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَالْطَّيِّبُ فِي الْأَصْلِ هُوَ مَا يُسْتَلَذُّ بِهٖ وَ يُسْتَطَابُ وَ وُصِفَ بِهِ الطَّاهِرُ وَالْحَلَالُ عَلٰى جِهَةِ التَّشْبِيْهِ، لِاَنَّ النَّجِسَ تَكْرَهُهُ النَّفْسُ فَلَا تُسْتَلَذُّهُ، وَالْحَرَامُ غَيْرُ مُسْتَلَذٍ

''طیب دراصل وہ ہے جس سے لذت اور شیرینی حاصل ہو۔ اس کی صفت طاہر بیان کی گئی اور حلال سے تشبیہ دی گئی ہے۔ حرام لذیذ نہیں ہے بلکہ وہ نجاست ہے جس سے طبیعت نفرت کرتی ہے۔'' (رازی جلد 5)

تشریح:

اس کو آپ کھلے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ جس مسلمان کی حِس و ذکاوت زندہ ہے، ایمانی قوت سے وہ باآسانی طیب و خبیث اور حلال و حرام میں تمیز کر سکتا ہے۔ لیکن جس کی ایمانی حِس مر جائے، اسے حرام سے بدبو نہیں آتی جیسے بدبودار کھانے یا پاخانے سے آتی ہے۔ رشوت کھانے والا۔۔۔ گندے گٹر سے گندگی کھا رہا ہے کیونکہ اس کے ایمان کی قوت شامہ مر چکی ہے۔ شراب پینے والا دراصل کموڈ سے پیشاب پی رہا ہے۔ کیونکہ وہ حس مر چکی ہے جو طیب و خبیث کو جان سکے۔ سود اور چوری کا مال کھانے والا دراصل ٹائلٹ سے پاخانہ نکال کے کھا رہا ہے کیونکہ وہ خوشبو اور بدبو سونگھنے کی صلاحیت ہی سے محروم ہو چکا ہے۔ ورنہ

مسلمان کی ایمانی حس، ان بدبودار پیسوں اور کھانوں سے نفرت کر کے دور بھاگ جائے اور یوں سمجھے کہ یہ مردار اونٹ پڑا ہے جس کے جسم میں کیڑے پڑ چکے ہیں اور دور دور تک اس کی بو سے ناک میں دم گھٹ رہا ہے۔

- علامہ آلوسی رحمہ اللہ آیت

''يَاأَيُّهَاالنَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالاً''

کا پس منظر یہ لکھتے ہیں۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے یہودی مذہب سے آئے ہوئے ساتھیوں نے کہا۔ ہم اونٹ کا گوشت نہیں کھائیں گے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ''لوگو! زمین میں جو کچھ حلال ہے، اسے کھاؤ'' ان لوگوں نے اونٹ کھانے سے گریز اس لئے کیا کہ دین یہود میں یہ حرام ہے۔

- ثقیف، بنوعامر، خزاعہ، بنومدلج وغیرہ قبائل نے کھجور اور پنیر کو اپنے اوپر حرام قرار دے دیا، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی، جلد، 2)

- نواب صدیق خان رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ اہل ایمان سے اللہ کا فرمان ہے:

''كُلُوا'' کھاؤ، اس سے مراد کھانے کی مختلف قسمیں ہیں، یعنی بعض دفعہ جان بچانا اور جسمانی نقصان سے بچنا ہو تو کھانا ضروری ہو جاتا ہے۔ کبھی مہمان کے ساتھ کھانا پڑے تو مستحب ہوتا ہے۔ کبھی عام حالات میں صرف مباح (جائز) ہوتا ہے۔

''وَاشْكُرُوا'' اور شکر کرتے رہو۔ یہ صیغہ امر وجوب کیلئے ہے، یعنی اللہ کا شکر ادا کرنا اور نعمتوں کو یاد کرنا ضروری ہے۔ (تفسیر فتح البیان، جلد، 1)

آداب طعام

حلال وحرام کی تمہیدی بات کے بعد، اب اصل موضوع کو ہم لیتے ہیں۔ اس سلسلے میں تفصیلی ہدایات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمیں ملتی ہیں۔ قرآن کریم بنیادی اصول بتاتا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی تشریح فرماتے ہیں۔

- پہلی بات، کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا مستحب ہے۔ اسی طرح کھانے کے بعد دھونا باعث برکت ہے۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ میں نے کھانے سے پہلے اور بعد

میں ہاتھ دھونے کے بارے میں تورات میں پڑھا تھا اور رسول اکرم ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''کھانے سے پہلے اور بعد میں دھونا باعث برکت ہے۔''

کھانے کیلئے ہاتھ دھونا مستحب ہے۔ مستحب کا معنی ہے پسندیدہ۔ بعض لوگ مستحب، سنت، واجب، اور فرض میں تمیز نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی ہاتھ نہ دھوئے تو اس پر فتویٰ جڑ دیتے ہیں۔ جیسے کسی نے فرض چھوڑ دیا ہو، حالانکہ یہ ان کی اپنی کم علمی ہے کہ مستحب کو فرض بنا بیٹھے، لہٰذا کھانے کے وقت کوئی ہاتھ دھوئے تو اچھی بات ہے، نہ دھوئے تو گناہ نہیں ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اسی لئے سختی کرنے والوں کو کہتے ہیں کہ یہ فعل یہود ہے اور سلمان رضی اللہ عنہ کی روایت ضعیف ہے۔

- ❏ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ ''کھانے کو ٹھنڈا ہونے دو کیونکہ گرم کھانے میں برکت نہیں ہے۔'' پھر فرمایا: کھانے کو ناک سے مت سونگھو، یہ جانوروں کا عمل ہے۔'' دوسری روایت میں ہے۔ ''کھانے کو درندوں کی طرح نہ سونگھو، نہ کھانے اور پینے میں پھونک مارو کیونکہ یہ سوءادب ہے۔''

- ❏ نبی اکرم ﷺ نے برتن میں پھونکنے اور برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا۔ نبوت کا کمال دیکھیں، جس زمانے میں یہ ارشاد ہوا، اس زمانے میں نہ سائنسی دنیا کے تجربات تھے، نہ انسان آکسیجن (Oxygen) اور کاربن ڈائی آکسائیڈ گیسوں (Corbon-Dioxide) سے واقف تھا۔ آج صدیوں بعد سائنس دان بتا رہے ہیں کہ انسان جو ہوا اپنے اندر کھینچتا ہے وہ زندگی کیلئے ضروری اور مفید ہے اور جو گیس اپنے اندر سے باہر نکالتا ہے وہ اس کیلئے نقصان دہ ہے۔ ایمان والے اسی لئے کہتے ہیں، جہاں سائنس کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے دنیا بھر کے سائنس دان اور فلسفی نبی ﷺ کی تعلیمات کے محتاج ہیں اور رہیں گے، لہٰذا فرمان پیغمبر ﷺ کے مطابق کھانے پینے کی چیزوں میں پھونک نہ ماریں، وہ گندے جراثیم ہیں جو کاربن ڈائی آکسائیڈ کی شکل میں ہیں۔ تعلیمات نبوی ﷺ انسان کے جسم اور روح کی محافظ ہیں۔

- ❏ نبی ﷺ نے فرمایا! ''جب تم کھانا شروع کرو تو اللہ کا نام لیا کرو (بسم اللہ پڑھو)

اپنے اپنے سامنے سے کھاؤ، (دوسروں کے آگے جا کر ہاتھ نہ مارو) اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ، کھانے کی چوٹی اور درمیان سے نہ کھاؤ کیونکہ چوٹی پر برکت نازل ہو رہی ہوتی ہے۔ بائیں ہاتھ سے نہ کھاؤ نہ پیو، کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے۔ جب کھانا رکھا جائے تو جلدی نہ اٹھ جاؤ۔ کھانے میں دوسروں کو شریک کر لیا کرو، تمہیں برکت نصیب ہوگی۔" بسم اللہ بلند آواز میں پڑھیں تاکہ آپ کی اولاد کو تلقین ہو، وہ بھی اس کے عادی بن جائیں۔ جس رازق نے رزق دیا ہے، اس کا نام جپتے ہوئے کھانا کھائیں۔ یہ حسن ادب ہے۔ صرف اپنے سامنے والا کھانا لیں، سارے برتن میں ہاتھ پھیرنا خلاف ادب ہے۔ دائیں ہاتھ سے کھانا ادب ہے۔ بائیں سے کھانا خلاف ادب ہے۔ کیونکہ بایاں ہاتھ گندگی صاف کرنے کیلئے اور استنجاء کرنے کیلئے ہے۔ کھانے کی چوٹی سے پہلے نہ لیں، یہ بھی ادب کے خلاف ہے، یہ سلیقہ طعام نہیں ہے۔ کھانے کے برتن اٹھا لئے جائیں تب اٹھیں، کہیں کھانے پینے کی اشیاء کو ٹھوکر نہ لگ جائے اور وہ گرتی پھریں، یہ بھی ادب کی بات ہے۔ مل جل کر کھانے میں برکت ہے۔ مسلمان کا جوٹھا کھانا سنت نبوی ﷺ ہے۔ برہمنوں یا انگریزوں کی طرح خودغرض و تنہا پسند نہ بن جائیں۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو شیر و شکر دیکھنا چاہتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! "شروع میں "بِسْمِ اللّٰهِ" کہنا بھول جائے تو درمیان میں جب یاد آئے، یوں کہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَ آخِرَهٗ۔ اللہ کے نام کے ساتھ شروع میں اور آخر میں۔"

☐ نبی ﷺ نے اشجع قبیلے کا ایک آدمی دیکھا جو بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا آپ ﷺ نے فرمایا۔ "دائیں ہاتھ سے کھا، اس نے غرور سے کہا۔ میں نہیں کھا سکتا۔ آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا، اس نے پھر تکبر سے انکار کیا۔ تیسری بار آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو آئندہ کبھی دائیں ہاتھ سے نہ کھا سکے گا، پھر زندگی بھر وہ اپنا دایاں ہاتھ منہ تک نہ اٹھا سکا کیونکہ غرور اللہ کو بالکل پسند نہیں ہے اور مسلمان ہو کر پیغمبر ﷺ کے فرمان کو دیدہ دلیری سے ٹھکرانا اپنی تباہی کو آواز دینا ہے۔

☐ آپ ﷺ نے فرمایا! "اللہ اور اس کے فرشتے ان لوگوں پر رحمت و برکت، اور دعائیں مانگتے ہیں جو کھانے میں اپنی انگلیاں چاٹتے ہیں۔" یعنی انگلیوں سے کھانا سنت

اور افضل ہوا۔ چمچ سے کھانا جائز ہوا۔

- آپ ﷺ نے فرمایا! ''کھانے کے بعد، پہلے انگلیاں چاٹ لیں، پھر رومال سے صاف کرلیں۔'' یعنی چاٹے بغیر انگلیاں رومال سے صاف کرنا دانائی نہیں، نہ ادب ہی کی بات ہے بلکہ نادان بچوں کا فعل ہے جو گندے ہاتھ اپنے دامن پر مل لیتے ہیں۔

- عبداللہ بن یزید کہتے ہیں! میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ کھانے سے فارغ ہوکر اپنی تینوں انگلیاں چاٹ رہے تھے، یعنی کھانے کیلئے تین انگلیاں استعمال کرنی چاہئیں۔ انگوٹھا، شہادت کی انگلی اور اس کے ساتھ والی لمبی انگلی۔

- کنز العمال میں یہ روایت بھی ہے۔ ایک انگلی سے کھانا، شیطان کا کام ہے۔ دو انگلیوں سے کھانا ظالم اور مغرور لوگوں کا شیوہ ہے۔ تین (3) انگلیوں سے کھانا انبیائے کرام علیہم السلام کا سلیقہ ہے۔ (کنز العمال، جلد 15)

- نبی ﷺ نے فرمایا! ''زمین پر لقمہ گر جائے تو جو اسے اٹھا کر کھائے، اس کے رزق میں وسعت اور فراخی رہے گی۔ یہ اس کے اپنے حق میں بھی فراخی رزق ہے، اس کی اولاد کے حق میں بھی فراخی ہوگی حتیٰ کہ اس کی اولاد کی اولاد کو بھی یہ فراخی نصیب ہوگی۔''

- نبی ﷺ نے فرمایا! جب لقمہ ہاتھ سے گرے تو اسے اٹھا، اس کو صاف کر، اسے کھالے، اسے شیطان کیلئے نہ رہنے دے۔''

- سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اپنے خادم کے ہمراہ بغداد گئے، کھانا کھاتے وقت لقمہ زمین پر گرا، سلمان رضی اللہ عنہ اٹھا کر کھانے لگے تو خادم نے کہا۔ حضرت! یہ تہذیب وتمدن کے لوگ ہیں یہاں ایسا نہ کریں۔ سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا، کیا میں ان احمقوں کی خاطر اپنے نبی ﷺ کی سنت چھوڑ دوں؟ لہٰذا دنیاداروں کی تہذیب وتمدن اور کلچر سنت پیغمبر ﷺ کے مقابلے میں ہیچ ہے، اس کی کوئی قدر وقیمت نہیں۔

- نبی ﷺ نے فرمایا! ''کھانے میں چار (4) چیزیں ہوں تو کمال تک پہنچا ہوا کھانا ہے۔

1. حلال کا ہو۔

2 بسم اللہ سے شروع ہو۔

3 مل جل کر کھارہے ہوں۔

4 فارغ ہوکر اللہ کا شکر ادا ہو۔

الحمدللہ بلند آواز سے نہ کہے، کہیں ساتھی سن کر کھانا چھوڑ بیٹھیں، شرماتے ہوئے رک جائیں اور بھوکے رہ جائیں۔

- آپ ﷺ نے فرمایا! ''آدم کے بیٹے کو چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھیں، اگر زیادہ کی حسرت ہو تو ایک حصہ کھانا، دوسرا حصہ پانی اور تیسرا حصہ خالی سانس کیلئے چھوڑ دیں۔'' یعنی پیٹ میں تین حصے تصور کر کے کھائیں تاکہ کھانا آسانی سے ہضم ہو اور سانس بھی آسانی سے آئے۔ ورنہ پیٹ بھر کر کھانے سے معدے پر زیادہ بوجھ ہوگا، جلد ہضم نہ ہوگا اور سانس لینا دشوار ہوگا۔

آپ ﷺ نے فرمایا!

خَفِّفُوْا بُطُوْنَكُمْ وَظُهُوْرَكُمْ لِقِيَامِ الصَّلَاةِ (کنزل العمال)

اپنے پیٹ اور کولہے ہلکے رکھو، نماز میں قیام کیلئے، یعنی پھولے ہوئے پیٹ اور بوجھل کولہے، عبادت سے بیزار کرتے ہیں اور اٹھنے بیٹھنے میں بہت مشقت ہوتی ہے۔

- نبی اکرم ﷺ کا اپنا پیٹ مبارک ابھرا ہوا نہ تھا بلکہ پیٹ اور سینہ برابر تھے۔
- آپ ﷺ نے فرمایا! ''ہر بیماری زیادہ کھانے سے ہوتی ہے اور ہر علاج کم کھانے سے ہوتا ہے۔''
- آپ ﷺ نے فرمایا! ''میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔'' (بخاری)

ملا علی القاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں! ٹیک لگا کر کھانے سے کسی ایک جانب ٹیک ہو یا پیچھے کی طرف، اس سے کھانا فطری طور پر تیزی سے معدہ تک نہیں پہنچتا، نہ غذا کیلئے معدے کا منہ پوری طرح کھلتا ہے۔ چار زانو (چوکڑی مارنا) ہوکر کھانا ضرورت سے زیادہ کھایا جاتا ہے، یہ بھی شریعت میں پسندیدہ نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس طرز پر کھانے سے، کبر و غرور پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا! میں غلام کی طرح کھاتا

ہوں اور غلام کی طرح بیٹھتا ہوں۔"

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بایاں گھٹنا زمین پر ٹیک لیتے، اسی پر پیٹ ہوتا، اس حالت میں کھانا تناول فرماتے، اس میں تواضع ہے، اللہ کے سامنے ادب ہے۔ کھاتے وقت یہ ہیئت اختیار کرنے سے زیادہ فائدہ اور افضل ہے کیونکہ سارے اعضاء طبعی کیفیت پر ہوتے ہیں جیسے اللہ نے انہیں بنایا ہے۔ (مرقاۃ ہشتم)

☐ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! کھانا ٹھنڈا کر کے کھاؤ، گرم کھانے میں برکت نہیں ہے۔" (کنزل العمال)

یعنی اس حکم کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فریج میں خوب ٹھنڈا کر کے کھاؤ۔ مقصد یہ ہے کہ زیادہ گرم کھانے سے ہونٹ جلیں گے، منہ اور زبان جل جائیں گے، گلا خراب ہو جائے گا (معدہ بھی خراب ہو جاتا ہے) اس فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تین (3) فائدے ہوئے۔

1. منہ اور گلا نہ جلنے پائے۔
2. کھانے پر صبر وتحمل کا مظاہرہ کہ کھانا دیکھتے ہی بے صبرے ہو کر ٹوٹ نہ پڑیں۔
3. تیسری چیز برکت ہے جو اللہ کی طرف سے نصیب ہوتی ہے۔

ایک اور روایت میں چوتھی چیز ذکر ہوئی کہ ٹھنڈا کر کے کھانا طبیعت کو خوشگوار لگتا ہے اور اس سے لطف آتا ہے۔ ٹھنڈا کرنے سے مراد ہلکا گرم ہے۔

☐ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! "جب کھانا کھانے لگو تو جوتے اتار لیا کرو کیونکہ اس سے تمہارے قدموں کو راحت ملتی ہے۔ یہ حکم فوج اور پولیس کے سپاہیوں یا مجاہدین کیلئے نہیں ہے، جن کے جوتے تسموں کے ساتھ مضبوط بندھے ہوتے، جنہیں اتارنا تکلیف مالا یطاق ہے، بلکہ یہ عام حکم ہے۔ اس لئے کوشش کرنی چاہئے کہ نمازی آدمی، جسے دن اور رات میں پانچ بار وضو کرنا اور مسجد جا کر نماز ادا کرنا ہے، وہ بغیر تسموں کے جوتے پہننے کی عادت ڈالیں ورنہ ہر دفعہ تسموں کو کھولنا اور بند کرنا بہت مشقت ہے۔

☐ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! "جو آدمی کھانے والا ہاتھ دھوئے بغیر سو جائے، وہ نقصان ہونے پر کسی کو برا نہ کہے بلکہ اپنے آپ کو ہی ملامت کرے" یعنی سالن یا چکنائی ہاتھ کو لگی رہ گئی

اور سوتے میں کوئی موذی کیڑا وغیرا کاٹ کھائے تو قصور کیڑے کا ہوگا یا ہاتھ دھوئے بغیر سونے والے کا؟ اس لئے کھانے کے بعد لتھڑے ہوئے ہاتھ کو دھونا ضروری ہوا۔ نبی ﷺ امتیوں کو ہر طرح کے جسمانی، روحانی، دنیاوی اور اخروی نقصانات سے بچاتے ہیں۔

- آپ ﷺ نے فرمایا! ''روٹی کا احترام کرو، اللہ نے اسے عزت بخشی ہے'' لہٰذا کھانے کی چیزوں کی بے ادبی نہیں کرنی چاہیے۔
- آپ ﷺ نے فرمایا! ''کھانا کھاتے وقت اپنے ساتھی کے لقمے پر نظریں گاڑ کر نہ رکھو۔'' دیدے پھاڑ کر دوسرے کے لقمے دیکھنا، خلاف ادب بھی ہے اور کھانے والا شرما جائے گا، لہٰذا نگاہیں جھکا کر اپنا اپنا کھانا کھاتے جائیں۔ یہی خوبصورت بات ہے۔
- آپ ﷺ نے فرمایا! ''جب تم گوشت پکاؤ تو پانی ڈال کر شوربا بنا لو، اگر کسی کو بوٹی نہیں ملے گی اسے شوربا تو مل جائے گا بلکہ اپنے ہمسائے کو بھی دیں۔''

یعنی شوربے والا سالن بابرکت ہے۔ اس سے زیادہ افراد فائدہ اٹھا سکتے ہیں البتہ اگر گوشت وافر ہو تو بھنا ہوا گوشت جائز ہے جب کہ کوئی محروم نہ رہ جائے۔

سونے چاندی کے برتن

- نبی ﷺ نے سونے چاندی کے برتن میں کھانے سے منع فرمایا اور دوسری روایت میں ہے! ''اور جو کوئی چاندی اور سونے کے برتن میں کھاتا پیتا ہے، وہ حقیقت میں اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ بھر رہا ہے۔''

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں!

بَلْ ذَكَرُوْا لِلنَّهْيِ عِدَّةَ عِلَلٍ

''ان برتنوں سے منع کرنے کی کئی وجوہ ذکر ہوئی ہیں۔''

1. مِنْهَا مَافِيْهِ مِنْ كَسْرِ قُلُوْبِ الْفُقَرَاءِ

''صاحب حیثیت لوگ اگر ان برتنوں میں کھائیں پئیں گے تو قوم کے غریب لوگ دل شکستہ ہوں گے۔''

2 ''اَوْ مِنَ الْخُيَلَاءِ وَاسْرَافٍ''

''یا تکبر اور فضول خرچی کا مظاہرہ ہوگا۔''

غرور و تکبر اللہ کو پسند نہیں ہے اور قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں۔

3 ''وَ مِنْ تَضْيِيقِ النَّقْدَيْنِ''

تیسری وجہ کہ سونے چاندی سے جو گردش زر ہوتی ہے اگر اسے برتن بنا کے رکھے تو یہ دونوں قیمتی دھاتیں ارتکاز دولت کا سبب بن جائیں گی۔ دولت کی ملک وقوم میں گردش کم پڑ جائے گی اور عوام الناس محرومیوں کا شکار ہونگے تو افراتفری پھیلے گی۔ اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا!

''هُنَّ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا، وَ هُنَّ لَكُمْ فِي الْاٰخِرَةِ''

''سونے چاندی کے برتن دنیا میں ان کفار کیلئے ہیں، اور تمہارے لئے آخرت میں ہیں۔''

دنیا دارالامتحان ہے کہ یہاں ہر سطح پر انسان آزمائش میں ہے لیکن آخرت، یعنی جنت، وہ آرام وراحت کا مقام ہے جہاں ایک دوسرے کے خلاف ابھرنے والے جذبات ختم کر دیئے جائیں گے۔ وہاں طبقاتی کشمکش بالکل نہ ہوگی بلکہ ہر ایک کو اس کی خواہشات سے بڑھ کر نواز دیا جائے گا، پھر چھینا جھپٹی کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔

- نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانے اور پینے کے برتن میں پھونک مارنے سے منع فرمایا۔ دوسری روایت میں ہے کہ ''برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا۔'' پھونک مارنے سے برتن میں تھوک گرنے کا اندیشہ ہوتا ہے اور کبھی منہ کا ذائقہ بدلہ ہوا ہوتا ہے اور گندے جراثیم پھونک کے ساتھ برتن میں شامل ہو جاتے ہیں۔ آدمی بعض دفعہ کھانے یا مشروب کو ٹھنڈا کرنے کیلئے پھونک مارتا ہے، ذرا صبر سے کام لے اور ٹھنڈا ہونے دے یہ زیادہ بہتر ہے یا تنکا گر جائے تو پھونک نہ مارے تنکے کو بہا کر نکال دے۔

- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! ''اونٹ کی طرح ایک ہی سانس میں نہ پیو بلکہ دو تین سانس لے کر پیو۔'' دوسری روایت میں ہے کہ ''سانس لینے کیلئے برتن منہ سے ہٹا دو۔ سانس لینے کے

بعد دوبارہ پیو۔" یعنی اونٹ ایک ہی بار پیتا جاتا ہے اور برتن یا پانی میں سانس لیتا رہتا ہے۔ اس لئے فرمایا۔ "آپ برتن کے اندر سانس نہ لیں بلکہ برتن سے باہر سانس لیں۔" دو تین سانسوں میں پینے کی حکمت یہ ہے کہ خوشگواری طبع اور فطری سرور ملتا ہے اور سیرابی کے لئے بہترین طریقہ ہے۔ ہاں اگر کسی کو ایک دو گھونٹ پانی پینا ہے تو پھر تین سانس کی ضرورت نہیں ہے۔

☐ آپ ﷺ نے فرمایا! "بازاروں میں کھاتے پھرنا ادنی حرکت ہے۔"

یعنی ادب اور شرافت سے فروتر بات ہے، البتہ مجبوری کے عالم میں کھانا جائز ہے اور رخصت ہے، بالکل حرام نہیں ہے کیونکہ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ یہ روایت لائے ہیں۔

"عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كُنَّا نَأْكُلُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَ نَحْنُ نَمْشِيْ، وَ نَشْرَبُ وَ نَحْنُ قِيَامٌ (شرح السنۃ، 382/11)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں چلتے ہوئے کھاتے تھے اور کھڑے کھڑے پانی وغیرہ پی لیتے تھے یہ بھی ذکر ہوا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے کھڑے پی لیا کرتے تھے۔ (حوالہ مذکورہ)

لہٰذا بعض اوقات چیزیں افضل ہوتی ہیں اور بعض دفعہ جائز اور رخصت ہوتی ہے، یعنی کبھی ایسے ہوا، کبھی ویسے ہوا، چنانچہ جن لوگوں کی نظریں محدود ہوتی ہیں وہ سختی کر گزرتے ہیں اور جن کی نظر روایات کے سب پہلوؤں پر ہوتی ہے وہ تنگ نظری کا مظاہرہ نہیں کرتے۔

☐ آپ ﷺ نے فرمایا!

كُفَّ عَنَّا جُشَاءَكَ، اَكْثَرُهُمْ شِبَعًا فِي الدُّنْيَا اَطْوَلُهُمْ جُوْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ (ترمذی، صفۃ القیامۃ، حدیث 2478)

"ابو جحیفہ ایک شخص نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ رسول اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے اس نے زور دار ڈکار لی، آپ ﷺ نے فرمایا! "اپنی ڈکار ہم سے دور رکھ، اس لئے کہ بہت سے شکم سیر، قیامت کے دن لمبی بھوک کاٹیں گے۔"

زور سے ڈکار لینا شریعت میں ناپسندیدہ بات ہے۔ منع کرنے کا مطلب یہ تھا کہ

اتنا نہ کھاؤ کہ پھٹنے لگو، دوسرا یہ کہ کھاتے وقت غریبوں کا بھی خیال رکھو، کبھی کبھار شکم سیر ہونا جائز ہے، مگر عادت نہ بنائیں۔ شرح السنہ للبغوی میں۔ ''اَقْصِرْ مِنْ جُشَاءِ كَ''

''اپنی ڈکار کو کم کرو، ذکر ہوا ہے۔ اس کے حاشیہ نگار لکھتے ہیں۔''

يَرْتَقِي الْحَدِيْثُ اِلٰى دَرَجَةِ الْحَسَنِ''

''یہ حدیث حسن کے درجہ تک پہنچتی ہے۔''

اسی طرح علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ نے لکھا۔

رَوَاهُ الْبَزَّارُ بِاسْنَادَيْنِ رُوَاةُ اَحَدِ هِمَا ثِقَاتٌ۔

مزید ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا۔

فَمَا اَكَلَ اَبُوْ جُحَيْفَةَ مِلْ ءَ بَطْنِهٖ حَتّٰى فَارَقَ الدُّنْيَا، كَانَ اِذَا تَغَدّٰى لَا يَتَعشّٰى وَ اِذَ تَعَشّٰى لَا يَتَغَدّٰى۔

''رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ڈکار نا پسند فرمانے کے بعد ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہ کھایا حتی کہ اسی حال میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اگر صبح کھایا تو شام کو کھانے سے ناغہ کیا اگر شام کو کھایا تو صبح کو ناغہ کر لیا۔'' ایک اور روایت میں ہے! ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ خود بیان کرتے ہیں کہ گزشتہ تیس (30) برس سے میں نے شکم سیر ہو کر نہیں کھایا۔ (تحفہ الاحوزی، 154/7)

اسی لئے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''تم میں سے جو کم خور اور ہلکے بدن والے ہیں، وہ لوگ اللہ کے پسندیدہ بندے ہیں۔''

مٹی کا کھانا

□ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! ''جس نے مٹی کھائی گویا اس نے خودکشی کی۔'' دوسری روایت میں فرمایا۔

اَكْلُ الطِّيْنِ حَرَامٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ۔

''ہر مسلمان پر مٹی کھانا حرام ہے۔''

تیسری روایت میں فرمایا! جس نے جتنی مٹی کھائی تو جتنا اس کے خون اور بدن

میں کمی واقع ہوگی، اتنا اس کا حساب لیا جائے گا۔" (کنز العمال)

یعنی مٹی کھانا نگاہِ پیغمبر ﷺ میں گویا خودکشی کرنا ہے۔ خودکشی بذاتِ خود اسلام میں حرام ہے، پھر مٹی کھانے کے نقصانات کی طرف اشارہ دے دیا ہے کہ اس سے خون کی کمی واقع ہوتی ہے اور جسم کمزور پڑ جاتا ہے، حالانکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے،

اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَّاَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيْفِ

(صحیح مسلم کتاب القدر، حدیث 2664)

"مضبوط مومن اللہ کو کمزور مومن کی نسبت زیادہ بہتر اور محبوب ہے۔"

یعنی یہ مضبوطی بدنی اور ایمانی دونوں مطلوب ہیں، لہٰذا جو لوگ خاکِ شفا کے نام پر کربلا سے یا مدینہ شریف سے مٹی لا کر خود کھاتے یا دوسروں کو کھلاتے ہیں، وہ حرام کھاتے ہیں۔ انہیں اس سے بچنا چاہئے ورنہ اپنا جسمانی نقصان کریں گے، اور میدانِ حشر میں اس کا حساب دیں گے، اور نبی ﷺ کی نافرمانی کے مرتکب ہوں گے۔ اسی طرح وہ خواتین جو حمل کے دنوں میں باریک پتھریلے روڑے چباتی ہیں، وہ بھی گناہ کا ارتکاب کرتی ہیں، انہیں بھی اس حرام سے بچنا چاہئے۔

کھانے میں نقص نہ نکالیں

☐ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے!

مَاعَابَ النَّبِيُّ ﷺ طَعَامًا قَطُّ

"نبی ﷺ نے کبھی کھانے میں نقص نہ نکالا (گھر کا کھانا یا کسی دعوت میں)"

علامہ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ کھانے میں عیوب یہ ہیں۔

اَنْ يَّقُوْلَ هٰذَا مَالِحٌ، قَلِيْلُ الْمِلْحِ، حَامِضٌ، رَقِيْقٌ، غَلِيْظٌ، غَيْرُنَا ضِجٍ وَ نَحْوَ ذٰلِكَ

"کھانے میں نمک زیادہ ہے، نمک کم ہے، کھٹا اور ترش ہے، شوربا

پتلا ہے، گاڑھا ہے، کچا ہے وغیرہ۔''

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں! نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حرام کے قریب بھی نہ پھٹکتے تھے۔ باقی حلال کھانے میں تنقید نہ کرتے تھے۔ فَإِنَّ فِيهِ كَسْرَ قَلْبِ الصَّانِعِ۔ اس سے کھانا بنانے والے کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔ کھانے کے عیب ذکر نہ کرنا، یہ حسن ادب ہے۔ (فتح الباری کتاب الاطعمۃ)

سید مودودی رحمہ اللہ کی بیٹی سیدہ حمیرہ کا بیان ہے کہ جمعہ کے دن معمول تھا کہ ابا سب سے پہلے کھانا کھایا کرتے تھے۔ کھانا پکانے والی مائی نے کڑھی میں بھولے سے دو بار نمک ڈال دیا۔ ابا حسب عادت سب سے پہلے کھانا کھا کر نماز جمعہ پڑھنے چلے گئے۔ بعد میں ہم بچے کھانے لگے تو چیخ اٹھے، زیادہ نمک کی وجہ سے کڑھی کڑوی ہوگئی ہے۔ اب مائی ہمیں ڈانٹتیں کہ تمہاری عادتیں خراب ہوگئی ہیں، میاں جی بھی تو یہی کھا کر گئے ہیں۔ آخر جب امی کھانے لگیں تو پہلے ہی نوالے پر کہنے لگیں۔ کریم بی بی! یہ کیا غضب کر دیا، نمک تو بہت تیز ہوگیا، اب تو وہ بھی پریشان ہوگئی اور حیران بھی تھی کہ میاں جی تو چپ چاپ کھا کر چلے گئے جب امی نے ابا سے پوچھا تو کہنے لگے جب کوئی ہر روز اچھے سے اچھا کھانا پکا کر کھلاتا ہے، اس سے ایک دن غلطی ہو جائے تو کیا ہوا؟ (تذکرہ سید مودودی، 440/2)

یہ واقعہ اور مذکورہ حدیث، ہم جیسے کم ظرفوں کیلئے درس عبرت ہے جو معمولی معمولی بات پر کھانے میں نقص نکالتے ہیں، ناک منہ چڑھاتے ہیں بلکہ بعض کم بخت نمک کی کمی و بیشی پر اپنی بیویوں اور ملازموں کو مار پیٹ شروع کر دیتے ہیں جو سراسر اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ہے۔

(میدہ) باریک آٹے کی روٹی

1 حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

مَا أَكَلَ النَّبِيُّ خُبْزًا مُرَقَّقًا وَلَا شَاةً مَسْمُوطَةً حَتَّى لَقِيَ اللَّهَ'' (صحیح بخاری، حدیث، 5385)

''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی چپاتی میدہ کی نہیں کھائی اور نہ سموچی بکری، دم

پختہ کی ہوئی، یہاں تک کہ اللہ سے جا ملے۔"

2 دوسری روایت ہے کہ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا۔ کیا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی میدہ کھایا ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ اعلان نبوت سے لے کر دنیا سے رخصت ہونے تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدہ دیکھا تک نہیں۔ میں نے پوچھا! کیا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تمہارے پاس چھلنیاں تھیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان نبوت سے تا رخصت دنیا چھلنی دیکھی تک نہ تھی۔ میں نے سوال کیا! جب چھلنی نہ تھی تو جو کی روٹی کیسے کھاتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا، جو کو پیس کر، ہم منہ سے پھونکتے تھے، جو (موٹا بھوسہ) اڑ جاتا اور جو باقی رہ جاتا (آٹا اور باریک بھوسہ) اس کو گوندھ کر پکاتے اور کھاتے۔ (حوالہ مذکورہ)

☐ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے!

لَا تَنْخَلُوا الدَّقِيقَ، فَإِنَّهُ كُلُّهُ طَعَامٌ (شرح السنۃ، 292/11)

"آٹے کو مت چھانیں، یہی تو اصل کھانا ہے۔"

☐ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے ہر گورنر سے حلف لیتے کہ

1 ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا۔

2 باریک کپڑے نہ پہنے گا۔

3 چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔

4 دروازے پر دربان نہ رکھے گا۔

5 اہل حاجت کیلئے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔

یہ شرطیں اکثر پروانہ تقرر میں درج کی جاتی تھیں، اور ان کو مجمع عام میں پڑھ کر سنایا جاتا تھا۔ (الفاروق شبلی رحمۃ اللہ علیہ، حصہ دوم)

آجکل ڈاکٹر اور حکیم وطبیب لوگ عوام الناس کو یہی تلقین کرتے ہیں کہ ملوں (Mills) کا باریک بازاری آٹا استعمال نہ کریں جس سے سوجی اور چوکر نکال لیا جاتا ہے۔ یہ بے جان آٹا بیماریوں کا گھر ہے۔ اس لئے بھرپور گندم کا خالص آٹا (Whole Wheat) کھانے کی ترغیب دی جاتی ہے کیونکہ یہ زود ہضم اور طاقت بخش آٹا ہوتا ہے۔ بھوسہ نکلا ہوا آٹا نراز ہر ہے۔ جسے سفید آٹا سمجھ کر کھایا جاتا ہے۔ یہ شرعی لحاظ سے درست ہے نہ طبی لحاظ سے۔

فائدہ

گذشتہ حدیث میں ذکر ہوا تھا کہ کھانے پینے کے برتنوں میں پھونک مارنا یا برتن میں سانس لینا منع ہے۔لیکن یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہم پھونک مار کر آٹے سے بھوسہ اڑاتے تھے اور چھانتے نہ تھے۔ان دونوں کی تطبیق یہ ہوئی کہ خشک چیز پر ضرورت کے وقت پھونکنا درست ہے مگر جو چیز تروتازہ یا مائع کی شکل میں ہو اور کھانے کیلئے بالکل تیار ہو، اس پر پھونک نہ ماریں۔خشک چیز میں منہ سے اڑنے والے جراثیم اثر نہیں کرتے،البتہ تروتازہ یا مائع اشیاء پر ان جراثیم کا اثر فوری ہوتا ہے۔

مسجد میں کھانا پینا

❑ عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مسجد کے اندر روٹی اور گوشت کھاتے تھے۔ (شرح السنۃ)

یعنی مسجد میں کھانا جائز ہوا لیکن مسجد کے آداب واحترام میں کمی نہ آنے پائے۔شور و شغب نہ ہو اور کھانے پینے کی اشیاء مسجد میں بکھرنے نہ پائیں،یعنی صفائی ستھرائی کا پورا اہتمام ہو۔

نمک

❑ ”قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (سَيِّدُ إِدَامِكُمُ الْمِلْحُ)“

(سنن ابن ماجہ،حدیث 3315)

”رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا!تمہارے سالنوں کا سردار نمک ہے۔“

یعنی یہ کم تر مشقت سے حاصل ہونے والا اور قناعت سے قریب ترین ہے۔ممکن ہے کہ یہ سرداری نمک کو اس لئے حاصل ہے کہ اس کے بغیر زندگی بے کیف ہے۔روٹی، ہر سالن اور کھانا اس کے محتاج ہیں۔اس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے تنبیہ ہے کہ نمک دیکھنے میں معمولی چیز مگر اللہ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے۔جس کی حقیقت اور فضیلت سے اکثر لوگ بے خبر ہیں اور اس کا شکر نہیں کرتے۔معمولی سمجھ کر اسے نظر انداز کیا ہوا ہے۔(مرقاۃ 66/8)

نیک لوگوں کا کھانا

☐ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا!

(فَاَطْعِمُوْا طَعَامَكُمُ الْاَتْقِيَاءَ)

''اپنا کھانا پرہیز گاروں کو کھلاؤ۔'' (شعب الایمان للبیہقی)

یعنی متقی لوگوں کو کھلانا خاص کیوں کیا؟ اس لئے کہ کھانا جز و بدن بنے گا، اس سے بدن کو قوت حاصل ہوگی، جب جسم قوی ہوگا تو اطاعت و بندگی میں سرور آئے گا، کھانے والا آپ کو دل سے دعائیں دے گا، آپ کے حق میں اس کی دعا قبول ہوگی۔ (مرقاۃ کتاب الاطعمہ)

دوسری روایت میں یہ فرمان ہے!

''لَا تَاْكُلْ اِلَّا طَعَامَ تَقِيٍّ، وَلَا يَاْكُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِيٌّ''

''تجھے متقی آدمی سے کھانا چاہئے اور تیرا کھانا بھی متقی آدمی کھائے۔''

یعنی منافقوں اور کافروں کے ساتھ کھانا یا ان کی دعوت کرنا، یا ان کی دعوت میں جانا مناسب نہیں، اہل ایمان ایک دوسرے سے کھائیں اور کھلائیں۔

البتہ دعوتی نقطہ نظر سے یہ جذبہ لئے ہوئے کہ شاید کفار و منافقین کے سینے اسلام کیلئے کھل جائیں تو اپنے گھر بلانا اور کھلانا یا ان کی دعوت میں جانا جائز ہے، جیسا کہ مکہ مکرمہ کے مشرکین کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھر پر دعوت کھلائی اور پیغام حق پہنچایا۔ اسی طرح جنگ خیبر کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک یہودیہ عورت کی دعوت میں گئے جس نے کھانے میں زہر ملایا تھا۔ لیکن دلی دوستی اور محبت صرف اہل ایمان اور اہل تقویٰ سے ہونی چاہئے۔ غیر مسلموں سے راہ و رسم دعوت دین کے لئے برابر قائم رکھنے چاہئیں، تاکہ روابط کا دروازہ کھلا رہے، اور دین کی بات حکیمانہ انداز سے ہوتی رہے۔

ٹوٹے ہوئے برتن میں پینا

☐ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برتن کے ٹوٹے ہوئے مقام سے پینا منع فرمایا!

نَهٰى عَنِ الشُّرْبِ مِنْ ثُلْمَةِ الْقَدَحِ (سنن ابی داؤد، حدیث 3722)

اہل علم نے ٹوٹے ہوئے برتن سے پینے سے منع ہونے کی دو تین وجوہ ذکر کی ہیں۔

1 گلاس یا پیالی کا کنارہ ٹوٹا ہوا ہو تو پیتے وقت لب پوری طرح سے اپنی گرفت میں نہیں لے سکتے پانی خواہ مخواہ اس سے بہہ جائے گا اور دیکھنے میں سوءادب معلوم ہو گا۔

2 دوسری وجہ ٹوٹے ہوئے کنارے میں میل کچیل جم جاتا ہے، اس سے مہلک جراثیم پلتے ہیں، لہذا پینے والا ان موذی جراثیم کو بھی ساتھ ہی پیتا رہے گا۔

3 ٹوٹے ہوئے برتن کا کنارہ ہونٹوں کو زخمی کر سکتا ہے۔ ایک زخم کی تکلیف ہو گی، دوسرا زخم سے بہنے والا خون بھی ساتھ ہی پیا جائے گا جو کہ مستقل حرام چیز ہے۔ بایں وجوہ پینے کیلئے صحیح وسالم اور صاف ستھرا برتن استعمال کیا جائے۔

دانتوں کا خلال کرنا

☐ ''كَانَ ابْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہ يَأْمُرُ بِالْخَلَالِ، وَ يَقُوْلُ اِذَا تُرِكَ وَهَنَ الْاَضْرَاسُ''

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ خلال کرنیکا حکم دیتے تھے اور فرماتے تھے خلال نہ کرنے سے دانت کمزور ہو جاتے ہیں۔'' (تنبیہ الغافلین)

عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔

''وَلَا تَخَلَّلُوْا بِالْقَصَبِ فَاِنَّهٗ يُوْرِثُ الْاٰكِلَةَ''

''بانس اور نرکل سے دانتوں کا خلال نہ کرو کیونکہ اس سے مسوڑھوں کی بیماری پیدا ہوتی ہے۔'' (ایضاً)

☐ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا!

''لَا تَخَلَّلُوْ بِالْاٰسِ فَاِنَّ ذٰلِكَ يُوْرِثُ عِرْقَ النِّسَاءِ''

مہندی کی لکڑی سے خلال نہ کرو، اس سے ٹانگ کا درد پیدا ہوتا ہے، جو ران سے لے کر ٹخنے تک جاتا ہے۔'' (ایضاً)

☐ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا!''جو کوئی کھانے کے بعد خلال کرے، وہ نکلے ہوئے خوراک کے ریزے پھینک دے۔ جو زبان سے لگے ہوئے ہوں، انہیں نگل لے جو ایسا کرے گا وہ بہترین شخص ہے جو ایسا نہ کرے تو بھی حرج نہیں۔'' (ایضاً)

☐ فقیہ ابو للیث رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے! جب کھانا کھانے لگیں تو پہلے دو تین لقمے روٹی کے کھالیں تا کہ دانتوں کے خلاء کو پر کر دیں۔ (ایضاً)

یعنی دانتوں کا خلاء اگر روٹی کے ٹکڑے سے پر ہو جائے تو خلال میں سہولت رہے گی ورنہ گوشت کے ریشے پھنس جائیں تو نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔

☐ امام ابوالليث رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں! سخت لکڑی کے تنکوں سے خلال مناسب نہیں، نرم لکڑی بہتر ہے۔

مہمان کو چاہئے کہ میزبان کے سامنے خلال نہ کرے، دوسرے کے سامنے خوراک کے ریزے دانتوں سے نکالنے پر کراہت ہوتی ہے۔ ریزے اڑ کر دوسروں کے کپڑوں پر گرنے کا امکان ہے۔ جب ہاتھ منہ دھوئے تو اس وقت خلال کے ریزے اس میں پھینکے۔ یہ شرافت اور ادب کی دلیل ہے۔ (ایضاً)

امام حسن رضی اللہ عنہ اور مسکینوں کا کھانا

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے! امام حسن رضی اللہ عنہ کچھ مسکینوں کے پاس سے گزرے جو سڑک کے کنارے بیٹھے لوگوں سے سوال کرتے تھے۔ اس وقت انہوں نے روٹی کے ٹکڑے زمین پر پھیلا رکھے تھے اور سب بیٹھے کھا رہے تھے۔ آپ خچر پر سوار تھے۔ ان فقیروں نے آپ رضی اللہ عنہ سے کہا! اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے! آئیے کھانا کھائیے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا بہتر ہے، بہتر ہے، اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ کہہ کر خچر سے نیچے اترے اور ان کے ساتھ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھالیا، پھر انہیں سلام کر کے سوار ہوئے اور فرمایا! بھائیو! میں نے تمہاری دعوت قبول کی اب تم میری دعوت قبول کرو۔ انہوں نے بسر و چشم قبول کر لیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں وقت مقرر کر دیا، جب وہ آئے تو خوب عمدہ کھانا ان کے سامنے رکھا اور خود بھی ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا اور انہیں کھلایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعوت صرف امیروں کی قبول نہ کی جائے بلکہ غریبوں کی دل جوئی کیلئے ان کی دعوت قبول کرنا چاہئے، البتہ فاسق و فاجر کی دعوت بغیر دینی غرض کے قبول نہ کی جائے۔ (احیاء العلوم)

عمر بن عبدالعزیز (دنیا کی واحد سپر پاور) کا فقیرانہ گھرانہ

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ عموما نماز عشاء پڑھ کر اپنی بیٹیوں کے پاس جاتے، انہیں سلام کہتے۔ ایک روز وہاں گئے جب بیٹیوں نے ان کا آنا محسوس کیا تو اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لئے اور جلدی سے دروازے کی طرف بھاگ گئیں۔

حضرت نے خادمہ سے پوچھا! یہ کیا ماجرہ ہے؟ خادمہ نے بتایا کہ آج شام کھانے میں صرف مسور کی دال اور پیاز تھا، بچیوں نے وہی کھایا ہے۔ اب شرما گئی ہیں کہ ہمارے منہ سے پیاز کی ناگوار بو باپ نہ سونگھ سکے۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے، پھر فرمایا! میری بیٹیو! کیا آپ پسند کریں گی کہ تمہیں انواع واقسام کے کھانے ملیں، اور ان کے بدلے تمہارا باپ دوزخ کی آگ میں پھینکا جائے؟ تو بیٹیاں رونے لگیں، یعنی ہمیں یہ منظور نہیں ہے کہ عمدہ کھانے ہمیں ملیں اور ہمارا باپ جہنم میں جائے۔ (موارد الظمان، 97/4)

بھوک کے فوائد اور بسیار خوری کے نقصانات

فائدہ نمبر 1

بھوک سے دل کی صفائی، طبیعت میں چمک اور بصیرت میں کشادگی پیدا ہوتی ہے، اس کے برعکس بسیار خوری سے کند ذہنی، دل کی تاریکی اور دماغی کثرت بخارات پیدا ہوتے ہیں۔

فائدہ نمبر 2

بھوک سے دل کی نرمی، ادراک وشعور الٰہی، اللہ سے مناجات کی حلاوت اور ذکر اللہ میں زبان و دل کی حاضری نصیب ہوتی ہے، دل ذکر الٰہی سے متاثر ہوتا ہے اور مناجات میں لذت پیدا ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ خالی معدے کا کمال ہے۔ اس کے برعکس بسیار خوری سے دل سخت ہو جاتا ہے، پھر نہ عبادت میں لذت پیدا ہوتی ہے نہ کوئی اثر آفرینی بلکہ اللہ اور بندے کے درمیان حجاب بن جاتا ہے۔

فائدہ نمبر 3

بھوک سے عاجزی و انکساری پیدا ہوتی ہے، غرور نفس ٹوٹتا ہے اور دنیاوی اکڑفوں کو زوال آتا ہے جو کہ سرکشی اور غفلت کا پیش خیمہ ہے۔ اس کے برعکس بسیار خوری سے نہ عاجزی پیدا ہوتی ہے نہ نفسانی غرور ختم ہوتا ہے۔

- بَطَرْ (اکڑنا) اور فَرَحْ (دنیاوی سرور) یہ دونوں جہنم کے دروازے ہیں ان کی جڑ زیادہ کھانا ہے۔

ذُلّ (عاجزی) اِنْکِسَار (انکساری) یہ دونوں جنت کے دروازے ہیں ان کی جڑ بھوک ہے۔ جو یہ جہنم کے دروازے بند کرلے گا، اس کے لئے لازمی جنت کے دروازے کھل جائیں گے کیونکہ یہ دونوں دروازے (جہنم اور جنت کے) بالکل مخالف سمت میں ہیں۔ جیسے مغرب اور مشرق دونوں میں سے جس کے قریب ہوں گے دوسرے دور ہو جائیں گے۔

فائدہ نمبر 4

بھوک سے آدمی اللہ کی آزمائشوں، اس کی سزاؤں اور اہل مصیبت کو نہیں بھول سکتا بلکہ وہ مصیبت کو دیکھ کر آخرت کی مصیبت کو یاد کرتا ہے۔ میدان حشر میں پیاسی مخلوق کو یاد کرتا ہے۔ جن کی شدت بھوک اسے یاد آتی ہے تو کانپ اٹھتا ہے کہ انہیں کھانے پینے کو (زقوم) تھوہر کا درخت، جس کا ذائقہ تلخ، بو ناگوار، اس کے رس کا قطرہ جسم کو لگ جائے تو سوج جاتا ہے۔ (غسّاق) پیپ، کچ لہو۔ (مُہل) تیل کا تلچھٹ یا لاوا۔ (ضریع) خاردار سوکھی گھاس، (غِسلین) زخموں کے دھوون دیئے جائیں گے۔ اس کے برعکس پیٹ بھر کے کھانے والوں کو نہ بھوک کی قدر معلوم ہوتی ہے نہ بھوک والوں کی فکر لاحق ہوتی ہے۔

فائدہ نمبر 5

بھوک سے اللہ کی نافرمانی اور نفسانی خواہشات ٹوٹتی ہیں۔ اپنے نفس امارہ پر غلبہ نصیب ہوتا ہے۔ طرح طرح کے کھانوں سے بھرا ہوا پیٹ، اللہ کی نافرمانیوں پر ابھارتا ہے۔

فائدہ نمبر 6

بھوک سے نیند کم آتی ہے، جاگنا زیادہ نصیب ہوتا ہے۔ اس کے برعکس پیٹ بھر کر کھانے پینے سے نیند کثرت سے آتی ہے، آدمی مدہوش ہو کے سوتا ہے۔ زیادہ سونا عمر کے قیمتی وقت کو ضائع کرتا ہے۔ تہجد فوت ہوتی ہے طبیعت بوجھل ہوتی ہے اور دل میں سختی آتی ہے۔

فائدہ نمبر 7

بھوک سے عبادت پر دوام ملتا ہے۔ اس کے برعکس بسیار خوری کثرت عبادت سے روکتی ہے۔ زیادہ کھانا اس پر زیادہ وقت خرچ ہوتا ہے۔ کھانے پینے کی اشیاء خریدنے پر بھی وقت زیادہ لگتا ہے۔ پکانے پر بھی وقت زیادہ لگتا ہے بار بار کھانے پینے سے بار بار باتھ روم جانا پڑتا ہے، حالانکہ یہی زندگی کے نایاب اوقات عبادت اور نیکیوں میں لگتے تو زیادہ فائدہ مند تھا۔

فائدہ نمبر 8

بھوک سے بدن کو صحت اور تندرستی ملتی ہے اور بیماریوں کا دفاع ہوتا ہے۔ اس کے برعکس زیادہ کھانے سے معدہ اور آنتوں میں فضلہ زیادہ ہوتا ہے، جو معدے اور آنتوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ بیماری بھی عبادت سے روکتی ہے۔ دل کو تشویش لاحق ہوتی ہے۔ ذکر وفکر سے عاری ہوتا ہے۔ ڈاکٹروں اور حکیموں سے طرح طرح کے علاج معالجے کروانے پڑتے ہیں اور کبھی آپریشن کروانے پڑتے ہیں۔

فائدہ نمبر 9

بھوک سے مالی طور پر کفایت شعاری ہوتی ہے، تھوڑے پیسوں سے گزارا ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو زیادہ کھانے کا عادی ہوگا اس کا پیٹ اس کا روزانہ گلا پکڑ کر جھنجھوڑے گا کہ آج کیا کھلاؤ گے؟ آتش شکم کو ٹھنڈا کرنے کے لئے بعض دفعہ خبیث مقامات میں گھسے گا، حرام تک رسائی حاصل کرے گا یا حلال کیلئے ضرورت سے زیادہ محنت کر کے چکنا چور ہوگا۔ کئی بار للچائی ہوئی نظروں سے دوسروں کو دیکھے گا۔ اور ذلت ورسوائی کا سامان عبرت بن جائیگا۔

فائدہ نمبر 10

بھوک سے ایثار وقربانی کا جذبہ زندہ رہے گا۔ بچے ہوئے کھانے سے یتیموں اور

مسکینوں کو کھلائے گا۔ بقول نبی ﷺ کے یہ صدقہ قیامت کے روز اسے سائے کا کام دے گا۔ اس کا اپنا کھانا اس کے بدن کی حفاظت کا ذریعہ بنے گا۔ جو صدقہ کر دیا وہ اس کیلئے آخرت کا خزانہ بنے گا۔ اس کے برعکس پرخوری بخل سکھائے گی اور ایثار و قربانی کا جذبہ کم سے کم کر دے گی۔ (موارد الظمآن، 186/4)

کھانے والے کا نقص نکالنا

خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے ہاں ایک دیہاتی آدمی آیا۔ وہ خلیفہ کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔ دیہاتی کے لقمہ میں ایک بال اٹک گیا۔ خلیفہ نے کہا۔ بھئی! آپ کے لقمہ میں ایک بال اٹکا ہوا ہے۔ دیہاتی کو غصہ آیا اور کہنے لگا۔

آپ میرے لقمہ میں بال تک نگاہیں جمائے بیٹھے ہو۔ واللہ! آئندہ کبھی آپ کے پاس کھانا نہیں کھاؤں گا۔ وہاں سے نکلتے وقت دیہاتی نے ایک شعر سنا دیا۔

وَالْمَوْتُ خَيْرٌ مِنْ زِيَارَةِ بَاخِلٍ
يُلَاحِظُ اَطْرَافَ الْاَكِيْلِ عَلَى عَمْدٍ

”بخیل آدمی کی زیارت سے بہتر ہے کہ موت آ جائے۔ جو جان بوجھ کر کسی بسیار خور کے چاروں طرف نظریں گھما کے دیکھتا رہتا ہے۔“ (العقد الفرید، 290/2)

- گذشتہ واقعہ سے معلوم ہوا کہ بڑے لوگوں کی دعوت میں تب جائیں جبکہ وہ دل کے غنی ہوں، نرا دنیاوی دولت والے ہی نہ ہوں، یعنی بخیل سرمایہ دار کا کھانا بھی مہنگا پڑتا ہے جبکہ اس میں کم حیثیت لوگوں کی عزت افزائی نہ ہو۔ دوسری ادب کی بات یہ ظاہر ہوئی کہ دسترخوان پر ہر کھانے والا نیچی نگاہیں کر کے کھائے، دوسروں کے انداز طعام و شراب پر نظر نہ رکھے۔

- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول کتنا بلند ہے!

سَادَاتُ النَّاسِ فِي الدُّنْيَا الْاَسْخِيَاءُ، وَفِي الْاٰخِرَةِ الْاَتْقِيَاءُ

”دنیا میں لوگوں کے سردار سخی لوگ ہیں۔ اور آخرت میں لوگوں کے سردار، متقی لوگ ہیں۔“ (العقد الفرید، 191/1)

- علامہ ابن عبدربہ اندلسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کھاتے وقت ادب کی بات یہ ہے کہ خود کھانے سے پہلے ہاتھ دھولے، پھر شرکاء طعام سے کہے۔ جو ہاتھ دھونا چاہے وہ ہاتھ دھوسکتا ہے۔ اسی طرح کھانے کے بعد پہلے خود ہاتھ دھولے پھر دوسروں کو دھونے کا اختیار دے، یعنی حکم نہ دے۔ (حوالہ مذکورہ)

- سنا تھا کہ ظفر شاہ بہادر کے دستر خوان پر کھاتے وقت ایک چاول ان کی داڑھی کے بالوں میں اٹک گیا تو سامنے بیٹھے ہوئے مصاحب نے کہا، بادشاہ سلامت ٹہنی پر بلبل۔ بادشاہ نے فوراً داڑھی کے بالوں پر ہاتھ پھیر لیا۔ باقی لوگوں کو سمجھ ہی نہیں آئی کہ "ٹہنی پر بلبل" سے کیا مراد ہے؟ یعنی کھانے کے دوران ایسی کیفیت پیدا ہو جائے تو نہایت ادب سے، غیر محسوس طریقہ سے توجہ دلائی جا سکتی ہے۔

حکیمانہ باتیں

- احنف بن قیس نے کہا!

جَنِّبوا مَجَالِسَنَا ذِكْرَ النِسَاءِ وَالطَّعَامِ، فَإنِّي أُبْغِضُ الرَّجُلَ يَكُوْنُ وَصَّافًا لِبَطْنِهِ وَ فَرْجِهِ (العقد الفريد، 17/8)

"ہماری محفلوں سے عورتوں کی اور کھانے کی باتیں دور رکھو۔ مجھے اس شخص پر سخت رنج ہوتا ہے جو صرف اپنے پیٹ اور اپنی شرم گاہ کی بات کرتا ہے۔"

- ایک شامی آدمی نے مدینہ شریف کے باشندے سے پوچھا!

عَجِبْتُ مِنكُمْ إنَّ فُقَهَاءَ كُمْ اَظْرَفُ مِنْ فُقَهَاءِ نَا وَمَجَانِيْنكُمْ اَظْرَفُ مِنْ مَجَانِيْنِنَا (حوالہ مذکور)

"مجھے حیرت ہے کہ تمہارے علماء ہمارے علماء سے زیادہ ذہین اور ماہر ہوتے ہیں، حتیٰ کہ تمہارے دیوانے بھی ہمارے دیوانوں کی نسبت فرزانے ہوتے ہیں۔"

مدنی جوان نے کہا! تمہیں معلوم ہے کہ یہ ذہانت کہاں سے حاصل ہوتی ہے؟ اس شامی نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ مدنی جوان نے کہا! یہ ذہانت وفطانت بھوک سے حاصل ہوتی ہے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ ٹھوس لکڑی کی آواز بھدی ہوتی ہے جب اسے اندر سے کھوکھلا کر دیا جائے تو اس سے سریلی آواز نکلتی ہے۔

□ ابوعثمان الشوری کھانے کے وقت اپنے بیٹے کو ساتھ بٹھاتے، ساتھ ساتھ نصیحت کرتے۔

بیٹے! اپنے آپ کو پیٹو بچوں سے بچائے رکھنا۔ نوحہ وشیون کرنے والوں سے دور رہنا۔ جنگلی لوگوں کی طرح گوشت نوچنے والے نہ بننا۔ جو کھانا آپ کے آگے ہو وہی کھائیں۔ کھانے میں اگر عمدہ لقمہ، مرغوب بوٹی یا پسندیدہ چیز ہو تو اسے بڑے بزرگ یا بچے کیلئے رہنے دیں کیونکہ نہ آپ بوڑھے ہیں نہ بچے۔ عربی کہاوت ہے۔

''مُدْمِنُ اللَّحْمِ کَمُدْمِنِ الْخَمْرِ''

گوشت کا بے حد شوقین شرابی نشے باز کی طرح ہے۔

بیٹے! اپنے آپ کو ایثار کا عادی بنانا۔ شہوت اور ہوائے نفس سے مجاہدہ کرتے رہنا۔ درندوں کی طرح چیر پھاڑ نہ کرنا۔ گھوڑوں کی طرح پچھلی داڑھوں سے نہ کھانا۔ بکری کی طرح ہر وقت نہ چرتے پھرنا۔ اونٹ کی طرح بڑے بڑے لقمے منہ میں نہ ڈالنا۔ اللہ نے آپ کو انسان بنایا ہے اپنے آپ کو حیوان نہ بنانا۔ شکم پُری کے مرض سے بچنا۔ پیٹو بن کر اجاڑا نہ کرنا۔

حکماء کا کہنا ہے! جب تو بسیار خور بن جائے گا تو پھر اپنے آپ کو اپاہج لوگوں میں شمار کرنا۔ یاد رکھ! پرخوری بدہضمی کا سبب ہے، اور بدہضمی بیماری کو دعوت دیتی ہے۔ اور بیماری موت کی طرف دھکیل دیتی ہے۔ جو اس طرح کی موت مرے گا، وہ ملامت کی موت مرے گا کیونکہ یہ خودکشی ہے اور خودکشی دوسروں کو قتل کرنے سے زیادہ بری بات ہے۔

میرے پیارے بیٹے! بسیار خور آدمی، سچی بات ہے نہ رکوع کا حق ادا کر سکتا ہے نہ سجدے کا حق ادا ہوتا ہے۔ پیٹو آدمی اللہ سے خشوع وخضوع نہیں کر سکتا۔ روزہ صحت مندی کی علامت ہے اور واجبات کے ادا کرنے سے صالحین کو زندگی ملتی ہے۔

بیٹے! زیادہ کھانے والوں کی عمر زیادہ لمبی نہیں ہوتی۔ عربوں کی عمریں اسی (بھوک کے) لئے زیادہ تھیں۔ حارث بن کلدہ نے کیا خوب کہا ہے!

اصل علاج پرہیز ہے۔ زیادہ کھانے بیماری ہیں۔ تو اس چیز میں دھیان کیوں نہیں دیتا جس میں جسمانی صحت، ذہنی بالیدگی ہے، دین ودنیا کی بہتری ہے، اور فرشتوں کی قربت ہے۔

بیٹے! گوہ کی عمر کیوں لمبی ہوتی ہے؟ کیونکہ وہ باد نسیم، یعنی اکثر اوقات ہوا کھاتی ہے۔ اسی طرح نبی ﷺ نے فرمایا۔ ''روزہ قوت شہوت کو کم کرتا ہے۔''

جملہ معترضہ

گوہ، جسے عربی زبان میں ''ضَبّ'' کہتے ہیں۔ ''حیاۃ الحیوان الکبری'' میں پڑتال کیا تو یہ لکھا ہوا ملا۔ ''گوہ پانی نہ پینے کے برابر لیتی ہے۔ سات سو (700) برس زیادہ عمر پاتی ہے۔ چالیس (40) روز میں صرف ایک قطرہ پیشاب کرتی ہے۔

حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا!

وَ كَيْفَ اَخَافُ الْفَقْرَ وَاللّٰهُ رَازِقِي

وَرَازِقُ هٰذَا الْخَلْقِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ

تَكَفَّلَ بِالْاَرْزَاقِ لِلْخَلْقِ كُلِّهِمْ

وَلِلضَّبِّ فِي الْبَيْدَا وَلِلْحُوْتِ فِي الْبَحْرِ

میں فقر وفاقہ سے کیوں ڈر کھاؤں جبکہ میرا رازق اللہ ہے۔ سب مخلوق کو ہر آسانی اور مشکل میں روزی دینے والا ہے، ساری مخلوقات کی روزی کا وہ خود ضامن بن گیا ہے۔ بیابانوں میں گوہ اور سمندروں میں مچھلی کو وہی روزی دیتا ہے۔ (حیاۃ الحیوان، 636/1)

مچھلی کی حیرت انگیز بات

Blue-whale کے بارے میں کل ہی بچوں کی لائبریری سے ایک کتاب میں دیکھا کہ اس مچھلی کی زبان کا وزن، ایک ہاتھی کے وزن کے برابر ہے۔ اب آپ اندازہ کر لیں جنگلی گوہ سینکڑوں برس، روزی کہاں سے لیتی ہے؟ اور اتنی بڑی بڑی مچھلیاں کہاں سے

خوراک پاتی ہیں؟ یعنی سب کا رازق اللہ ہے۔ جو ہر آن اپنی مخلوق کو روزی دے رہا ہے۔

☐ جملہ معترضہ کے بعد ہم پھر اسی مضمون کی طرف آتے ہیں۔

بیٹے! میری عمر نوے (90) برس ہو گئی ہے، میرا کوئی دانت ہلا تک نہیں، کوئی پٹھا (اعصاب) ڈھیلا نہیں ہوا۔ میں ناک کی ریزش سے ناآشنا ہوں یعنی کبھی ناک سے رینٹ تک نہیں آئی۔ نہ میری آنکھ سے پانی بہہ نکلا، یعنی آشوب چشم سے محفوظ ہوں، نہ کثرت پیشاب کی بیماری لگی۔ ان بیماریوں اور کمزوریوں کے نہ ہونے کا واحد سبب میرا کم کھانا ہے۔ اگر تجھے زندگی پیاری ہے، تو یہ نسخہ ہے طول حیات کا۔ اگر تجھے موت پیاری ہے تو بہت کھانا تجھے اس سے دور نہیں کرے گا، یعنی جلد مر جائے گا۔ (العقد الفرید، 17/8)

حقیقی رازق کا کمال کرشمہ

ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ کی توبہ کے بارے میں کئی حکایات ہیں، ایک یہ بھی واقعہ ایک عربی کتاب میں درج ہے۔ کہ ایک دن ابراہیم شکار کیلئے جنگل گیا۔ ایک جگہ قیام کیا، دستر خوان کھولا، کھانا کھانے لگا، اچانک ایک کوّا آیا جھٹ سے اس نے روٹی کا ٹکڑا چونچ میں لیا اور اڑ گیا ابراہیم حیرت زدہ رہ گیا۔ گھوڑے پر سوار ہوا۔ کوّے کے پیچھے گھوڑا دوڑاتا گیا بالآخر وہ پہاڑ پر جا پہنچا۔ ابراہیم اس کے پیچھے پہاڑ پر چڑھ گیا۔ دور سے کوّے پر نظر پڑی۔ قریب ہوتا گیا۔ کوّا اڑ گیا وہاں ایک آدمی پڑا دیکھا جس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں، الٹا لیٹا ہوا ہے۔ ابراہیم نے اس حال میں آدمی کو دیکھا تو گھوڑے سے نیچے اترا، اس کی رسیاں کھول دیں۔ اس کا ماجرا سنا۔ اس آدمی نے بتایا! میں تاجر تھا۔ ڈاکوؤں نے آ لیا۔ میرا مال لوٹ لیا، مہربانی کر کے مجھے قتل نہیں کیا، بس سختی سے باندھ کر یہاں پھینک گئے، سات (7) دنوں سے یہاں بے آسرا پڑا ہوں۔ اللہ روزانہ اس کوّے کو بھیجتا ہے۔ یہ روٹی کا ٹکڑا لے آتا ہے میرے سینے پر بیٹھ کر، روٹی کے لقمے اپنی چونچ سے بناتا ہے اور میرے منہ میں ڈالتا ہے اتنے دنوں سے اللہ نے مجھے بھوکا نہیں رہنے دیا۔ ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ نے اسے اپنے گھوڑے کے پیچھے بٹھایا، واپس اپنے مقام پر لایا، اللہ سے توبہ کی، شاہی لباس اتارا، اون کا لباس پہنا، اپنے غلام کو آزاد کیا۔ اپنی زمینیں وَقفٌ لِلّٰہ کیں۔ لاٹھی

ہاتھ میں لی۔ بغیر سفری وسائل کے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے مکہ مکرمہ کی راہ لی۔ کعبہ شریف میں داخل ہوا۔اور اللہ کا شکرادا کیا۔ (درۃ الناصحین، 115)

حلال وحرام کی تمیز

□ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا جس میں آدمی، اس بات کی پرواہ نہیں کرے گا کہ اس نے جو مال کمایا ہے وہ حلال ہے یا حرام؟ (صحیح بخاری)

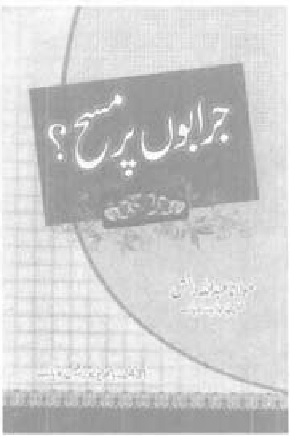
یعنی حلال وحرام، ان کی نگاہ میں برابر ہو جائیں گے۔ حلال سے محبت نہ رہے گی، حرام سے نفرت نہ رہے گی۔ یہ وہی زمانہ ہے جس میں رشوت، جواء، سود، شراب اور زنا کی کمائی، دھڑلے سے کھائی جا رہی ہے اور اس حرام سے ذرا بھی نفرت اور کراہت نہیں ہے۔ اعاذنا اللہ منہ!

تصانیفِ دانش



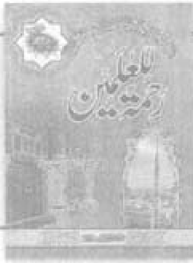






خوشخبری

نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق
چالیس (40) صحیح احادیث کا مجموعہ جلد شائع ہو رہا ہے۔



- سیرت النبی ﷺ پر سب سے منفرد اور تحقیقی کتاب
- محبت اور عشق رسول ﷺ میں تحریر کردہ ایک حسین اور منفرد تحفہ
- 1400 سے زائد مستند حوالہ جات سے مزین



- اصلاح، اخلاق اور قابل عمل کردار کا زندہ و جاوید شاہکار
- آستانہ نبوت سے براہ راست فیض یاب عورت کی خوبصورت اور تابندہ داستان حیات
- ممتاز اور یگانہ روزگار ہستی کی علمی، فقہی اور اجتہادی صلاحیتوں کا باکمال تذکرہ
- خواتین عالم کے لیے یادگار اور قابل عمل نمونہ، جسے اپنا کر اپنی زندگی کو پُرمسرت اور روشن مثال بنا سکتی ہیں۔

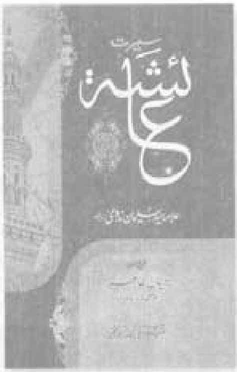


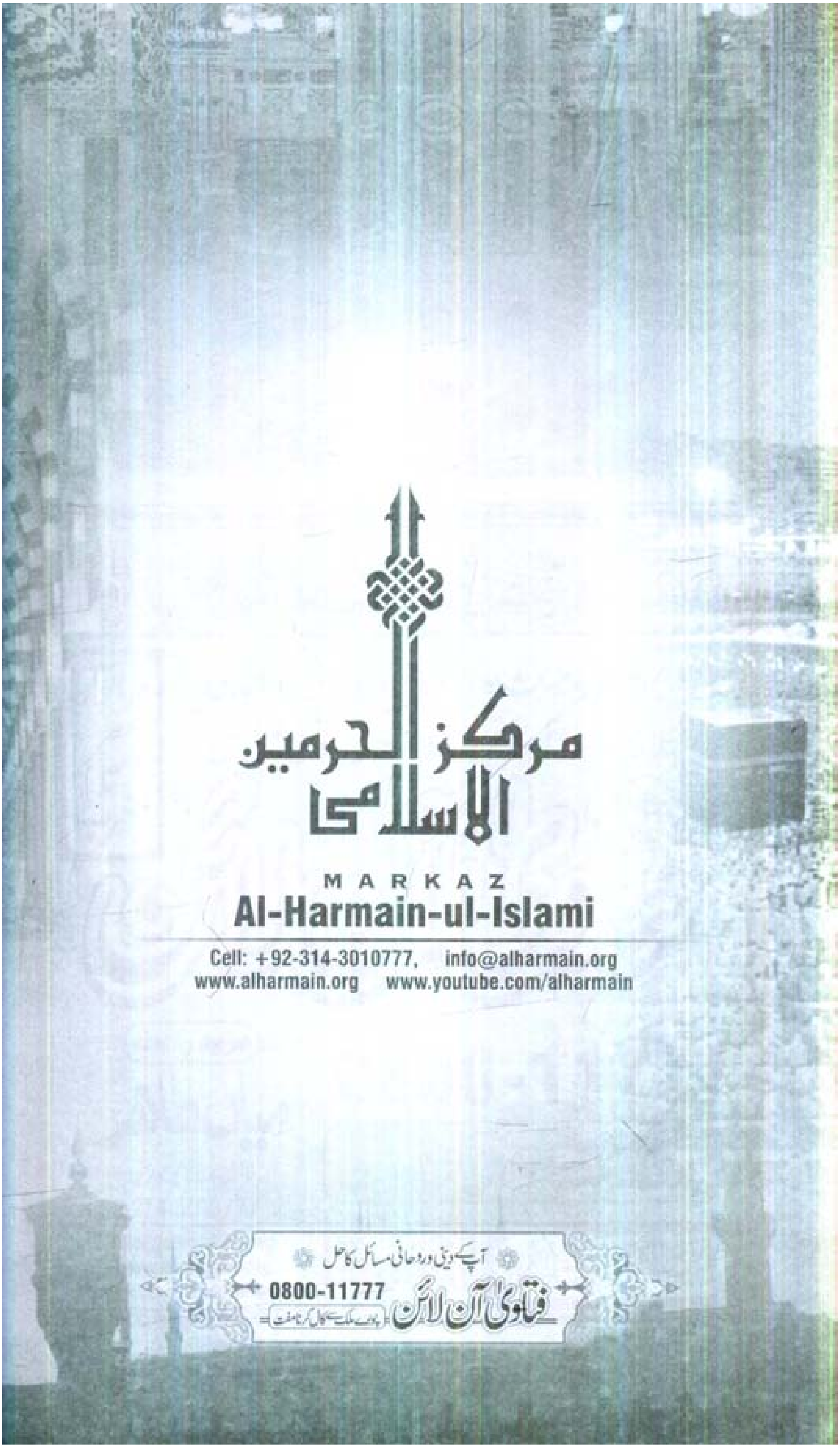
- اسلامی اخلاق و کردار سنوارنے کے لیے ایک رہنما کتاب
- اسلام علم و حکمت اور بہترین تہذیب و تمدن کا دین ہے۔
- اسلام دہشت گردی اور فرقہ پرستی سے پاک محبت و ہمدردی کا دین ہے۔
- اسلام عبادات کے ساتھ معاملات اور طرز زندگی میں مکمل رہنمائی کا نام ہے۔



- باادب بانصیب...... بےادب بےنصیب
- ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں
- تعلیم و تربیت، اصلاح اور تزکیہ نفس کا نسخہ کیمیا
- دل و دماغ اور عشق و کیف سے بھرپور باادب اور باوقار تحریر جو دل و دماغ کی کیفیت بدل کے رکھ دے۔


رحمۃ للعالمین

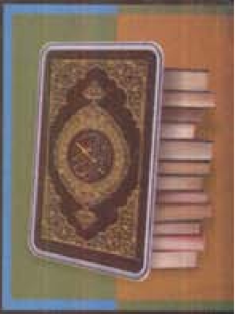

عائشہ


مرکز الحرمین الاسلامی
MARKAZ
Al-Harmain-ul-Islami
Cell: +92-314-3010777, info@alharmain.org
www.alharmain.org www.youtube.com/alharmain
آپ کے دینی وروحانی مسائل کا حل
0800-11777
فتاویٰ آن لائن

مرکز الحرمین الاسلامی

MARKAZ
Al-Harmain-ul-Islami

Cell: +92-314-3010777, info@alharmain.org
www.alharmain.org www.youtube.com/alharmain



تعارف مسجد البدر

فضیلۃ الشیخ عبداللہ دانش نے 7 نومبر 1996ء میں باتھ ایونیو بروکلین میں کرائے پر جگہ حاصل کی، 1 ماہ کا پیشگی کرایہ اور 2 ماہ کی سیکیورٹی یعنی 4500 ڈالر خود نقد ادا کر کے لیز پر حاصل کی، قریبا 12 سال کرائے کی جگہ پر مسجد کا نظام چلایا، پھر اللہ کی توفیق سے جولائی 2008ء میں اسی روڈ پر ایک غیر مسلم اطالوی سے بغیر سود 9 لاکھ ڈالر میں 34x80 فٹ پر بنی ہوئی عمارت خرید لی، جسے زندہ دلانِ مسلم نوجوانوں نے ایک ڈیڑھ ماہ کے اندر اندر مسجد کی شکل میں ڈھال دیا۔

اللہ انہیں جزائے عظیم سے نوازے، آمین

29 اگست 2008ء نئی جگہ پر افتتاحی خطبہ جمعہ فضیلۃ الشیخ عبداللہ دانش نے خود پیش کیا (الحمد للہ)، اب تک دو تہائی رقم ادا ہو چکی ہے جبکہ ایک تہائی باقی آئندہ سوا سال میں ادا کرنی ہے۔

مسجد البدر کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ مسلکوں (گروہ بندیوں) کی باہمی کشاکش سے پاک وصاف نیز مسلکوں کے باہمی اختلافات کی بجائے خالص اسلام کی کتابیں اردو اور انگلش زبان میں وافر مقدار میں موجود ہیں جو مسلم وغیر مسلم افراد کو پیش کی جاتی ہیں۔

جولائی 2012ء

MARKAZ
Al-Harmain-ul-Islami

Cell: +92-314-3010777.   info@alharmain.org
www.alharmain.org   www.youtube.com/alharmain